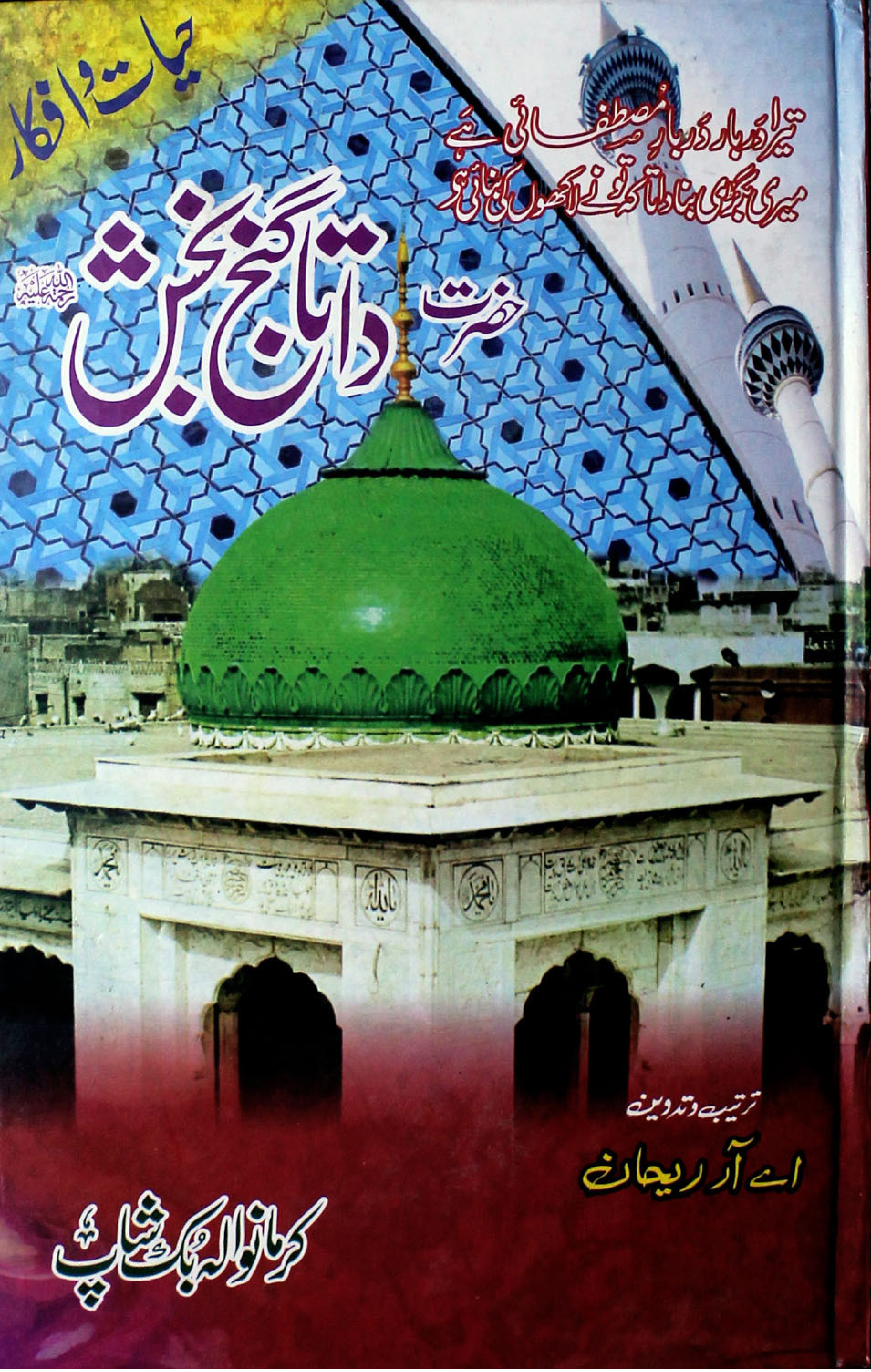

حیات و افکار

تیرا دربار دربارِ مصطفائی ہے
میری بگڑی بنا داتا کہ تو نے لاکھوں کی بنائی ہے

# حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تدوین

اے آر ریحان

کرمانوالہ بک شاپ

Marfat.com

حیات و افکار

تیرا دربار دربارِ مصطفائی ہے
میری بگڑی بنا داتا کہ تو نے لاکھوں کی بنائی ہے

# حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتدوین

## اے آر ریحان

کرمانوالہ بک شاپ
دوکان نمبر ۲- دربار مارکیٹ لاہور
Voice: 042-7249515
0300-4306876

Marfat.com

# فیضان کرم

## حضرت سید السادات پیر محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف حضرت کرماں والے

آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف اوکاڑہ

شیر باغ ولایت
- حضرت سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

منبع رشد و طریقت
- حضرت سید محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر
سید صمصام علی شاہ بخاری مدظلہ العالی

حضرت پیر
سید میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہ العالی
سجادہ نشین حضرت کرمانوالہ شریف

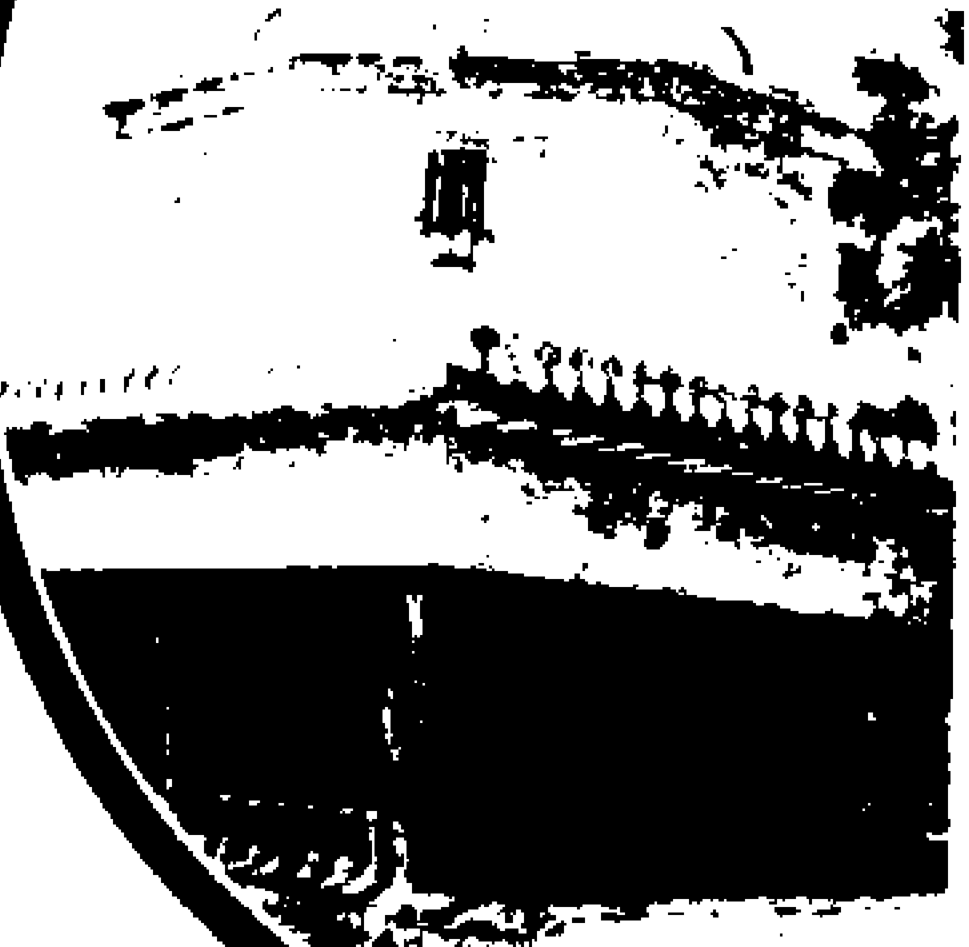

تالیف
حاجی پیر انعام اللہ ظفی نقشبندی برکاتی

زیر اہتمام
سمیع اللہ برکت

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت 2010

قیمت 250 روپے

Marfat.com

# انتساب بنام

حضرت سیّد **دانیال** رحمۃ اللہ علیہ
(موہڑہ اعلیٰ مکان شریف)

حضرت سیّد **عارف** رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب، والا قدر اوزماں، حضرت پیر سیّد **حسین علی شاہ** صاحب قدس سرّہٗ العزیز
المعروف (بھورے والے صاحب)

قیوم عالم سیّدنا حضرت پیر سیّد **امام علی شاہ** صاحب قدس سرّہٗ العزیز

حضرت صاحبزادہ سیّد **سرمد مقصود** مدظلہ العالی

صاحبزادہ سیّد **اشہب صادق نقوی**

حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی

Marfat.com

Marfat.com

# ترتیب


* مقدمہ ۔۔۔۔۔ ۹
* عرضِ ناشر ۔۔۔۔۔ ۱۱
* حقیقت توحید ۔۔۔۔۔ ۱۵
* سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق چند غلط فہمیاں ۔۔۔۔۔ ۲۱
* سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے چند رفقاء ۔۔۔۔۔ ۵۸
* آستانہ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ۔۔۔۔۔ ۶۸
* مخمس بر مصرع خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔۔۔ ۷۳
* معجزہ کرامت، کشف المحجوب کی روشنی میں ۔۔۔۔۔ ۷۵
* سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام امن وسلامتی ۔۔۔۔۔ ۸۷
* گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔۔۔ ۹۴
* مدح حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔۔۔ ۱۰۴
* مسدس بطور سلام ۔۔۔۔۔ ۱۰۵
* حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ولایت ۔۔۔۔۔ ۱۱۱
* داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔۔۔ ۱۲۳
* حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔۔۔ ۱۳۴
* حسن عمل کا اعجاز ۔۔۔۔۔ ۱۸۸
* سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ تصوف ۔۔۔۔۔ ۱۹۲
* سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔۔۔ ۲۱۰
* داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین ۔۔۔۔۔ ۲۳۹
* طلوع آفتاب فیض عالم ۔۔۔۔۔ ۲۵۰


Marfat.com

* مناقب وسلام حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ______ ۳۵۰
* خانقاہ عالیہ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ______ ۳۵۴
* یاجناب مصطفیٰ سلطان داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ______ ۳۵۸
* گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس اور اس کی تعمیر ______ ۳۵۹
* ہمارا داتا رحمۃ اللہ علیہ ______ ۳۶۴
* ہجویری مسجد ______ ۳۶۵
* داتا حضور رحمۃ اللہ علیہ ہیں ______ ۳۷۵
* حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری ______ ۳۷۶
* حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ______ ۳۸۱
* کشف المحجوب کے صحیح ترین نسخے ______ ۳۸۲
* ترجیع بند ______ ۳۹۴
* کشف المحجوب کے چند موضوعات توحید کے بارے میں ______ ۳۹۶
* کشف المحجوب کے چند موضوعات توحید کے بارے میں ______ ۳۹۹
* توبہ اور اس کے متعلقات ______ ۴۰۳
* زکوٰۃ کے بارے میں ______ ۴۰۵

# مقدمہ

متبرک، دنیوی واخروی منفعت بخش یہ کاوش داتا علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ پاک سفرِ بابرکات حقیقی مقصدِ حیات کے بارے میں مفصل اور جامع کتاب ہے۔ یہ اُن حضرات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جو تشنگیٔ روح کی تسکین کے طلب گار ہیں۔..........

ممکن ہے اس سے قبل کئی ایک کتب آپ کی نگاہِ شوق سے گزری ہوں لیکن اس میں راقم نے تاریخ کو پیش کیا ہے۔ یہ تاریخ حقیقت میں تصوف سے متعلقہ ہے۔ مزید برآں تاریخ کی ستم ظریفی بر تصوف کا بھی ذکر مفصل موجود ہے۔

توحید کو انتہائی مخلصانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے روحانی پرورش مقصود ہے۔ دیگر الفاظ میں آپ یہ توحید کی انوکھی تصریح کہہ سکتے ہیں۔ روایاتی طریق سے قطع نظر اس کو اصطلاحات میں الجھایا نہیں گیا۔

شریعت ظاہری اور شریعت کے انمول گوہر کے حصول کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اگر اس میں واقعات کا سلسلہ چل پڑا ہے تو دماغ کو جلا اور دل کو وسعت وکشائش نصیب ہوتی ہے۔

کثافتیں دُھلنے کا عمل جاری ہوجاتا ہے۔ بے لاگ مطالعہ انتہائی فائدہ مند ہے۔

...... یہ تحریر روایات سے ہٹ کر داتا حضور رحمۃ اللہ علیہ کی عادات وخصائل، سفر روحانیت جس میں بعض مقامات پر آپ نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو

Marfat.com

احتساب کے کٹہرے میں پیش کر دیا۔ تا کہ آئندہ کوئی زندگی کے اس پہلو میں دھوکہ نہ کھائے اور احتراز کرے تا کہ اس سفر میں آسانی سے سرخرو اور کامیاب ہو۔

آسان اور سہل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ مزید برآں ادبی معیار کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

بندۂ ناچیز کے الفاظ اگر طبع نازک پر گراں گزرے ہوں تو معذرت کا طلب گار ہوں۔ میں نے اپنے حاصل کردہ علم اور ذہنی رسائی کو یکسر الگ رکھ کر اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے تا کہ کسی قسم کی پیدائشی فقہی معلومات اور ذاتی دینی دسترس اس سے استفادہ کرنے میں حائل نہ ہو۔ الحمدللہ اس میں بندہ کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ اس کتاب نایاب کے مطالعہ کرنے کے بعد آپ خود محسوس کرلیں گے۔ شکریہ

(اے-آر-ریحان)

Marfat.com

# عرضِ ناشر

تاجدارِ ملکِ معنی پیرِ پیراں ' گنج بخش
کوکبِ رُشد و ہدایت نجمِ ایقاں گنج بخش
ماہِ اقلیمِ سخا خورشیدِ گردونِ عطا
نیرِ برجِ طریقت شمعِ عرفاں گنج بخش
ہستی او مزرعِ اسلام را ابرِ کرم
خطۂ پنجاب را احسانِ یزداں گنج بخش

## نامِ نامی اسمِ گرامی

سیّد ابوالحسن علی ہجویری حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت با سعادت ۴۰۰ھ ہجری کو غزنی کے نواح میں ایک بستی ہجویر میں ہوئی۔ آپکی ابتدائی زندگی اپنے وطن ہجویر میں گزری اور بعدازاں آپ نے حصولِ علم کے لیے دوردراز کے سفر کیے۔ آخری عمر میں آپ لاہور تشریف لائے اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور وہ شمع آج بھی اُسی طرح روشن ہے جو آپ نے فروزاں کی تھی۔ اُس نور نے پنجاب ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں عشقِ الٰہی کے پروانوں کو اپنے گرد جمع کرلیا۔ یہاں ولی' قطب اور مشائخ حاضری کے لیے آتے ہیں اور صدیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لاہور سارے شہروں کا قطب الارشاد شہر ہے اور وہ کس وجہ سے؟ صرف اور صرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قیام فرمانے

سے اور میرے داداجی حضرت صوفی برکت علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کے گھر کا کوڑا کرکٹ عطر وگلاب ہو اُس گھر والے کی کیا شان ہوگی؟

سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بن سیّد عثمان بن سیّد علی بن سیّد عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سیّد زید بن امام حسن بن علی المرتضٰی حیدر کرار رضوان اللہ علیہم

آپ کا خاندان علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں لاثانی تھا۔ حصولِ علم کے لیے آپ نے متعدد ممالک کا سفر کیا اور ممتاز اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوسعید ابوالخیری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں سے مستفید ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ ان میں سے جو کتاب بہت زیادہ مقبول ہوئی وہ کشف المحجوب ہے جس کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے کامل مرشد مل جائے گا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں: حکایات میں مشہور ہے کہ کوئی درویش دجلہ کی لہروں میں پھنس گیا جو تیرنا نہیں جانتا تھا کسی نے کہا کہ اگر کنارے پر آنا چاہتے ہو تو کسی کو بلاؤں جو تمہیں کنارے پر لے آئے۔ درویش نے کہا: نہیں۔ اس شخص نے کہا تو پھر کیا ڈوبنا مطلوب ہے؟ درویش نے کہا: نہیں۔ اس شخص نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ درویش نے کہا: میری چاہت کیا ہوتی میں وہی چاہتا ہوں جو حق تعالیٰ چاہتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی رضا پر بندے کو راضی رہنا چاہیے۔ (اگر بندہ رب کی رضا پر راضی نہ ہو تو بندہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ سکتا ہے نہیں تو اس لیے راضی ہی رہنا چاہیے)

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرو مرشد شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق لاہور

تشریف لائے تو آپ کو جنازہ ملا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ اور آپ کے فوراً ذہن میں آیا کہ مرشد کا حکم اسی لیے تھا کہ حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما کر خالقِ حقیقی کے پاس جا رہے تھے۔

جب آپ رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں تشریف فرما ہوئے آپ کے ڈیرے کے پاس ایک گوالن روزانہ دودھ لے کر گزرتی تھی اور ایک ہندو جادوگر جوگی کو دے کر آتی تھی۔ اس عورت نے بتلایا کہ اگر وہ دودھ اس جادوگر کو نہ دے تو اس کی بھینسیں دودھ کی جگہ خون گرانے لگتی ہیں۔ اور تھن خراب ہو جاتے ہیں آپ نے اس عورت کو جادوگر کے پاس جانے سے منع فرمایا کہ جاؤ آج سے تمہارے جانور زیادہ دودھ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا اور گوالوں کے جانور زیادہ دودھ دینے لگے۔ جوگی جادوگر کو جب علم ہوا تو وہ آپ کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ کے پاس کچھ کرشمہ ہے تو دکھاؤ۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس کوئی کرامت ہے تو دکھاؤ۔

چنانچہ جادوگر نے کچھ منتر پڑھا اور ہوا میں اُڑنے لگا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام پاک پڑھا اور لکڑی کی کھڑاؤں کو حکم دیا تو وہ ہوا میں پرواز کر گئیں اور جوگی جادوگر کے سر پر پڑنے لگیں۔ جادوگر چیختا چلاتا نیچے زمین پر آ گیا اور آپ کے قدموں میں گر کر معافی مانگی اور صدقِ دل سے مسلمان ہوا۔ جادوگری سے توبہ کر گیا۔ اس وقت سے گوالے عرس پر آپ کے روضہ پر عقیدت کے طور پر دودھ اور کھیر کا تحفہ پیش کرتے ہیں جو کہ عوام الناس میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

آپ کا وصال ۴۶۵ھ میں ہوا اور مسجد کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔ آپ کا روضہ پُر انوار مرکزِ تجلیات مرجع خلائق ہے۔ یہاں ہر سال بڑے عقیدت و احترام سے زیرِ نگرانی محکمہ اوقاف و دیگر جملہ اراکین کے عرس منایا جاتا ہے۔ عرس پر حاضری کے لیے پاکستان، بھارت، افغانستان، ایران، سعودی عرب کے علاوہ دور دراز کے ممالک سے عقیدت مند آتے ہیں اور روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر جاتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا فیض صرف ایک قوم ایک ملک یا کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص کے لیے دروازہ کھلا ہے جو چاہے فیض پا سکتا ہے اور جو چاہے زنگ آلود قلب و نگاہ کو صاف اور شفاف کر سکتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ مبارک آپ کے وصال کے تقریباً آٹھ سال بعد سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کروایا تھا۔ سلطان کو آپ سے بہت عقیدت تھی اور وہ ننگے پاؤں چل کر مزار پر حاضری دینے آتا تھا' بلکہ مغل بادشاہوں کو حضرت علی ہجویری کی ذات گرامی سے بے حد روحانی عقیدت رہی ہے۔ چنانچہ حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار جو کہ سنگ مرمر کی صرف ایک سیل کا بنا ہوا ہے مغل شہنشاہ شہاب الدین شاہجہاں کے بیٹے شہزادہ داراشکوہ نے بنوایا تھا۔ مختلف دور میں مختلف تعمیراتی کام ہوتے رہے۔ اب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے ملحق نئی عالی شان مسجد جس کا سنگ بنیاد عزت مآب جنرل محمد ضیاء الحق صدرِ پاکستان نے رکھا۔ اور اب چند سال پہلے عالیشان کمپلیکس تیار ہوا جس میں سماع ہال' جامعہ ہجویریہ جس میں کافی تعداد میں لڑکے درس نظامی' حفظ القرآن' دورۂ حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور عوام الناس خواص و عام کے لیے لائبریری' فری ہسپتال' زائرین کی عبادت و ریاضت اور ٹھہرنے کی جگہ کشادہ صحن اور قرآن خوانی کے لیے شاندار انتظامات کیے گئے ہیں۔ محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِ اہتمام توسیع کا کام جاری ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر ہر ماہ جس تاریخ کو عرس مبارک ہوتا ہے چاند کی ۱۹ تاریخ تلاوت کلام پاک' نعت خوانی' ختم شریف، دعا بڑے انتظام و انصرام سے ہوتی ہے۔ لنگر کا کھلا انتظام ہوتا ہے۔

آخر میں قارئین سے استدعا ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی بھی غلطی پائیں تو ادارہ کو مطلع فرمائیں۔

سمیع اللہ برکت

Marfat.com

# حقیقت توحید

﴿پروفیسر بشیر احمد صدیقی﴾

سید مخدوم علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت اگر ایک طرف بلند پایہ صوفی تاجدار ولایت اور مجمع روحانی کمالات کی ہے جہاں نہ صرف یہ کہ لاکھوں زائرین روحانی سیرابی وشادابی کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور فیضیاب ہو کر شاداں وفرحاں لوٹتے ہیں بلکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اولیائے کرام حاضری دینا فخر وسعادت سمجھتے ہیں۔ عصر حاضر کے مشہور ومعروف عظیم روحانی بزرگ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ خود بھی حاضری دیتے اور اپنے مریدین کو بھی حاضری دینے کی تاکید کرتے نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جید اور متبحر عالم ہیں اور بکثرت علوم وفنون پر آپ کی گہری نظر ہے۔ گویا آپ علم وعمل اور شریعت وطریقت کا حسین امتزاج ہیں اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آپ کی شاہکار تصنیف کشف المحجوب کا مطالعہ کرنے والا آپ رضی اللہ عنہ کی علمی عظمتوں اور رفعتوں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت علمی مباحث پر قلم اٹھایا ہے۔ انہی میں سے ایک عنوان حقیقت توحید بھی ہے۔

ادیانِ عالم کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے۔ اسلام کی خصوصیت توحید ہے چنانچہ قرآن حکیم کی ایک سب سے زیادہ پڑھی جانے والی مشہور ومعروف سورت کا نام ہی سورۃ التوحید یا سورۃ اخلاص ہے

Marfat.com

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تصورِ توحید میں اخلاص اور نکھار اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب سورۃ التوحید کے اسرار ورموز سے کچھ آگاہی حاصل ہو جائے۔

انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور معلم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی سے قبل ہندوستان کا مشہور مذہب ہندو دھرم تھا جس کے ردِعمل کے طور پر بدھ دھرم اور جین دھرم نے جنم لیا۔ ایران میں مجوسیت اور مذہب زرتشت کو ایک ہزار برس تک State Religion کی حیثیت حاصل تھی۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جنہیں اہل کتاب ہونے کا دعویٰ تھا۔ ان میں یہودیت اور نصرانیت کا چرچا تھا۔ ہندو دھرم میں جسے بجا طور پر مذہب نہیں بلکہ مذاہب کہنا چاہئے، ایک خدا کو ماننے والے اور خدا کا کلیتہً انکار کرنے والے سب کے سب ہندو کہلاتے ہیں۔ ان کے ہاں روح کے قدیم ہونے کا عقیدہ بھی ہے۔ اس بات کا عقیدہ بھی ہے کہ برہما، مادہ اور روح تینوں قدیم ہیں اور برہما عمل تخلیق میں مادہ اور روح دونوں کا محتاج ہے۔ مجوسیت میں وہ خداؤں خدائے خیر یا یزدان اور خدائے شر یا اہرمن کا تصور ملتا ہے۔ یہودی حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا جبکہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ ادیان عالم میں خدا کے تصور کے بارے میں اس مختصر پس منظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب سورۃ توحید کے مطالب پر نظر ڈالیں۔

"قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد"

چند چھوٹی چھوٹی آیتوں پر مشتمل یہ سورت لپکتی ہوئی بجلیوں کی طرح جملہ عقائد باطلہ کو کس حسن وخوبی سے رد کرتی ہے۔

"قل ھو اللّٰہ احد (آپ فرمادیجئے وہ اللہ ایک ہے) گویا دہریوں اور خدا کا انکار کرنے والوں کو رد فرما دیا۔ دو خداؤں کو ماننے والوں کو رد فرما دیا۔ تعددالٰہ کے قائلین کو رد فرما دیا۔

اللہ الصمد ۔عربی زبان میں صمد کے معنی ہیں القطب الذی لاقیام الابـــہ (یہ قطب، مدار یا سہارا جس کے بغیر کوئی قائم نہ رہ سکے) یعنی ہر شے اسی کے سہارے قائم ہے اسی کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس میں روح کے قدیم ہونے اور خدا کے مادہ روح کے محتاج ہونے کا بیان رد کر دیا گیا۔

لم یلد، میں یہود کے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا ماننے کا رد آ گیا اور لم یولد ۔ میں ابنیت مسیح کے عقیدے کا رد فرما دیا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ تو مولود ہیں جو حضرت مریمؑ کے ہاں پیدا ہوئے اور لم یکن له کفواً احد ، میں قیامت تک آنے والے ازم اور تصورات جو خدا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتے ہوں رد فرما دیا گیا۔ گویا سورۃ التوحید میں جملہ مشہور مروج عقائد باطلہ کا رد بیان کر دیا گیا۔

سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصور توحید کے انہی اسرار سے اپنے عالمانہ انداز میں کشف المحجوب میں کشفِ حجاب فرمایا یعنی پردہ اٹھایا ہے۔ آپ نے انتہائی اہمیت کی حامل اس علمی بحث کا آغاز ان آیات کے ذکر سے کیا ہے:

والھکم الٰہٌ واحد (۲:۱۶۳) (تمہارا اللہ ایک ہے)

قل ھو اللہ احد

لاتتخذوا الٰھین اثنین (۶:۵۱) (دو خدا نہ پکڑو)

آپ نے توحید کے حقیقی معنی اور مفہوم کو بیان فرماتے ہوئے لکھا:

''حقیقت توحید یہ ہے کہ کسی کے ایک ہونے پر یقین کیا جائے اور اس کے ایک ہونے پر یقین اور علم صحیح حاصل ہو۔''

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو اپنے اس شعر میں کس خوبی سے سمویا ہے

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور یقین کی اہمیت کا ذکر اس شعر میں کیا

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال وپر روح الا میں پیدا

سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے ایک اور یکتا ہونے کی وضاحت کتنے خوبصورت متکلمانہ دلنشین انداز میں کی ہے، فرماتے ہیں:

''یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ایسا ایک ہے کہ اس میں وصل وفصل کی گنجائش نہیں، اس پر دوسرا جائز نہیں، اس کا ایک ہونا ایسا عدد نہیں کہ جس کے ساتھ دوسرا عدد ہو، وہ محدود نہیں کہ اس کے لیے جہتیں ہوں اور وہ بے نہایت حدوں کا خالق ہے، اس کے لیے مکان نہیں اور وہ مکان کا محتاج بھی نہیں......''

''وہ غرض اور جوہر سے منزہ ہے، وہ حال نہیں کہ اپنے محل میں موجود رہے، جوہر اس لئے نہیں کہ اس کا مثل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا مثل نہیں، وہ طبعی نہیں کہ حرکت وسکون کے لیے میدان کا محتاج ہو......الخ۔''

سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جہاں میں زمین آسمان، سورج چاند، خشکی تری، پہاڑ جنگل اور ان کی حرکات وسکنات اور علم وکلام، موت وحیات یہ سب بلا صانع وجود میں آنے ممکن نہیں اور پھر دو تین صانع کا بھی یہ محتاج نہیں بلکہ ایک صانع کامل، حی وقادر، مختار وشریکوں کی شرکت سے بے نیاز لازمی ہے۔ فعل کا ایک فاعل ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ایک فعل کے دو فاعل اگر ہوں تو ایک دوسرے کا محتاج ضرور ہوگا۔''

مجوسیت کے اور دیگر مروجہ عقائد باطلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''علم ویقین سے بے شک وشبہ یہی ضروری ہے کہ ایک ہی فاعل ہو مگر اس اعتقاد میں طبقہ ثنویاں نے ہم سے اختلاف کیا۔ انہوں نے نور وظلمت کو ثابت کیا۔ دوسرے گبریان کہ انہوں نے یزداں اور اہرمن مقرر کرڈالے۔ تیسرے گروہ نے طبیعت وقوت ثابت کرڈالی، چوتھے نجومیوں نے سات سیارے تسلیم کرلیے، پانچویں معتزلہ

Marfat.com

نے خالق وصانع بے نہایت مان لیے، میں نے سب کے رد میں مختصر سی بات کہہ دی، اس لئے کہ یہ کتاب ان کے ان واہی خیال کے رد کرنے کے لیے نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اور کتابوں سے دیکھنا چاہیے جہاں میں نے بیان کیا ہے اس کتاب کا نام "الرعایت لحقوق اللہ" رکھا ہے۔"

اس کے بعد ہمارے ممدوح عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ کرام کے توحید کے بارے میں زریں اقوال بیان فرمائے ہیں جو آپ کے علمی افکار کی تائید کرتے ہیں۔

قلب مومن پر توحید کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ہر حال میں سب سے فنا ہو اور اس کا وجود مظہر اسرار حق ہو تا کہ اس کا کلام حق کے حوالے سے ہو اور اس کا ہر فعل اسی کی طرف منسوب ہو۔"

آپ نے اس کی وضاحت شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول سے بیان فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا:

"میں تم جیسا نہیں ہوں، میں اپنے رب کے پاس شب بسری کرتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے جس سے میں زندہ قائم ہوں۔"

اور یہ بھی فرمایا:

"میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت خاص ہے جس میں مقرب فرشتہ اور نبیٔ مرسل کو بھی گنجائش نہیں ہوتی۔"

آپ نے اپنی علمی گفتگو کا اختتام ان الفاظ پر فرمایا ہے:

"میں علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہوں کہ توحید حق سے بندے کو اسرار حاصل ہوتے ہیں، جو محض عبارت میں ظاہر نہیں ہوتے۔"

گویا محض عبارات سے نہیں بلکہ عملی طور پر قلب و روح کی اتھاہ گہرائیوں میں

Marfat.com

مومن ان اسرار کو محسوس کرتا ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے جابجا اختصار سے کام لینے کا ذکر کیا ہے۔ توحید کا وہ نکھرا ہوا تصور جو اسلام نے پیش کیا (اور مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا) دیان عالم پر اس کے اثرات کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر مذہب کا پیروکار خواہ وہ فرزند تثلیث ہی کیوں نہ ہو تثلیث میں بھی توحید ثابت کرنے کی کوشش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔

# سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق چند غلط فہمیاں

﴿صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد﴾

اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر انسانوں کے متلاطم سمندر میں خواہشات و مکروہات کے بھنور میں پھنسی کشتیوں کو کنارے پر لگانے کے لئے اہل ہمت کا ایک طائفہ مشیت ایزدی کے اشارے کا منتظر پھرتا ہے۔ اسباب و علل کے اس جہان بوقلموں میں اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ اس کے حواس خمسہ ہیں جن کے ذریعے وہ دیکھتا، سنتا، سونگھتا، بولتا اور پکڑتا ہے۔ اس کے یہ چاہنے والے اپنی چاہتوں کو مٹا کر صرف اسے چاہتے ہیں اور وہ ان کو بطور انعام حسن کا نمائندہ مقرر کر دیتا ہے۔ یہی وہ بوریا نشینان بے نوا ہیں جن کے در پر شہنشاہ گداگر بنے پھرتے ہیں۔ خواص و عوام گلہائے مراد سے جھولیاں بھرتے ہیں۔ یہ گل توحید کی مہک میں چمنستان دہر کی ہر روش کو مہکا دیتے ہیں۔ روتوں کو ہنسانا اور ہستوں کو ابدی مسرتوں سے مالا مال کرنے کی سعادت انہی کو نصیب ہے۔ کتنی باران کی آفاقی رنگا رنگیوں سے ظاہر بینوں کی بے نور آنکھیں ٹکرائیں، کتنی باران کے براق دامنوں پر دنیا پرستوں نے اپنے گناہوں کی کالک تھوپنے کی کوشش کی مگر ان نفوس قدسیہ کے تقدس کو مکدر نہ کر سکے۔ ان عروس حقیقت کے نوشوں کے سہرے نوچنے کی بار بار جسارت کی گئی مگر یہ رخصتی سے پہلے اور رخصتی کے بعد بھی دولہا بنے خلق کی بارات میں عقیدتوں کے نذرانے وصول کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ ایسی بلند و بالا ہستیاں یہ

Marfat.com

بلند مرتبہ کیوں نہ پائیں کہ آخر دوستی کس ذات سے لگائی ہے۔ خالق ارض وسما نے مکان دنیا میں فرد کش اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مکتوب ضابطہ کائنات ارسال فرمایا۔ اس میں جابجا اپنے محبوب دوستوں کے نام سلام و پیام رقم فرمائے، رسوخ علم کی تاج پوشیاں انہی کو ارزانی فرمائیں اور انہیں اپنے راز کا محرم اور ناز کا حریم بنایا۔ کثرتوں کے جھمیلوں میں بھی انہیں اپنی وحدت کا پھول سنگھایا، ان کے دلوں کو اپنے خرام حسن کی گزرگاہ بنایا۔ ایسے صاحب دل انسانوں میں سے ایک ہستی حضرت سیّد علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' کا ورق ورق اس بات کا گواہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن وہ مسافر تھے جن کے فکر وعمل اور طریقت میں شریعت کی خوشبو رچی بسی تھی۔ آپ کا لمحہ لمحہ حصول علم اور فروغ علم میں گزرا۔ رسم ورواج سے بے نیاز سادہ زندگی بسر کی۔ یہی وجہ ہے کہ کفرستان ہند میں شہنشاہوں کی قوت وجبروت وہ کام نہ کرسکی جو اس صوفی کامل نے کردکھایا۔ اپنے اسلامی کردار سے لوگوں کے دل مسخر کرکے ان پر اسلام کی مہر لگادی۔ آپ کا فیض عام آج بھی جاری وساری ہے۔ فیض یافتگان گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا شمار کسی حد وحساب میں نہیں۔ قدیم شہر لاہور کے جنوب مغرب میں بھاٹی دروازہ کے باہر آپ کا مزار صدیوں سے مرجع خلائق ہے۔

بادشاہوں کی تاریخ لکھنے والے اکثر مال وزر کے غلام مورخین اور شعراء نے اپنے اپنے زمانے کے بادشاہوں کی تعریف وتوصیف میں دفتر کے دفتر رقم کئے لیکن گدڑی پوش، بوریا نشین، صاحبانِ وقت یعنی حقیقی بادشاہوں میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی اور نہ نفوس قدسیہ کی شان ومقام کے لیے اپنے قلموں کو زحمت دی۔ اس کے باوجود تاج وتخت کے بادشاہوں کے مقبروں کی ویرانی پر ویرانے بھی ماتم کرتے ہیں اور بے تاج بادشاہ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر ہر دور میں عوام وخواص، شاہ وگدا کا تانتا بندھا

Marfat.com

رہتا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا معرض وجود میں آنا حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر این میری شمل لکھتی ہیں کہ "اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والوں میں تھے اور صبح کی نماز مسجد داتا دربار میں روحانی سکون اور عرفان کے لئے ادا کرتے تھے۔" مزید برآں پروفیسر مسعود الحسن کی تصنیف "داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ" میں یوں لکھا ہے کہ "علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو مسلمانوں کے لئے علیحدہ ریاست کا خیال اسی مسجد میں نماز کی ادائیگی سے حاصل ہوا۔"

مزارات اولیاء کو شرک و بدعت کا مرکز سمجھنے والے چند مخصوص نقطہ نگاہ کے حامل افراد جب اپنی تقریروں اور تحریروں سے مزارات صوفیاء پر جانے والی اکثریت کو نہ روک سکے تو انہوں نے خلاف تحقیق، خود ساختہ، بے سروپا باتوں اور اپنے اپنے ظن و قیاس سے صاحبان مزار اور مزارات کے بارے میں مختلف انداز میں تشکیک پیدا کرنے کی شعوری کوششیں کیں۔ برصغیر پاک و ہند میں ان کا پہلا ہدف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور دوسرا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بنا۔

مخدوم امم سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شاہی قلعہ کے اندر ہے یا بھاٹی گیٹ کے باہر موجودہ جگہ پر ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے تقریباً ساڑھے نو صدیوں کے بعد ایک مخصوص مکتبہ فکر کے افراد جنہوں نے اولاً جنوری ۱۹۵۹ء روزنامہ آفاق لاہور اور ثانیاً جولائی ۱۹۹۱ء روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور میں مندرجہ ذیل شرانگیز اور بے بنیاد انکشافات کیے۔

پہلے معترض نے دارا شکوہ کی تصنیف سفینۃ الاولیاء کی محض اس عبارت کو "قبر لاہور شہر کے درمیان مغربی قلعہ میں ہے" کشف کا رنگ دے کر روزنامہ آفاق لاہور میں یہ

Marfat.com

شوشہ چھوڑا کہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا موجودہ مزار (بیرونی بھاٹی دروازہ) دراصل کسی اور بزرگ کا مدفن ہے اصل مزار کا مجھے علم ہے لیکن میں بتاؤں گا نہیں کیونکہ لوگ اس جگہ کی پرستش شروع کر دیں گے...... اللہ تعالیٰ نے مجھے نور قلب اور کشف بخشا ہے۔ بصیرت سے میں سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے انوار قلعہ لاہور میں دیکھتا ہوں اور انگلی رکھ کر بتا سکتا ہوں کہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سر کہاں اور پاؤں کہاں ہیں؟" (ایسی صاحب بصیرت و بصارت ہستی کا وجود وطن عزیز کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہونی چاہیے خصوصاً زمین میں مدفون خزانے ومعدنیات تلاش کرنے کے لئے)۔

☆...... کیا مخدوم امم سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شاہی قلعے کے اندر ہے یا بھاٹی گیٹ کے باہر موجود جگہ پر ہے؟

☆...... کیا سیّد الاولیاء سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تربت تہہ خانہ میں ہے؟

☆...... کیا حضرت عزیز الدین المعروف پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور ہم عصر تھے؟

☆...... کیا سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ شیخ حسن زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور پیر بھائی تھے؟

☆...... خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ لاہور کب تشریف لائے؟

☆...... کیا سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کی یا مجرد رہے؟

☆...... کیا ابوالحسن کنیت صفاتی ہے یا حقیقی؟

☆...... کیا کشف الاسرار سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔؟

صاحبزادہ میاں محمد سلیم حمّاد ہجویری اہل علم و دانش میں سے ہیں۔ وہ بلند پایہ محقق اور جید عالم ہونے کے علاوہ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ مزید برآں وہ ماہنامہ گنج بخش کے مدیر بھی ہیں۔

صاحبزادہ موصوف سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ

Marfat.com

ہندی (خلیفہ وسجادہ نشین اول) کی اولاد میں سے ہیں جنہیں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ نہ صرف اپنے عظیم خانوادے کی تاریخ و شجرۂ نسب میں انہیں کماحقہٗ آگاہی حاصل ہے بلکہ وہ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح معنوں میں سجادہ نشین بھی ہیں۔ اگرچہ مزار مبارک کا انتظام وانصرام گزشتہ کئی برسوں سے محکمہ اوقاف کے سپرد ہے لیکن صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد گوشہ نشینی میں رہ کر بھی سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ اور تعلیمات کے متعلق متعدد مضامین اور کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل میں سیّد محمد فاروق القادری کی ترجمہ شدہ اردو کشف المحجوب شائع ہوئی ہے۔ جس کا مبسوط مقدمہ میاں محمد سلیم حماد نے تحریر کیا ہے۔ ہماری درخواست پر صاحبزادہ موصوف نے (داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں پیدا کی جانے والی بعض غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے گراں قدر مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں انہوں نے تاریخ وتحقیق کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ یہ غلط فہمیاں بعض کوتاہ اندیشوں اور بعض مکتبہ فکر سے متعلق تنگ نظر لوگوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے لئے پیدا کی ہیں۔ (مدیر)

دوسرے معترض نے روزنامہ پاکستان ٹائمز میں داتا صاحب اور خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کو محض نمائشی اور جعلی قرار دیتے ہوئے لکھا کہ "ان (سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) کی جائے تدفین کے بارے میں وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ لاکھوں لوگ موجودہ جگہ کو ان کا مزار سمجھ کر زیارت کرتے ہیں جبکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور جگہ اکبر کے قلعہ کے کسی ایک کونے میں مدفون ہوں۔" گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نکتہ بھی اتنا نتیجہ خیز نہیں کیونکہ جعلی قبر جوان کی قطعاً نہ ہو اس کو غسل دینا، کپڑے کی چادر چڑھانا اور پھول نچھاور کرنا بت پرستی کی ایک قسم ہے...... شہنشاہ اکبر نے اجمیر میں بھی یہی کام کیا تھا جہاں معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ایک قریبی پہاڑی پر مدفون ہیں جبکہ ان کی درگاہ شہر کے بڑے بازار میں ہے۔ ایسا محض زائرین کی سہولت کے لئے کیا گیا تھا۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے محل وقوع کے بارے

Marfat.com

میں شبہات اور غلط فہمیاں در حقیقت محض قیاس پر مبنی ہیں۔ راقم ظن و قیاس کے بجائے زندہ شہادتوں اور تاریخی حقائق سے ثابت کرتا ہے کہ بیرون بھاٹی دروازہ حضرت کا موجودہ مزار ہی حقیقی اور اصل مزار ہے۔

آج سے تین صدیاں قبل مغل شہزادہ دارا شکوہ اپنی تصنیف سفینۃ اولیاء میں رقم طراز ہے کہ (سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسجد خود تعمیر کی تھی...... آپ کی قبر اپنی مسجد کے موافق سمت میں ہے...... آپ نے بڑی سیر و سیاحت کے بعد دار السلطنت لاہور میں آ کر سکونت اختیار فرمائی۔ اطراف کے تمام باشندے آپ کے مرید اور معتقد ہیں۔ قبر لاہور شہر کے درمیان مغربی قلعہ میں ہے۔ ہر جمعرات کو آپ کے روضہ اطہر پر ہزاروں آدمی حاضر ہوتے ہیں اور مشہور ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات یا چالیس دن روضہ پر حاضری دے تو اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ یہ عاجز بھی آپ کے روضہ پر حاضری دے آیا ہے۔

معترض کے اس نظریہ ''اصل مزار کا مجھے علم ہے لیکن میں بتاؤں گا نہیں کیونکہ لوگ اس جگہ کی پرستش شروع کر دیں گے۔'' کے پیش نظر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کرنا، مزار پر گل پاشی کرنا، چادر چڑھانا، نذر پیش کرنا اور اظہار عقیدت کے دیگر پہلوؤں کو معترض پرستش کے زمرے میں شمار کرتا ہے لیکن اپنی مقصد براری کے لئے مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں درج محض ایک فقرے میں اسے تمام سچائیاں نظر آتی ہیں۔ اس پر دارا شکوہ سے اتفاق بھی ہے۔ باقی جملہ مضمون شرک بدعت کی نذر۔

ہر واقف حال جانتا ہے کہ آج بھی دارا شکوہ کا بیان حرف بہ حرف لاہور میں موجود تمام مزارات میں سے صرف اور صرف سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ مزار پر ہی صادق آتا ہے۔ آپ کی تعمیر کردہ مسجد کے محراب کی جگہ پر چوکور سنگ مرمر کا یادگار پتھر آج بھی مزار شریف کی غلام گردش کے جنوب مغربی ستون کے ساتھ فرش میں نصب ہے

Marfat.com

جو دارا شکوہ کے بیان کردہ مسجد کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ مزار اور مسجد متصل موجود ہیں۔

سفینۃ الاولیاء کی یہ عبارت ''قبر درمیان شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ'' قبر شہر لاہور کے درمیان مغربی قلعہ میں واقع ہے۔ یہ عبارت مبہم ہے۔ اس لئے کہ شہر لاہور کے درمیان مغربی قلعہ کا وجود کسی دور میں نہیں رہا۔ لاہور میں ایک ہی قدیم قلعہ ہے جو مختلف ادوار میں تعمیر و توسیع اور تغیر و تبدل کے مراحل سے گزرتا ہوا شاہی قلعہ کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔

ایگزیکٹو انجینئر رائے بہادر کنہیالال مصنف تاریخ لاہور طبع اول سنہ ۱۸۸۴ء میں ص ۳۴ پر لکھتا ہے کہ ''پہلے لاہور شہر کھلی آبادی تھی۔ فصیل شہر پناہ نہ تھی۔ اکبر بادشاہ نے اس کے گرد پختہ حصار بنوایا۔ فصیل کی دیوار بہت بلند اور چوڑی تعمیر کی۔ ایک ایک دروازے کے درمیان دس دس برج کلاں بنوائے۔ دروازے پختہ تعمیر کئے۔ قلعہ بھی پختہ بنوایا اس شہر کے بارہ دروازے اور ایک چھوٹا دروازہ ہے۔

کنہیالال نے دور اکبر میں لاہور کی تعمیر و توسیع کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ایک بہت بڑے قلعہ کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ اس لئے کہ فصیل کے اندر شاہی محل ہو یا شہری آبادی جو کچھ بھی ہو وہ قلعہ کا اندرونی حصہ مانا جاتا ہے۔ اس انداز سے دیکھا جائے تو ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار قلعہ کے مغرب میں ہے اگر جنوب مغرب کی جانب کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

دارا شکوہ کے تحریر کردہ مشاہدات کی روشنی میں دیکھا جائے تو آج بھی مزار حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ شہر یا قلعہ لاہور کوئی دوسرا مزار اس مشاہداتی بیان پر پورا نہیں اترتا۔ اگر دارا شکوہ کی اس عبارت ''قبر شہر لاہور کے درمیان مغربی قلعہ میں واقع ہے۔'' کو درست مان لیا جائے تو پھر مزار کے متعلق اس کے دیگر جملہ مشاہدات نادرست قرار پائیں گے۔ جو محال ہے۔ اس لئے کہ مضمون کے جز کو کل پر فوقیت دینا نادانی ہے۔

Marfat.com

اولیاء اللہ سے مخلوق خدا کی عقیدت کوئی وقتی جذبہ نہیں کہ زمانہ ماضی، حال یا مستقبل ان کی شان میں کمی کر سکے کیونکہ اللہ کے ولی زمانے کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ زمانہ ان کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے انتظامات محکمہ اوقاف کے سپرد کیے ہیں ہر سال زائرین و زائرات کے پاپوش کی حفاظت کی اجرت فی جوڑا ایک روپیہ کے حساب سے ٹھیکہ نیلام کیا جاتا ہے۔ امسال ٹھیکہ ۹۷۔۱۹۹۸ء پچھتر لاکھ روپے میں دیا گیا ہے۔ ایک روپیہ فی جوڑا کے حساب سے زائرین و زائرات کی تعداد کا حساب لگایا جائے تو کم از کم ۷۵ لاکھ افراد سالانہ اور تقریباً ۲۱ ہزار افراد روزانہ بن جاتی ہے جو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دیتے ہیں اور یہ تعداد روز افزوں ہے۔ یہ بات بھی داراشکوہ کے مشاہدات کے عین مطابق ہے بلکہ ہر کہ ومہ جانتا ہے کہ اس شان کا دربار لاہور میں اس کے علاوہ نہ کوئی تھا اور نہ کوئی ہے۔

ماضی میں کتاب کی ایک سے زیادہ مطلوبہ تعداد کے لئے کاتب کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں جو نقول تیار کرتا تھا۔ غالب امکان ہے کہ داراشکوہ کی زندگی یا بعد میں شاہی کاتب سے یہ غلطی ہوگئی یا قدیم وجدید پریس میں طباعت کا مرحلہ طے کرتے ہوئے کاتب نے شعوری یا لاشعوری طور پر غلطی کی ہو۔ داراشکوہ کے اپنے ہاتھ کا مخطوطہ دستیاب نہیں ورنہ بات زیادہ واضح ہو جاتی۔

تحقیقات چشتی ص ۱۴۰ میں نور احمد چشتی مزار شریف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا محل وقوع یوں لکھتے ہیں۔ ''حال اس مقبرہ کا کمترین نے کتاب سفینہ وغیرہ سے لکھا ہے واضح ہو کہ یہ خانقاہ باہر دروازہ بھاٹی کے، غروب رویہ مکان عالیشان مشہور ومعروف ہے۔'' اگر محل وقوع کی موجودہ مبہم عبارت چشتی صاحب کے زیر مطالعہ مخطوطہ یا مطبوعہ کتاب سفینۃ الاولیاء کا حصہ ہوتی تو یقیناً وہ اور دیگر ماضی کے جملہ معتبر تذکرہ نگار اور محققین مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا حدیقۃ الاولیاء رائے بہادر کنہیالال تاریخ

Marfat.com

لاہور، مولانا عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس، سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن بزم صوفیاء، منشی محمد دین فوق سوانح حیات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، خان بہادر جسٹس محمد لطیف ہسٹری آف لاہور، سیّد ہاشمی فرید آبادی ماثر لاہور میں اس مبہم عبارت کا ذکر ضرور کرتے اور حضرت کے مزار کے محل وقوع کے متعلق رائے کا اظہار ضرور کرتے۔

''آب کوثر'' طبع اول ۱۹۳۷ء کے مصنف معروف مورخ ومحقق ڈاکٹر شیخ محمد اکرام دیباچہ طبع ثانی ۱۹۴۱ء میں تاریخ نویسی اور اولیاء کرام کے حالات وواقعات کو رقم کرنے میں مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تحقیق وجستجو کے دائرہ کی وسعت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔'' ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان مشکلات پر غالب آ سکے ہیں لیکن اپنی بساط کے مطابق ہم نے ان پر عبور پانے کی پوری کوشش کی ہے۔ قدیم تصانیف (بشمول سفینۃ الاولیاء میں سے جو چھپ چکی ہیں انہیں اور جو غیر مطبوعہ اور کمیاب ہیں ان کے متعلق مطبوعہ مقالات اور مضامین پڑھے ہیں اور طلب کا دامن دور دور تک پھیلایا ہے۔ اردو، فارسی تذکروں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ایک ضلع کا سرکاری گزیٹر دیکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ ان سب مواد کی بنا پر قوم کی مذہبی اور علمی تاریخ واضح اور قابل فہم صورت میں مرتب ہو۔''

شیخ اکرام کی آب کوثر کے ص ۷۶۔۷۷ پر درج ہے۔ ''غزنی کے شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے عہد حکومت میں دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ یہاں آپ نے مسجد کی تعمیر کی...... کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے جس میں رائے راجو جو سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔ مسلمان کرنے کے بعد آپ نے اس کا نام (عبداللہ) عرف شیخ ہندی رکھا اور ان کی نسل کے لوگ اب تک آپ کے مزار کے خدام ومجاور ہیں۔ خانوادہ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ جو صدیوں سے اندرون بھاٹی دروازہ محلہ جلوٹیاں کوچہ

Marfat.com

مجاوراں میں آباد تھا اب دو صدیوں سے حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ آباد ہے۔''

قدیم و جدید ملکی اور غیر ملکی محققین، تذکرہ نویسوں اور مضمون نگاروں کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ لاہور شہر میں بیرون بھاٹی دروازہ مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ۹۵۳ سال سے آپ کا مدفن ہے۔ رائے بہادر کنہیالال تاریخ لاہور ص ۲۹۶ پر لکھتا ہے۔
''شاہان سلف بھی کمال ادب اس مزار کا کرتے تھے۔ چنانچہ سلطان ابراہیم غزنوی ۱۰۹۹ء اور سلطان شمس الدین التمش ۱۲۳۵ء کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف اس مزار پر موجود ہیں۔''

نور احمد چشتی م ۱۹۷۲ء کی تحقیقات چشتی کے ص ۱۴۴ پر درج ہے کہ ''مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ'' پر ایک قرآن نواب دکن (نظام حیدر آباد) مومن الملک علاء الدولہ جعفر خان نصیری بہادر ناصر جنگ کا نذر کردہ موجود ہے اور ہر سیپارہ کے آخر میں نواب کی طرف سے درج تحریر سے معلوم ہوا کہ مزار داتا پر جو قرآن مجید بھیجا اس کے پڑھنے کے لئے تین قاری مقرر کئے اور یہ قرآن پاک ۱۱۳۷ء میں رئیس مقام و مجاور روضہ قدوۃ الاولیاء مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تولیت میں دیا گیا۔ ۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف نے درگاہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تبرکات، نادر و نایاب کتب قلمی نسخوں اور متذکرہ قرآن پاک کا ذخیرہ دریائے راوی میں غرق کر دیا۔

''گنج بخش اور ان کا عہد'' ص ۳۸ میں پروفیسر خالد محمود صاحب لکھتے ہیں۔
''افسوس کہ یہ بیش بہا تاریخی ذخیرہ نااہل سرکاری (اوقاف) ملازموں کی نالائقی سے ضائع ہو چکا۔ جب محکمہ اوقاف نے داتا صاحب کے مزار کو اپنی تحویل میں لیا تو ایک نالائق افسر نے یہ سارے قلمی نسخے بوریوں میں باندھ کر دریائے راوی میں دریا برد کرنے کے لئے بھیج دیئے تاہم بعض اجزاء دریا برد ہونے سے بچ گئے اور نوادر کے شیدائی فقیر

Marfat.com

مغیث الدین مرحوم کے ہاتھ لگ گئے اور یوں محفوظ ہو گئے۔ مرحوم نے اس تاریخی خزانے کے اتلاف کی کہانی بچشم نم سنائی اور بچے ہوئے اجزاء دکھائے جن میں ایک تو یقیناً اکبری عہد کی خطاطی کا نمونہ ہے۔ اگر یہ خزینہ نالائق اہلکاروں (ملازمین اوقاف) کے ہاتھ نہ لگتا تو آج دارالقرآن میں سجا ہوتا۔'' افسوس صد افسوس!

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ۵۸۷ھ میں لاہور تشریف فرما ہوئے تو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ مزار پر معتکف ہوئے اور اختتام اعتکاف پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

کہتے ہوئے رخصت ہوئے یہ حجرہ اعتکاف آج بھی موجود ہے۔ جس کی گنبد نما چھت اکبر بادشاہ کی تعمیر کردہ ہے۔ اکبر نے اور بھی عمارتیں درگاہ شریف میں بنوائیں جن کا ذکر کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت بابا فرید گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب اعتکاف فرمایا۔ عقب ضلع کچہری لاہور اور پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے مشرقی جانب یہ حجرے اب بھی موجود ہیں۔

جملہ تاریخ نویس، محققین، تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر عمارت سب سے پہلے سلطان ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی ۱۰۹۹ء نے تعمیر کروائی۔

تاریخ گواہ ہے کہ اکبر بادشاہ اولیاء کرام سے عقیدت اور ان کے مزارات کا احترام کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اولاد نرینہ کی خواہش اسے ننگے، پاؤں حضرت سلیم الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ۹۷۹ھ کی خدمت میں لے گئی اور آپ کی دعا سے اکبر کی مراد پوری ہوئی۔ اکبر نے مراد پوری ہونے پر بیٹے کا نام سلیم رکھا جو جہانگیر کے لقب سے مشہور ہوا۔ ایسے بادشاہ سے اولیاء کرام کے مزارات کی بے حرمتی یا جعلی قبریں بنوانا اس پر الزام

Marfat.com

تراشی کے سوا کچھ نہیں۔

داراشکوہ نے اپنی تحریر میں یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مرجع خلائق تھا۔ لاہور کا قلعہ اور شاہی محلات ہمیشہ شاہان وقت یا گورنروں کی قیام گاہ رہے ہیں۔ شاہی افواج کا قیام بھی قلعہ میں تھا۔ اس لئے سکیورٹی کے پیش نظر قلعہ میں ہزاروں لوگوں کا بلا روک ٹوک اندر آنا جانا ممکن نہیں۔ اگر مزار شریف قلعہ کے اندر ہوتا تو داراشکوہ مرجع خلائق نہ لکھتا۔ اس لئے کہ آج بھی قلعہ لاہور میں بلا روک ٹوک داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جب لاہور پر سکھوں کا قبضہ تھا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قیام گاہ شاہی قلعہ میں تھی۔ وہ پا پیادہ قلعہ سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دیا کرتا تھا اور ایک ہزار روپیہ سالانہ سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی نذر پیش کرتا تھا۔ اس کی رانی جنداں کور اور بیٹے دلیپ سنگھ نے دربار شریف پر برآمدے تعمیر کروائے۔ اگر حضرت کا مزار قلعہ میں واقع ہوتا تو رنجیت سنگھ موجودہ مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر بار بار حاضر ہوتا نہ نذرانہ پیش کرتا۔

تحقیقات چشتی ص ۱۴۷۔ ۱۵۱۔ ۲۷۹ پر درج ہے کہ کئی بادشاہوں اور حاکموں نے مزار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کے لئے مختلف اوقات میں جو نذرانے وعطیات دیئے اور معاملہ زمین کی معافیات کے فرمان شاہی اور اسناد جاری کیں وہ درگاہ شریف کے مجاورین کے پاس موجود ہیں۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ مزارات کے محل وقوع پر تشکیک پیدا کرنا یا ان مزارات کو جعلی قرار دینا درحقیقت سلسلہ ہائے طریقت کے شیوخ، حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ م ۵۶۱ھ بمطابق ۱۱۶۶ء، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ۶۳۲ بمطابق ۱۲۳۷ء، حضرت خواجہ معین الدین چشتی م ۶۳۳ بمطابق ۱۲۳۸ء حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند م ۷۹۱ بمطابق

۱۳۸۹ء، حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی م ۱۰۳۴ بمطابق ۱۶۲۴ء، حضرت مخدوم سیّد اشرف جہانگیر سمنانی م ۸۰۸ھ بمطابق ۱۳۹۸ء رحمۃ اللہ علیہ اوران کی خلفاء اور دیگر نفوس قدسیہ کی ولایت، بزرگی، روحانی کمالات، بصیرت اور کشف وکرامات سے انکار اور اہل ارادت وعقیدت کو کھلا چیلنج دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ کم وبیش تمام شیوخ سلاسل ان کی خلفاء اور دیگر بزرگان دین ہر دور میں آج تک اسی موجودہ مزارات مراکز تجلیات کی زیارت، حصول فیض وبرکت، صاحب مزار سے استمداد اور فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ اب تک جاری ہے۔

اب آپ اندازہ کریں کہ ان قبور کو جعلی قرار دینا اور محل وقوع میں شبہ پیدا کرنے کے پس منظر میں کتنی بڑی سازش اور گھناؤنے عزائم کارفرما ہیں۔ کیا یہ شیوخ طریقت کے کشف صریح اور نور بصیرت سے انکار اور کروڑوں عقیدت مندوں کے جذبات کی توہین اور شرانگیزی نہیں؟

اولین معترض کے اپنے مکتبہ فکر کے اکابرین میں سے ایک مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے متعلق ایک کتاب ''سیرت اشرف'' میں منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں کہ جناب مولانا اشرف علی تھانوی صاحب ۶ مئی ۱۹۳۸ء کو جب لاہور پہنچے تو داتا صاحب کے (موجودہ) مزار کی زیارت کی اور فاتحہ خوانی سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔ ''بہت بڑی شخصیت ہیں عجیب رعب ہے۔ وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں۔''

۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران مفتی محمود صاحب اور معترض مولوی لاہوری کے جانشین فرزند نے الگ الگ داتا صاحب کے ہزاروں عقیدت مندوں اور راقم کی موجودگی میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ مزار پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔ اس طرح عملاً بیٹے نے اپنے والد کا دعویٰ غلط ثابت کردیا۔ مولانا عبدالرحمٰن، مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور کی مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر بارہا حاضری کا راقم چشم دید گواہ ہے۔

Marfat.com

۱۹۵۹ء میں جب پہلی بار یہ شوشہ چھوڑا گیا تھا اس وقت اخبار و رسائل میں بحث چھڑ گئی۔ بہت سے صاحب کشف افراد نے مولوی صاحب کو چیلنج دیا۔ شورش کاشمیری ایڈیٹر ماہنامہ چٹان لاہور نے انہی دنوں یہ اداریہ لکھا جس میں دوٹوک انداز اختیار کیا کہ ''ایک اخبار نے مقالموں کی زردی اور خبروں کی سردی سے عاجز آ کر سوچا کوئی شوشہ چھوڑنا چاہیے۔ مولانا احمد علی نے لاہور کے حوالے سے خبر نما مضمون تیار کیا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جہاں دفن ہیں وہاں ان کا مزار نہیں کسی وجہ سے یہ مزار ان کے نام سے منسوب ہو گیا ہے اس پر لاہور میں کھلبلی مچ گئی۔ ادھر ادھر ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اردو اخبار اس معرکہ میں کود پڑے...... دارا شکوہ کا لکھا ہوا حرف آخر نہیں اور نہ تازہ واردان نقد و نظر ہی کے نوادر تحقیق قطعی ہیں۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب کے مؤلف بالیقین اس جگہ دفن ہیں، جہاں صدیوں سے ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ سب سے بڑی دلیل تو مجاوروں کا وہ خاندان ہے جو نسل در نسل بعد نسل متولی چلا آ رہا ہے۔ پھر ان کے بزرگ عبداللہ شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی اسی جگہ ہے۔ ان زندہ شہادتوں سے صرف نظر کر کے عقلی اور قیاسی شہادتوں کے ذخیرے ڈھونڈنا نہ جانے کس تاریخی اصل کی شاخ ہے۔ اب اگر دارا شکوہ سے چوک ہو گئی ہے تو اس بحث سے کیا حاصل کہ راوی کہاں بہتا ہے اور کہاں نہیں بہتا تھا یا پھر خواجہ خضر کی کشتی خضری محلے والے کدھر چھوڑتے اور کب چھوڑتے تھے۔ اس قسم کے مباحث سے قلم و دوات کی بیکار صحبتیں تو حاصل ہو سکتی ہیں مگر نتائج کی توقع ہی عبث ہے۔ سورج خود بولتا ہے کہ میں مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف لوٹ جاتا ہوں اور یہ میرا روزمرہ کا کام ہے۔''

میاں طفیل محمد سابق امیر جماعت اسلامی اپنے اردو ترجمہ ''کشف المحجوب'' کے دیباچہ طبع اول میں لکھتے ہیں کہ ''میں چاہتا تھا کہ کسی ایسے بزرگ کی تعلیمات دیکھی جائیں جسے سب ہی حقیقت و طریقت میں علم و عمل کے لحاظ سے سند جانتے ہوں۔ مولانا مودودی صاحب ہی سے سن رکھا تھا کہ اہل طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا

Marfat.com

گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (مدفون بیرون بھاٹی دروازہ) ایک صحیح الخیال اور بہت بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ جنہیں اس کوچہ کے سبھی لوگ مقتدا مانتے ہیں اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔"

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کشف المحجوب کے مقدمہ کی پہلی فصل میں رقم طراز ہیں کہ "مصنف جو کتاب تالیف وتصنیف کرتا ہے اس سے اس کا پہلا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے ذریعے اس کا نام زندہ رہے اور لوگ مصنف کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔"

صاحب کشف المحجوب کا یہ مقصد مقبول بارگاہ الٰہی ہوا اور آج تک ہزاروں لوگ ہر روز ہر پل صبح شام آپ رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ مزار پر حاضر ہو کر دعائے خیر کرتے ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال ثواب کے لئے روزانہ سینکڑوں دیگیں پلاؤ زردہ کی تقسیم کرتے ہیں اور تقریباً سات کروڑ روپے سالانہ کیش نذر پیش کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر حضرت کا مدفن کسی دوسری جگہ ہوتا تو وہاں بھی مرجع خلائق ہوتا۔

ساڑھے نو صدیوں سے جہاں نمازیں، نوافل، قرآن خوانی اور درود وسلام کی محافل ہمہ وقت برپا ہوں۔ عقیدت کے پھول نچھاور ہوتے ہیں۔ اس مزار کی تجلیات کے متعلق شک وشبہ کرنا یا اسے فرضی وجعلی قرار دینا نہ صرف یہ کہ درست نہیں بلکہ بہت بڑی گستاخی اور شر انگیزی اور ناقابل معافی جرم ہے۔

## ۲۔ کیا تربت حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تہہ خانہ میں ہے؟

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی قبر موجودہ مزار شریف کے نیچے تہہ خانہ میں واقع ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط اور خلاف تحقیق ہے۔ اس لئے کہ جب حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے تو آپ نے لاہور شہر کے جنوب مغرب میں دریائے راوی کے مشرقی کنارے ایک ٹیلے پر قیام فرمایا۔ یہ ٹیلہ درگاہ شریف کی عمارت میں گھرا آج بھی موجود

Marfat.com

ہے۔ حضرت نے اپنی زندگی میں اس ٹیلہ پر ایک مسجد اور حجرہ تعمیر کیا۔ آپ کا وصال ۹ محرم ۴۶۵ھ کو اسی حجرہ میں ہوا اور راقم کے جد اعلیٰ حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ خادم و خلیفہ اور جانشین گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آقا و مرشد کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تجہیز و تکفین فرمائی اور اسی حجرہ میں اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں دفن فرمایا۔ بعدازاں سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ غزنوی نے قبر مبارک اور چبوترہ سنگ مرمر کا بنوایا۔ آپ کے پیر بھائی اور ہم سفر حضرت ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور احمد حمادی سرخسی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دائیں بائیں چبوترہ پر دفن ہوئے۔ حضرت کے خادم خاص جنہیں بتکدہ ہند میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر سب سے پہلے صاحب ایمان ہونے کا افتخار، بیعت ہونے کا شرف، خلیفہ ہونے کا اعزاز، محرم راز ہونے کی سعادت، ہمدم و دمساز ہونے کا اختصاص اور ہم نشین و جانشین ہونے کا امتیاز حاصل ہوا اور حضرت کے افکار و تعلیمات پر خلوص دل سے عمل پیرا ہونے اور حسن عقیدت کے سبب آپ کی بارگاہ سے نام عبداللہ اور شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا۔ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند و خلیفہ حضرت لطیف اللہ المعروف شیخ لطفی کی قبور مبارکہ اس چبوترہ کے مشرقی پہلو میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ چبوترہ کے اردگرد بہت سی قبریں مستقیم اخلاف حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ دیگر سجادہ نشیناں، متولیان اور عقیدت مندان حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں جو ۱۹۶۰ء تک دربار شریف کے احاطہ کے اندرون و بیرون دفن ہوتے رہے۔

تحقیقات چشتی از نور احمد چشتی مصنفہ ۱۸۶۴ء ص ۱۴۵۔۱۴۶ پر چشتی صاحب نے مرقد منور سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آنکھوں دیکھا حال واضح اور مفصل تحریر کیا ہے۔

''مزار گوہر بار حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ چبوترہ سنگ مرمر سفید پر واقع ہے۔ مزار کے دو درجے ہیں، ایک چبوترہ دو فٹ اونچا اور اس پر دوسرا ایک فٹ بلند جس

Marfat.com

پر تعویذ ہے۔ بڑے چبوترے پر دو اور چھوٹے چھوٹے مزار (حضرت ابو سعید ہجویری اور احمد حمادی سرخسی) واقع ہیں۔ آپ کی قبر مبارک پر ہمیشہ کمخواب کا غلاف پڑا رہتا ہے۔ اس چبوترہ پر ایک چوبی پنجرہ (لکڑی کی جالیاں) ہشت پہلو واقع ہے۔ یہ پنجاب چوبی میاں عیوض خان فیل بان مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۴۰ھ میں بنوایا۔ دروازہ پنجرہ کا جنوبی رویہ ہے بیچ میں مزار پر انوار حضرت کا ہے...... چبوترہ اور لوح مزار سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ غزنوی نے بنوائے۔"

حضرت داتا صاحب کا مزار شریف ۱۱ جنوری ۱۹۶۰ء سے صوبائی محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ ان سالوں میں دربار شریف کی تقریباً تمام قدیم عمارات کی جگہ نئی عمارات نے لے لی ہے۔ اس تعمیر و توسیع کے مراحل سے گزرنے والے افراد اور محکمہ اوقاف کا ریکارڈ اس بات کے گواہ ہیں کہ قدیم عمارات یا احاطہ کے کسی حصہ میں کوئی زمین دوز راستہ، تہہ خانہ یا موجودہ تربت کے علاوہ کوئی دوسری حضرت داتا صاحب کی قبر دریافت نہیں ہوئی۔

تاج و تخت کے بادشاہوں کی طرح صوفیاء کرام یہ پسند نہیں فرماتے کہ اصل قبر سے ایک منزل بلندی پر دوسری نمائشی قبر بھی ہو۔ اگر چند مثالیں موجود ہیں تو یہ کسی مجبوری یا خصوصی وجوہات کی بنا پر ہیں۔

راقم کے جد اعلیٰ حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کا خانوادہ تقریباً ایک ہزار برس سے حضرت داتا صاحب کی زندگی اور وصال کے بعد آج تک مزار شریف کی تعمیر و توسیع، تغیر و تبدل اور احوال کا پشت در پشت سے ان حقائق کا امین ہے کہ حضرت کا مرقد منور تہہ خانہ یا کسی دوسرے مقام پر موجود نہیں۔ موجودہ مزار ہی حقیقی مزار ہے۔

قدیم و جدید مستند تاریخ نویس، تذکرہ نگار اور محققین نے آج تک اس بات کی تائید و تصدیق نہیں کی کہ حضرت کی لحد مبارک زمین دوز تہہ خانہ میں واقع ہے۔

قیاس کے گھوڑے پر سوار کچھ افراد غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ٹیلہ جس پر حضرت کی تربت

Marfat.com

ہے کے اردگرد چاروں اطراف میں جب دو منزلہ عمارات تعمیر کی گئیں تو سطح زمین کے ساتھ حجرے اور ان کے اوپر برآمدے بنائے گئے تو ان حجروں کی پشتی دیواروں کے پیچھے چاروں اطراف میں ٹیلے کی ڈھلوانوں کو مٹی سے بھر کر سطح ہموار کر دی گئی۔ ان حجروں میں چند قبور ہمارے خاندان کے بزرگوں کی محفوظ ہو گئیں۔ حجروں کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی یکساں نہیں تھی۔ اتفاق سے جو لوگ ان حجروں میں داخل ہوتے رہے ان میں سے بعض افراد اپنی کم فہمی اور ناواقفیت کی بنا پر ہمارے بزرگوں کی قبور کی زیارت کرنے پر غلط فہمی کا شکار ہوئے اور بلا تحقیق اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھے کہ شاید داتا صاحب کی قبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قبر مبارک سامنے موجود ہے یہی اصل اور حقیقی قبر ہے۔

۴۔ کیا حضرت عزیز الدین پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کے استاد اور ہمعصر بزرگ تھے؟

سادہ لوح عوام میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حکم ہے کہ میرے پاس حاضر ہونے سے پہلے میرے استاد حضرت عزیز الدین پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی اور حاضری دے کر آؤ۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کشف المحجوب میں جگہ جگہ ان اساتذہ اور بزرگوں کا ذکر فرمایا ہے جس سے انہوں نے استفادہ کیا۔ ان ہستیوں کے اسماء مبارک یہ ہیں۔ حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی یا اشقانی م ۴۷۹ھ، حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گورگانی م ۴۶۴ھ، حضرت عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن قشیری م ۴۶۵ھ، حضرت ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی، حضرت ابوسعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمد المہینی ۴۴۰ھ حضرت ابواحمد مظفر بن احمد حمدان، حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی الداغستانی م ۴۱۷ھ، حضرت ابوالحسن بن احمد خرقانی ۴۶۵ھ، حضرت ابوالفضل بن محمد بن الحسن الختلی

Marfat.com

۴۶۰ھ رحمۃ اللہ علیہم۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اساتذہ کے ذکر خیر میں اپنی تصنیف کشف المحجوب میں حضرت عزیز الدین پیر مکی کے نام نامی کا ذکر کسی جگہ نہیں کیا اور نہ اپنے مزار پر حاضری کی کوئی پیشگی شرط عائد فرمائی ہے۔

آیئے تاریخ اور تذکروں کے اوراق سے معلوم کرتے ہیں کہ حضرت پیر مکی کس دور کے بزرگ تھے۔ خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری، میں ''تحفۃ الواصلین'' کے حوالے سے تحریر ہے کہ ''آپ بغداد کے رہنے والے تھے، سلسلہ طریقت جنیدیہ کے بزرگ تھے۔ آپ بغداد سے حرمین شریفین کی زیارت کو گئے تو بارہ سال تک مکہ معظمہ میں مقیم اور بیت اللہ کی مجاورت اختیار کی جس کی وجہ سے آپ کو شیخ مکی کا خطاب ملا۔ حکم الٰہی سے آپ مکہ ہی سے عازم لاہور ہوئے۔

۵۷۴ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے جب لاہور کا محاصرہ کیا تو غزنوی گورنر خسرو ملک بن ظہیر الدولہ اس محاصرہ سے تنگ آ کر حضرت عزیز الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لئے استدعا کی۔ حضرت نے دعا کی اور فرمایا جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے مزید چھ سال اپنی حفظ و امان میں لے لیا ہے۔ شہاب الدین غوری اپنا مقصد حاصل کئے بغیر واپس چلا گیا۔ پھر ۵۸۰ھ میں لاہور کا محاصرہ کیا اور فتح یاب ہوا۔ حضرت پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے چھتیس برس تک لاہور میں مخلوق خدا کو روحانیت کی دولت سے مالا مال کیا اور ۶۱۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار لاہور میں (نزاوی روڈ) پر واقع ہے۔

تمام محققین، تاریخ نویس اور تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے ایک سو سینتالیس برس بعد وفات پائی اور حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ مزار شریف سے ڈیڑھ فرلانگ شمال کی جانب دفن ہوئے۔ جہاں پر مزار آج بھی موجود ہے۔

Marfat.com

معروف محقق اور دانشور جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اردو ترجمہ کشف المحجوب کے مقدمہ میں ص ۲۳ پر لکھا ہے کہ ''حضرت داتا صاحب کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر کئی اور مزارات کے مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ یہ داتا صاحب سے پہلے کے بزرگ ہیں اور حضرت داتا صاحب یہاں حاضری دیتے رہے ہیں...... حضرت پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاروں نے عوام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ داتا صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضری دیں صرف یہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو حضرت پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استاد کہنے سے گریز نہیں کرتے۔''

خانوادہ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق حضرت پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور آمد کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا اور ہزار ہا لوگ آپ کے وعظ ونصیحت سے استفادہ کرتے رہے۔ حضرت پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ایک سو اور چند سال بعد لاہور تشریف فرما ہوئے۔ جو لوگ شیخ مکی (مکہ والا) کو پیر مکئ (مکئ والا) جانتے ہوئے حضرت کے مزار پر بھنی ہوئی مکئ کا چڑھاوا پیش کرتے تھے یہ شوشہ انہی لوگوں میں سے کسی نے چھوڑا ہوگا۔

حضرت پیر مکی رحمۃ اللہ علیہ نہ تو حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے اور نہ ہم عصر اس لئے یہ بات کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہونے سے پہلے حضرت پیر مکی کے مزار پر حاضر ہونا لازم ہے۔ محض غلط فہمی ہے اور اس بے بنیاد قیاس پر مبنی ہے۔

## ۴۔ کیا حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ ہمعصر بزرگ اور پیر بھائی تھے؟

حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ مدفون چاہ میراں لاہور بڑے جلیل القدر

صوفی تھے۔ان کی بزرگی پر کوئی کلام نہیں لیکن ان کا سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا پیر بھائی یا ہمعصر ہونا تاریخی اور تحقیقی طور پر ثابت نہیں کیونکہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا سال وصال ۴۶۵ھ ہے اور حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ ۶۰۰ھ میں واصل بحق ہونا تاریخ و تحقیق سے ثابت ہے۔اس کے علاوہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کشف المحجوب بھی اس بارے میں قطعاً خاموش ہے۔

متذکرہ بزرگوں کے ہمعصر اور پیر بھائی ہونے کی صرف ایک روایت ملتی ہے جو فوائد الفواد میں یوں ہے۔

''شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہم دونوں ایک ہی پیر کے مرید ہوئے ہیں اور وہ پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانے میں لاہور میں مقیم تھے کچھ عرصہ بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ لاہور جاؤ اور وہاں اقامت اختیار کرو۔شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی حسین زنجانی وہاں پہلے سے موجود ہیں۔پیر نے پھر فرمایا۔''تم جاؤ'' اور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بحکم مرشد لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا صبح کو شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ باہر لایا جارہا تھا۔''

اس روایت میں دو نکات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔(۱) مرشد کا حکم اور پھر اصرار کے ساتھ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور بھیجنا۔(۲) حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اسی شب لاہور پہنچنا جس رات حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ واصل بحق ہوئے۔

یہ دونوں اہم نکتے مرشد کامل کی نظر رسا اور روحانی نظام میں ان کے درجہ قطبیت کو ظاہر کرتے ہیں۔مرشد کے حکم اور اصرار کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ لاہور کی مسند رشد وہدایت کو خالی نہ چھوڑا جائے اور فوری دوسرے خلیفہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو اس مسند پر متمکن کیا جائے۔حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے صوفی اور عارف کامل

اس واقعہ کو محض اتفاق اور معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ کشف المحجوب کا ورق ورق گواہ ہے کہ اس میں سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ وصوفیاء کرام کے سینکڑوں کشف و کرامات اور روایات و حکایات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے مرشد کی اس کرامت کا ذکر نہ کرتے جس کے عینی شاہد آپ خود تھے۔ اس کے علاوہ شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کشف المحجوب میں کہیں موجود نہیں حالانکہ تین صد اٹھاسی نفوس قدسیہ جس میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، متاخرین اور ہم عصر صوفیاء و مشائخ کا ذکر موجود ہے۔

کشف المحجوب طبع تہران ص ۴۱۴ ھ پر حضرت سیدعلی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ ''میں ان بزرگوں کے اسماء گرامی بیان کرتا ہوں جو میرے زمانے میں تھے یا اب بھی موجود ہیں۔ یہ لوگ ارباب طریقت اور مشائخ تصوف کے ممتاز اور نامور افراد ہیں اور یہ حضرات رسمی صوفی نہیں بلکہ سچے اہل حقیقت ہیں۔'' اس صراحت کے باوجود حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کشف المحجوب میں کہیں نہیں ملتا ہے۔

حضرت سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ پر کشف المحجوب طبع تہران ص ۲۰۸۔۲۰۹ پر اپنے مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں خصوصی ذکر کرتے ہوئے ان کی کشف و کرامت اور وصیت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔ ''ایک دفعہ میں آپ کو وضو کرا رہا تھا، اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ جب دنیا کے تمام کام تقدیر اور قسمت سے وابستہ ہیں تو پھر کس لئے آزاد لوگ اپنے آپ کو پیروں کا غلام بنالیتے ہیں، آپ نے فرمایا بیٹے! تمہارے دل میں جو خیال آرہا ہے میں اس سے آگاہ ہوگیا ہوں، اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر کلمہ کے لئے ایک سبب ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی سپاہی زادے کے سر پر عزت و بزرگی کا تاج رکھے تو اسے توبہ کی توفیق عنایت فرما کر اپنے کسی مقرب بندے کی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ آخر یہی خدمت اس کی عزت و بزرگی کا باعث بن جاتی ہے۔''

Marfat.com

''آپ کے وصال کا وقت آیا تو اس وقت آپ بیت الجن میں تھے۔ بیت الجن دمشق اور بانیان کے درمیان گھاٹی پر واقع ایک گاؤں ہے، آپ کا سر میری گود میں تھا۔ فطرت انسانی کے مطابق اس وقت میرا دل ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! میں تمہیں عقیدے کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو ہر قسم کی رنج و تکلیف سے بچ جاؤ گے۔ یاد رکھو! ہر جگہ اور ہر حال اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد، تیرے لئے مناسب ہے کہ نہ تو اس کے کسی فعل پر انگشت نمائی کرے اور نہ دل میں اس پر معترض ہو، اس کے علاوہ آپ نے اور کوئی وصیت نہ فرمائی اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی کشف و کرامات اور نصیحت اپنے ہی حوالے سے بیان فرمائی ہیں لیکن اپنے اور حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے کشف المحجوب میں فوائد الفواد کی روایت کے مطابق اپنے مرشد کی کرامت کہیں بیان نہیں کی اور نہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ لکھا۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں اگر ''کشف الاسرار'' کو بھی شامل کیا جائے تو سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا لاہور آنا فوائد الفواد کی روایت کے قطعاً خلاف ہے۔ اس لئے کہ کشف الاسرار کی مندرجہ ذیل عبارت یہ واضح کر رہی ہے کہ حضرت کا لاہور سکونت اختیار کرنے کا سبب کیا تھا۔

میں (سید علی ہجویری) جب ہندوستان آ گیا تو علاقہ لاہور کو جنت نظیر پایا اور یہیں بچوں کو پڑھانے کے سبب سے یہاں کی وطنیت و سکونت اختیار کر لی۔ جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرے دماغ میں حکومت اور بادشاہی کی بو جا گزین ہونے لگی تو یکایک اس کام کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا اور کبھی اس کے نزدیک نہیں گیا۔

مستند و معتبر تاریخی شواہد اور دیگر قرائن حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

آئین اکبری میں ابوالفضل نے حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا سال وفات ۶۰۰ لکھا ہے اور حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا محمد غوث شطاری اذکار ابرار میں رقمطراز ہیں کہ ''جب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہند تشریف لائے تو اس وقت چند روز لاہور میں پیر زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا باہم رازداری اور خداشناسی کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔'' ملا محمد صالح کنبوہ نے عمل صالح (شاہجہان نامہ) میں بیان کیا ہے کہ ''بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ وزانجا توجہ دہلی اختیار فرمود۔'' داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ ''حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے لاہور میں شیخ حسین زنجانی سے ملاقاتیں کیں۔'' سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۲۳۰ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ ''شیخ حسین زنجانی بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ان کی صحبت میں رہے۔'' سیر العارفین قلمی از شیخ جمالی (م ۹۴۲ھ) میں لکھا ہے کہ ''حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ہیں ان دنوں بقید حیات تھے۔ حضرت شیخ المشائخ والا اولیاء، معین الحق والدین قدس سرہ اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان حد سے زیادہ ربط ومحبت کا اظہار ہوا۔'' حکیم محمد موسیٰ مقدمہ کشف المحجوب اردو ترجمہ ابوالحسنات میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت شیخ حمویہ ۶۵۰ھ میں فوت ہوئے جملہ تذکروں میں ان کے مرشد کا نام نجم الدین کبریٰ تحریر ہے۔ حضرت رنجانی سے بھی استفادہ کیا ہوگا۔ فوائد الفواد کی چوتھی جلد گیارہویں مجلس میں یوں تحریر ہے کہ ''پہلے شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال فرمایا اور ان کے تین برس بعد شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ''حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کا وصال ۶۶۴ھ ثابت ہے۔ اس لئے شیخ سعدی الدین حمویہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن وصال ۶۶۱ ہجری ہوا اس طرح حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا سن وفات ۶۰۰ ہجری قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

کشف المحجوب میں ایک زنجانی بزرگ شیخ شفیق فرخ المعروف اخی زنجانی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اگر شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی زمانہ میں موجود ہوتے تو یقیناً ان کا ذکر ہوتا۔

آزاد بلگرامی اپنی کتاب ماثر الکرام میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے بعد فخر الدین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ داستاد سعد الدین حمویہ رحمۃ اللہ علیہ کے قرب کا لاہور میں ذکر کیا ہے۔ لیکن داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی ہونے یا داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درود لاہور کے وقت انتقال کا ذکر نہیں کیا۔ غالباً انہی بزرگ فخر الدین زنجانی کے اسم کو پروفیسر شجاع الدین نے غلط فہمی کے تحت فخر الدین حسین زنجانی لکھا ہے (نقوش لاہور نمبر ص ۳۸) پروفیسر صاحب نے نام میں حسین کا اضافہ خواہ مخواہ کر دیا ہے۔

بعض تذکروں میں بحبۃ الواصلین کے مؤلف شیخ احمد زنجانی کو حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا پیش رو لکھا گیا ہے۔ جج محمد لطیف نے اپنی انگریزی تالیف تاریخ لاہور میں بحبۃ الواصلین کو ۴۳۵ھ کی تالیف قرار دیا ہے لیکن مفتی غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیاء میں بحبۃ الواصلین سے سیّد اسحاق گازرونی کا قطعہ تاریخ وفات نقل کیا ہے۔ سیّد اسحاق نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی تھی اس کا مطلب یہ ہوا کہ بحبۃ الواصلین، مؤلف شیخ احمد زنجانی سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے تقریباً سوا تین سو برس بعد فوت ہوئے۔ اس سے بحبۃ الواصلین کی قدامت اور مؤلف کا پیش رو ہونا مشکوک ہو جاتا ہے پھر لاہور میں شیخ احمد زنجانی کا کوئی مزار بھی موجود نہیں اس لئے ہم فوائد الفواد کی روایت کے سلسلے میں شیخ احمد زنجانی کو بھی سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا پیش رو بزرگ نہیں مان سکتے۔

گزیٹر ضلع لائل پور (فیصل آباد) طبع ۱۹۱۶ء بمطابق لاہور میں مغلیہ عہد سے قبل کی صرف تین یادگاروں کا ذکر ہے۔

(۱) مزار مقدس حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (۲) قبر مبارک سید اسحاق معروف بہ میراں بادشاہ (۳) ایاز (محمود غزنوی کا غلام) کی قبر۔اس سرکاری گزٹ میں حضرت شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر تک موجود نہیں ہے۔

## (۵) حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ لاہور کب تشریف لائے؟

مولانا سیّد عبدالباری معینی اجمیری اپنی تالیف تاریخ السلف میں رقم کرتے ہیں کہ ''حضرت خواجہ بزرگ ۵۸۸ھ میں وارد ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ۵۸۹ھ میں اجمیر تشریف لے گئے۔'' سیر العارفین میں شیخ جمالی کی تحریر یوں ہے کہ ''حضرت (معین الدین اجمیری) ۶۰۲ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔''

حضرت خواجہ سلطان شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ ۵۸۷ھ میں ہندوستان تشریف لائے (طبقات ناصری، منتخب التواریخ انڈیا آف اورنگزیب)

حضرت خواجہ ۵۸۷ھ میں پرتھوی راج کے زوال سے پہلے ہندوستان تشریف لائے ''سیر الاولیاء، مفتاح التواریخ، اسرار الاولیاء، اکبر نامہ، تزک جہانگیری، فوائد السالکین، سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، تذکرۃ الکرام، ارمغان ہند، بابوگرافیکل ڈکشنری (ہنری جارج لین)۔'' اکثر روایات کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی ۵۸۷ھ کو وارد ہند ہوئے اور سب سے پہلے لاہور میں قیام فرمایا۔

معتبر تذکروں میں حضرت اسحاق زنجانی، حضرت موسیٰ زنجانی اور حضرت یعقوب زنجانی کو حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہم کا بھائی قرار دیا ہے اور ان بزرگوں کا اکٹھے وارد لاہور ہونا لکھا ہے۔

۵۷ھ میں حضرت شیخ زنجانی کے نواسے خضر خان کا ذکر ''وقائع سیالکوٹ'' مؤلفہ محمد مستقیم بن شیخ رحمۃ اللہ ۱۰۲۱ مخطوطہ مملوکہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی لاہور میں ص ۴۔۵ پر یوں لکھا ہے۔ ''سید علی الحق بن سیّد حسن مکی برادر جدی سیّد خضر خان کہ در مقربان عالی شان بلند مکان فیروز شاہ (رکن دین) بود نواسہ سیّد حسین برادر سلطان المشائخ والاولیاء

Marfat.com

سیّد السادات سیّد یعقوب صدر شاہ، زنجانی کہ مرقد مقدس الیشان در لاہور گزر بخارا (موجودہ میو ہسپتال روڈ) زیارت گاہ خاص وعام است......"

اس اقتباس سے مترشح ہوتا ہے کہ ۵۷۷ھ میں شیخ حسین زنجانی کے نواسے بقید حیات تھے۔اس لئے حضرت سیّد حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا سال وفات ۶۰۰ھ قرین صحت ہے۔

خانوادہ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کے مطابق سادات زنجان خصوصاً حضرت شیخ زنجانی (مدفون چاہ میراں) کو حضرت سیّد علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت تھی وہ اکثر آپ کے مزار اقدس پر حاضری دیتے تھے۔ ہمارے اسلاف سے ملاقاتیں رہیں۔حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ مدفون لاہور کو میراں سین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ بھی کہا جاتا ہے۔آپ جب زنجان سے لاہور تشریف لائے تو لاہور شہر سے باہر جانب شمال مشرق ایک غیر آباد مقام جہاں آج آپ کا مزار مقیم ہے۔اپنے مسکن کے قریب شمالی رویہ ایک چاہ تعمیر کرایا۔اس چاہ کی سیرابی سے اردگرد کی زمین سرسبز وشاداب ہوگئی اور آپ کی وفات کے بعد آپ کا مزار شریف چاہ میراں کے جنوب میں ایک اونچی ٹیکری پر بنایا گیا۔عرصہ بعد آپ کے مزار و چاہ کے اردگرد ایک باغ لگایا گیا جس کو باغ زنجان کہا گیا۔داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے۔"حضرت میاں جیو (میاں میر رحمۃ اللہ علیہ) زنجانی باغ میں بھی یاد حق میں مشغول رہے تھے۔" آج یہ علاقہ گنجان آباد ہے اور اس آبادی کو چاہ میراں (میراں دی کھوئی) کا نام سے لکھا اور پکارا جاتا ہے۔

پیر پیراں اور میر میراں کے القاب سے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کو سب سے پہلے ملقب کیا گیا ہے۔

سگ درگاہ میراں شو چو خواہی قرب ربانی
کہ بر شیراں شرف دارد سگ درگاہ جیلانی

Marfat.com

یہ شعر حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے اور حضرت اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں شیراں کی بجائے پیراں فرمایا کرتے تھے۔ (مخزن الاسرار از پیر نور محمد صاحب)

## حضرت سلطان باہو نے حضور غوث پاک کی مدح میں فرمایا:

بغداد شہر دی کی نشانی اُچیاں لمیاں چیراں ہُو
تن میرا پرزے پرزے جیویں درزی دیاں لیراں ہُو
انہاں لیراں دی گل کفنی پا کے رلساں سنگ فقیراں ہُو
بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں باہو کرساں میراں میراں ہُو

حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیف الملوک میں منقبت در مدح شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرمایا ہے۔

واہ میراں شاہ شہاں دا سیّد دو جہانی
غوث الاعظم پیر پیراں دا ہے محبوب ربانی

حضرت مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث اعظم کی منقبت میں رقمطراز ہیں۔

دستگیری کا طلب گار ہوں شیأ للہ
میر بغداد! میں لاچار شیأ للہ

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۶۵ھ کے دور اور ان سے قبل پاک و ہند میں میر اور میراں کے القاب مستعمل نہ تھے۔ یہ القابات حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۵۶۱ھ کے بعد ان کی ذات والا صفات کے لئے استعمال ہوئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے قبل یا ہمعصر بزرگ نہ تھے۔

مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ فوائد الفواد کی

Marfat.com

روایت الحاقی ہے۔ حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی اور ہمعصر بزرگ نہ تھے۔ واللہ علم بالصواب۔

## ۶۔ کیا حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کی یا مجرد رہے؟

حضرت سیّد علی الہجویری کی ازدواجی زندگی کے بارے میں محققین اور تذکرہ نگاروں کی رائے مختلف ہے حالانکہ تقریباً سبھی نے کشف المحجوب کی عبارت کو بطور سند وحوالہ پیش کیا ہے اور اس عبارت سے آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق مختلف نتائج اخذ کیے ہیں۔

حضرت سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کشف المحجوب طبع تہران ص ۴۷۶ھ پر رقم طراز ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا مگر بقدیر الٰہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہوگیا اور میرا ظاہر و باطن اس (کسی عورت) کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہوگیا اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے کمال لطف اور فضل تمام سے میرے دل بیچارہ کو عصمت عطا کی اور اپنی رحمت سے خلاصی عنایت فرمائی۔"

اس عبارت پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے والدین کی خواہش پر ایک شادی کی۔ بیوی کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ان دیکھی عورت کو اس کی خوبیوں کے باوصف جو دوسروں نے بتائیں۔ ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ خیال دل سے محو فرمایا۔

## ۷۔ محققین اور تذکرہ نگاروں کی رائے

"ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔" دیباچہ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ ص ۱۰ پروفیسر نکلسن۔ "تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔" "بزم صوفیہ ص ۷ سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن قید ازدواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی۔" "تصوف اسلام از عبدالماجد دریا آبادی ۴۷۔" "آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی

موجودگی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً انہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی۔" داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ از محمد دین فوق ص ۱۳۔ "حضرت نے ایک شادی کی تھی...... دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔" پیش لفظ کشف المحجوب اردو از حکیم محمد موسیٰ۔ ص ۲۱۔ "آپ نے ایک شادی کی اور جب کچھ مدت کے بعد ان سے مفارقت ہوگئی تو پھر آپ نے تازیست دوسری شادی نہیں کی۔" دیباچہ کشف المحجوب اردو ترجمہ از شمس بریلوی ص ۱۱ "قید ازواج سے ہمیشہ آزادی رہی۔" سیرت گنج بخش از غلام جیلانی مخدوم ص ۱۱ "جناب سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے شادی نہیں کی اور ساری زندگی تجرد میں گزاری۔" پاکستان میں فارسی ادب ڈاکٹر ظہور دین احمد ص ۱۲۴۔ "داتا صاحب نے جہاں تک معلوم ہے شادی نہیں کی تجرد میں عمر گزاری۔" ماثر لاہور از سید ہاشمی فرید آبادی ص ۲۰۴۔ "آپ چونکہ اپنی عمر کا بیشتر حصہ سفر اور مسافرت میں رہے اس لئے آپ نے شادی نہیں کی بلکہ تجرد کی زندگی گزاری۔" اردو ترجمہ کشف المحجوب از میاں طفیل محمد۔ "حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دو نکاح کیے۔" گلزار صوفیاء از عالم فقری ص ۶۲۔ "آپ نے ایک ہی شادی کی تھی اور اس کی وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی نہیں فرمائی۔" حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش انگریزی از پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی۔ "حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لئے راہ تجرید ہی منتخب فرمائی اور ساری زندگی اس پر کاربند رہے۔" سیّد ہجویر از متین ہاشمی ص ۲۰۵۔

حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی کے خانوادہ کی سینہ بسینہ روایت کے مطابق حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح اوائل عمر میں اپنے والدین کی منشاء کے مطابق غزنی شہر میں ہوا۔ قضا الٰہی سے تھوڑے عرصہ بعد اہلیہ محترمہ کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد ساری زندگی مجردانہ گزاری۔ راقم الحروف کے جد اعلیٰ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ (رائے راجو) کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے بعد حضرت سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک پر بیعت فرمایا اور کبر سنی کے باوجود ان کا نکاح ایک پاکیزہ

Marfat.com

صفات خاتون فاطمہ سے کروایا۔ اس نکاح کے بعد حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب قائم ہوا۔ اگر حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نکاح کو آفت سمجھتے تو اپنے مرید خاص کو نکاح کرنے کی بجائے مجرد رہنے کی تلقین فرماتے اس لئے کہ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت عمر کے اس حصہ میں تھے جس میں نکاح کی حاجت نہ تھی۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کو واحد اولاد نرینہ عطا ہوئی۔ اس بچے کا نام سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے لطف اللہ رکھا اور شیخ لطفی کے نام سے معروف ہوئے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب طبع تہران ص ۴۷۷ پر رقم فرماتے ہیں کہ: ”بندہ کی ہلاکت نکاح کرنے یا مجرد رہنے میں نہیں بلکہ ہلاکت خواہش نفسانی کی پیروی اور اپنے اختیار کا ناجائز استعمال کرنے میں ہے۔ عیال دار کے آداب میں یہ بات ضروری ہے کہ اس کے وظائف قضا نہ ہوں، احوال ضائع اور اوقات برباد نہ ہوں، اہل وعیال کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔ انہیں روزی رزق حلال سے مہیا کرے۔ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ظالم لوگوں اور بادشاہوں کی حاشیہ برداری نہ کرے تاکہ اس کی اولاد پیدا ہو تو وہ بھی اس روش پر نہ چلے۔“

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی میں صرف ایک نکاح کیا اور اہلیہ محترمہ کے وصال کے بعد مجردانہ زندگی گزاری۔

## کیا ابوالحسن کنیت صفاتی ہے؟

وہ نام جس سے نسب یا وصف کا اظہار ہو کنیت کہلاتا ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت یقیناً صفاتی ہے۔ اس لئے کہ آپ کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ بیوی کی وفات کے بعد دوسری کسی عورت سے آپ نے شادی نہ کی بلکہ مجرد رہنے ہی میں عافیت جانی۔ پشت در پشت سے اس بات کی تصدیق راقم کے بزرگ کرتے چلے آ رہے ہیں کہ

Marfat.com

حضرت خود بھی اکلوتی اولاد تھے اور آپ کی کوئی حقیقی اولاد نہ تھی۔

حضرت نے کشف المحجوب میں اپنا نام نامی "علی بن عثمان الجلابی" کل اٹھائیس مرتبہ استعمال کیا اور کہیں پر اپنی کنیت کو اپنے نام کے ساتھ تحریر نہیں کیا۔ صرف ایک مقام پر حضرت مظفر بن احمد حمدان آپ کو ابوالحسن کہہ کر مخاطب ہوئے۔"

کشف المحجوب طبع تہران ص ۲۱۴ پر تحریر ہے کہ "میں (علی ہجویری) ایک دفعہ سخت گرمی میں گرد آلود سفری کپڑے پہنے آپ (حضرت احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا اے ابوالحسن! مجھے اپنے حال کی کیفیت بتاؤ؟"

ظاہر ہوا کہ آپ کو نیکیوں اور خوبیوں کے باوصف ابوالحسن کہا گیا۔ آج بھی آپ کی یہی کنیت معروف ہے۔

## ۹۔ کشف الاسرار! کیا سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے؟

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ ہی سے آپ کی دیگر نو تصانیف کے نام معلوم ہوئے ہیں مگر افسوس کہ کشف المحجوب کے علاوہ دوسری کوئی کتاب دستیاب نہیں۔

۱۔ دیوان (مجموعہ اشعار) کشف المحجوب طبع تہران ص:۲

۲۔ منہاج الدین، کشف المحجوب، طبع تہران ص:۲۔۹۶۔۱۹۲

۳۔ کتاب فنا و بقا، کشف المحجوب طبع تہران ص:۶۷

۴۔ کتاب شرح کلام منصور حلاج، کشف المحجوب طبع تہران ص:۱۶۲

۵۔ البیان لاھل العیان، کشف المحجوب تہران ص:۳۳۳

۶۔ نحو القلوب، کشف المحجوب طبع تہران ص:۳۳۳

۷۔ اسرار الخرق والمونات، کشف المحجوب طبع تہران ص ۶۳

۸۔ ایمان، کشف المحجوب طبع تہران ص:۳۶۸

۹۔ الرعایت بحقوق اللہ، کشف المحجوب طبع تہران ص:۳۶۰

Marfat.com

کشف الاسرار۔ یہ ۸ صفحات کا فارسی رسالہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ جو غالبات ۱۸۷۰ء میں پہلی بار طبع محمدی لاہور میں طبع ہوا۔ اس کا ذکر کشف المحجوب یا دیگر کسی قدیم کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ پہلی بار ''آب کوثر'' میں ص ۱۰ پر شیخ اکرام لکھتے ہیں۔ ''داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مثلاً کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین، البیان لاہل العیان۔'' اس کے بعد بلا تحقیق وتصدیق محض حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی نسبت کے سبب بعض اشاعتی اداروں نے کاروباری منفعت کے پیش نظر کشف الاسرار کے مختلف تراجم شائع کیے ہیں۔

ہم مختصراً کشف المحجوب اور کشف الاسرار کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔

کشف المحجوب میں حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ کے آغاز میں یوں لکھا ہے کہ ''...... میں نے اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا ہے۔ الغرض تیرا (ابوسعید ہجویری) مقصد پورا ہوا کہ میں نے اس کے مطابق کتاب کے ابواب تقسیم کیے ہیں۔ اس کتاب کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کا خواستگار ہوں اور اپنے اعتماد اور قوت پر بھروسہ سے برات کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر میرا آسرا اور وہی مددگار ہے۔''

کشف الاسرار کے آغاز میں یوں لکھا ہے۔ ''واضح رہے طوالت سے طبیعت اکتا جاتی ہے اس لئے یہ کتاب مختصر بنائی گئی ہے۔ پڑھنے والے کو اگر اس میں کوئی بات نادرست معلوم ہو تو چاہئے کہ وہ اس کی اصلاح کرے ورنہ مہربانی سے پردہ پوشی سے کام لے۔''

اس انداز آغاز سے واضح ہو جاتا ہے کہ کشف الاسرار کا مؤلف انتہائی نو آموز تھا۔ صاحب کشف الاسرار ص ۳ پر بیان کرتا ہے کہ ''میں جب ہندوستان میں آ گیا تو علاقہ لاہور کو جنت نظیر پایا اور یہیں بیٹھ کر بچوں کو پڑھانے کے ذریعے یہاں کی وطنیت و

Marfat.com

سکونت اختیار کرلی۔ جب مجھے یہ احساس ہوا کہ میرے دماغ میں حکومت و بادشاہی کی بو جاگزیں ہونے لگی ہے تو یکایک اس کام کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیا اور کبھی اس کے نزدیک نہیں گیا۔''

اس عبارت میں صاحب کشف الاسرار نے اپنے قیام کا سبب خطہ لاہور کا جنت نظیر ہونا اور درس و تدریس بتایا ہے اور پھر حکومت اور بادشاہی کے احساس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے درس و تدریس ترک کردینا بتایا ہے۔ صاحب کشف المحجوب ص ۷ پر رقمطراز ہیں کہ ''ہمارے اس زمانے میں علم تصوف تقریباً مٹ کر رہ گیا ہے بالخصوص ہمارے علاقے میں جہاں اکثریت نفسانی خواہشات کی اسیر ہوکر رہ گئی ہے۔ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول سے منہ موڑ لیا ہے۔ نیز علماء اور تصوف کے موجودہ دعویداروں نے بھی طریقت کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے۔ لہٰذا اٹھو! اور جس چیز تک اہل زمانہ کے کوتاہ ہاتھ نہیں پہنچ رہے اسے حاصل کرنے کے لئے کمر ہمت باندھو۔''

اس بیان سے عیاں ہوتا ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویریؒ نے حصول علم و عرفان طریقت میں شریعت کے مطابق سلوک کی منزلیں طے کرنے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شہر شہر کا سفر اختیار کیا۔ آخرکار تبلیغ اسلام کے لئے لاہور سکونت اختیار کی نہ کہ لاہور کی شادابی و خوبصورتی نے ان کا دل موہ لیا اور وہ لاہور میں مقیم ہوگئے۔

راقم کے بزرگ نسل در نسل بیان کرتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت نے لاہور میں جو اس وقت کفر گڑھ تھا، قیام کے بعد جو درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا وہ آپ کے وصال اور اس کے بعد تک حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جاری و ساری رکھا اور ۱۹۶۰ء تک جامع گنج بخش کی صورت میں جاری رہا۔

درس و تدریس کو ہمیشہ کے لئے ترک کردینے والی بات حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

کشف الاسرار میں ص ۵ پر تحریر ہے کہ ''اے علی! خلقت تجھے گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کہتی ہے۔" حالانکہ حضرت سیدعلی ہجویری کو زندگی میں گنج بخش نہ کہا گیا تھا بلکہ یہ لقب آپ کی وفات سے مدت بعد مشہور ہوا۔

صاحب کشف الاسرار ص ۳ پر لکھتا ہے کہ "چوں در ہندوستان آمد نواحی لاہور راجنت نظیر یابم۔" صاحب کشف المحجوب نے ص ۱۰۰ پر تحریر فرمایا کہ "من اندر دیار ہند در بلدہ لہانور کہ از مضافات ملتان است۔" کشف المحجوب کی یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ موجودہ شہر کو لہانور کہا جاتا تھا نہ کہ لاہور اور ہندوستان کو ہند لکھا جاتا تھا۔

کشف المحجوب میں نکاح اور تجرد کے بارے میں صوفیاء کے آداب کے باب میں حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کسی ان دیکھے محبوب کے عشق مجازی میں ایک سال مبتلا رہنے اور بعد از نجات اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں لیکن صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کرتا ہے اور عشق اور معشوق کی باتیں اس قدر درج ہیں کہ اگر ان سے عشق حقیقی مراد بھی لی جائے تو یہ صاحب کشف المحجوب کا انداز بیان قطعاً نہیں۔

کشف الاسرار کے ص ۷ پر تحریر ہے کہ "......کریم اللہ نامی ایک بڑا تاجر تھا......اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام امام بخش رکھا گیا......" سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں کسی جگہ ایسا انداز نہیں اپنایا جس میں دعویٰ یا اپنے منصب ولایت کا اظہار ہو لیکن صاحب کشف الاسرار یوں بیان کرتا ہے:

"اے علی! تو مرد پر نور مثل طور ہے، شیطان سے تو دور ہے جہاں میں ایک نور ہے۔"

"اے علی! تو عجب دلربا ہے گویا حسن یوسف ہے۔ عالم کی جان ہے، تو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔"

"اے محل دانائی! تو اپنے دل میں عمارت تعمیر کر۔"

Marfat.com

''اے علی! تو عقل مند بالغ، ولی اللہ، صاحب تاج و تخت اور فقیری کے تخت پر سونے والا ہے۔ جب تک تو ایک پیر ہے، تب تک تو دل پذیر ہے۔''

''اے علی! تو بلند مرتبہ سورج ہے جس کا اونچا آسمان ہے۔''

''اے علی! تو چمکتے ہوئے جوہر رکھتا ہے۔''

آٹھ صفحات پر مشتمل رسالہ کشف الاسرار میں چھ جگہ پر اپنے مخاطب کو لکھا ہے: ''اے میرے طالب''! لیکن ۵۴۲ صفحات کی کتاب کشف المحجوب میں صرف چند جگہوں پر مخاطب کے لیے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ''اے طالب حق، اے طالب راہ حقیقت۔'' معروف محقق حکیم محمد موسیٰ صاحب دیباچہ کشف المحجوب اردو کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں کہ ''رسالہ کے آخر میں تحریر ہے (رسولاں بلاغ باشد و بس) سعدی کا یہ مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔''

کشف الاسرار کا موازنہ جب کشف المحجوب کے مضامین سے کیا جاتا ہے تو پہلی نگاہ میں یہ کتاب فرضی معلوم ہوتی ہے۔ کشف المحجوب میں زبان و بیان کے علاوہ قاری کو جس سلاست، تبحر، آمد اور علمی و روحانی واردات سے سابقہ پڑتا ہے۔ کشف الاسرار میں کسی طور پر اس کی کوئی جھلک تک نہیں پائی جاتی۔ کشف الاسرار کی زبان عامیانہ، لاہوری، فارسی، غیر مرتب اور انتہائی نوآموز مصنف کی تحریر لگتی ہے۔ اس میں بعض باتیں قابل اعتراض بھی ہیں۔ تضاد بھی موجود ہے۔ کشف الاسرار میں کشف المحجوب کے تشنہ طلب موضوعات کی تشریح کا دعویٰ کیا گیا ہے جبکہ کشف الاسرار پڑھنے سے ایسی کوئی بات سامنے نہیں آتی۔ کشف المحجوب کے خالص علمی اور سنجیدہ مباحث کو چھیڑا تک نہیں گیا۔ یہ بات کسی اہل علم سے مخفی نہیں کہ ہر دور میں کچھ لوگ مخصوص مفادات کی خاطر نامور لوگوں کے کلام میں حک و اضافہ یا کتابیں خود لکھ کر غلط طور پر ان سے منسوب کرتے رہے ہیں۔ اس قسم کے واقعات تاریخ میں بکثرت مل جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس کتاب کا انتساب حضرت سیّد علی ہجویری المعروف داتا گنج

Marfat.com

بخش رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل جعلی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات اور مزار مبارک کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں، راقم نے ان کا احاطہ اور تحقیق و تاریخ سے ان کا ازالہ کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کے باوجود راقم یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ حرف آخر ہے اس لئے کہ تحقیق کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

Marfat.com

# سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے چند رفقاء

﴿پیرزادہ اقبال احمد فاروقی﴾

حضرت سیّد ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کرام میں ایک ہر دلعزیز اور محترم شخصیت تھے۔ آپ نے اپنی جوانی میں عالم اسلام کی سیر و سیاحت میں ایک لمبا عرصہ گزارا۔ خصوصاً خراسان جوان دنوں نصف جہان تھا کے اولیاء کرام سے استفادہ کیا۔ روحانیت کی تربیت واشاعت میں یہ خطہ خیابان روحانیت کہلاتا تھا جہاں اولیاء اللہ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ خراسان کے ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبے میں بزرگان دین کی روشن خانقاہیں تھیں جہاں سے روحانیت کی ضیاء پھوٹتی تھی۔

جسٹس پیر کرم شاہ بھیروی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرت سیّد ابوالحسن ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں ''مجھے اس سیاحت میں خراسان کے تین سو اولیاء اللہ سے مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور حاضری کا شرف ملا۔ ان اولیاء میں دنیا اسلام کے جلیل القدر مشائخ اور ارباب کرامت تھے۔ ہم داتا گنج بخش کی اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں جو آپ نے اپنے پیرومرشد ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے پیرومرشد حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ نے خراسان کے ایک جنگل میں اپنے ہم عصر اولیاء کرام کو دعوت دی۔ میں نے دیکھا کہ دنیا کے گوشے گوشے سے اولیاء اللہ کے کاروان آنے

Marfat.com

شروع ہوئے۔ ہر ایک ولی اللہ ایک تخت پر بیٹھا فضا میں اڑتا چلا آ رہا ہے اور ہر ایک کے ساتھ سو سو زیر تربیت بزرگ آ رہے ہیں۔ میرے پیرو مرشد نے فضا سے اترنے والے کسی صاحب کرامت بزرگ کی طرف توجہ نہ کی مگر ایک بزرگ جو پیدل چل کر پہنچے تھے، ان کے پاؤں کے جوتے ٹوٹ چکے تھے، لباس غبار آلود تھا، چہرہ سفر کی سختیوں سے گرد آلود تھا، آپ آگے بڑھے استقبال کیا اور بتایا انہیں کسی کرامت کی پروا نہیں بلکہ کرامتیں ان کی تلاش میں رہتی ہیں۔

خراسان کی سرزمین میں صاحب کرامت اولیاء اللہ کی اتنی کثرت ہے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی کا اسلامی معاشرہ روحانیت کی تربیت میں بے حد خوش قسمت تھا۔ پھر حضرت داتا گنج بخش جن اصحاب کی نورانی مجالس اور محافل میں نشست و برخاست رکھتے تھے وہ کتنے صاحب فکر ونظر تھے۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ میرے ایک دوست بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ خراسان کے ایک علاقہ کے گورنر نے آپ کو تیس ہزار درہم بطور نذرانہ بھیجے۔ آپ اس وقت ایک حمام میں غسل فرما رہے تھے۔ باہر آئے، نذرانہ قبول کیا اور کھڑے کھڑے غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ ایثار و غریب پروری کی یہ مثالیں اہل اللہ کے ہاں ملتی تھیں۔

• حضرت داتا گنج بخش کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

''ایک بوڑھے درویش کو کوفہ کے بازار میں دیکھا جو کئی دنوں سے بھوکے اور پیاسے تھے اور سفر کی پریشانیوں سے نڈھال تھے۔ ہاتھ پر ایک خوبصورت چڑیا بٹھا رکھی تھی اور آواز لگا رہے تھے'' ہے کوئی جو یہ چڑیا خریدے تاکہ میں کھانا کھا سکوں۔'' لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور انہیں سمجھانے لگے آپ اللہ کے نام پر روٹی مانگیں لوگ دیں گے۔ آپ نے فرمایا ''میں روٹی کے لئے خدا کا نام نہیں بیچ سکتا۔''

حضرت ابو القاسم امام قشیری حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے استاد مکرم تھے۔ آپ اپنے زمانہ کے نادر الوجود اور بلند قدر ولی اللہ تھے۔ زمانے کے حالات و واقعات

Marfat.com

سے باخبر تھے۔ دنیا کے واقعات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ ہر موضوع پر بڑی عمدہ گفتگو فرمایا کرتے۔ آپ کی تصانیف وتالیفات اہل علم وعرفان کے لئے روحانی دولت کا سامان تھیں۔ صاحب ''خزینۃ الاولیا'' نے آپ کا سن وصال ۴۶۵ھ لکھا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے علمی اور روحانی انوار سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ آپ لکھتے ہیں کہ مجھے ایک مسئلہ درپیش تھا۔ میں نے اس کے حل کے لئے بڑی تگ ودو کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں اپنے استادگرامی کی خدمت میں ''طوس'' پہنچا۔ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اپنی مسجد میں اکیلے بیٹھے مسجد کے ستون کو وہ مسئلہ سمجھا رہے تھے جس کی تلاش میں مجھے اتنا لمبا سفر کرنا پڑا۔ میں آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ ستون سے ہم کلام رہے۔ جب آپ گفتگو کے بعد خاموش ہوئے تو میں نے سلام عرض کیا اور دریافت کیا ''حضرت ستون سے گفتگو کا کیا معنی؟'' آپ نے فرمایا ابھی ابھی اس ستون نے مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا میں اس کی وضاحت کررہا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے میرا مشکل مسئلہ حل کردیا تھا میں مطمئن ہوگیا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد حضرت شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بلند پایہ شیخ طریقت اور زبردست عالم تفسیر واحادیث تھے۔ آپ حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ کے محرم راز مرید تھے۔ آپ نے زندگی کے ساٹھ سال بیابان وجنگلات میں بسر کئے۔ لوگوں سے دور رہے اور عالمانہ لباس اور مشائخ کا جبہ ودستار نہیں پہنا۔ حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں میں نے ساری عمر اتنا نفیس اور رعب والا بزرگ نہیں دیکھا۔ وہ دمشق کے قصبہ ''بیت الجن'' میں رہتے تھے۔ لوگ دور دراز سے چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کی توجہ سے بے پناہ فائدہ اٹھاتے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے پیرومرشد کو وضو کرارہا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تقدیر اور مقدر لکھ دیا ہے تو پھر یہ نمازیں، روزے، ریاضتیں رحمۃ اللہ علیہ اور استاد، پیرومرشد کی خدمات کا کیا فائدہ؟

Marfat.com

حضرت نے میرے دلی خدشات کو پالیا اور خود ہی فرمایا ''بیٹا! تمہارے دل میں جو خیالات آرہے ہیں میں اس سے واقف ہوں۔ یادرکھو اس دنیا میں ہر کام کا ایک سبب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنی قربت اور عظمت سے نوازتا ہے تو اسے پہلے گناہوں سے توبہ کی توفیق دیتا ہے پھر اسے اپنے بندوں کی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ وہ خلق خدا کی خدمت کر کے اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اعزازات حاصل کرتا جاتا ہے اور یہی نوشتہ تقدیر ہے۔'' داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے پیرومرشد ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ وصال سے پہلے اپنے گھر ''بیت الجن'' میں تشریف فرما تھے۔ میں بھی آپ کے حجرے میں موجود تھا۔ حضرت کا سر میرے پہلو میں تھا اور میری نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں۔ اس طرح میں نے عالم روحانیت کے سورج کو غروب ہوتے دیکھا۔ آپ نے نزع کے عالم میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''بیٹے! دنیا کی تمام چیزیں خواہ اچھی ہوں یا بری، اللہ نے بنائی ہیں۔ تم اچھی چیزوں کو اپنا لو مگر بری چیزوں سے جھگڑا مت کرو کیونکہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔'' حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک سفر کے دوران چین میں فرغانہ کے قصبہ میں جا پہنچے۔ فرغانہ کے پاس ہی ایک گاؤں تھا جس کا نام ''ساتک'' تھا۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے جن سے آپ کو ملنے کا اشتیاق تھا۔ داتا صاحب لکھتے ہیں یہ بزرگ اوتاد کے منصب پر فائز تھے۔ اہل اللہ انہیں ''اوتادالارض'' کہا کرتے تھے۔ مقامی بزرگ لوگ آپ کو ''باب العموذ'' کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔ آپ جس گھر میں رہتے تھے وہاں آپ کی ضعیف العمر بیوی فاطمہ کے علاوہ اور کوئی نہ رہتا تھا۔ اس میں ''اوزخیز'' سے چل کر صرف اس بزرگ کی زیارت کو آیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہوئے فرمایا ''تم کیوں آئے ہو؟'' میں نے عرض کی حضور کے چہرہ انور کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں فرمانے لگے بیٹا! یہ سفر و سیاحت بچوں کا کھیل ہے اب مجھے ملنے کے لئے سفر کی ضرورت نہیں جہاں توجہ دو گے مجھے سامنے پاؤ گے۔'' اسی اثناء میں آپ نے بیوی فاطمہ کو آواز دے کر مہمان کے لئے کچھ لانے کو کہا۔

Marfat.com

وہ ایک طشتری میں نہایت عمدہ انگور اور تر کھجوریں لائیں۔ نہ وہ انگور کا موسم تھا نہ وہاں تازہ کھجوریں ملتی تھیں۔ میں ان کی تواضع کا آج تک لطف محسوس کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ رودباری رحمۃ اللہ علیہ صوفیا کرام میں بلند مقام والے بزرگ تھے۔ دریائے دجلہ کے کنارے ایک گاؤں ''صور'' میں رہتے تھے۔ بڑے صاحب کرامت اور ماہر علوم شریعت تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی ابتدائی زندگی میں دیکھا تھا۔ آپ کا ایثار وتقویٰ اس قدر قوی تھا کہ آپ اپنے مریدوں کو بھی ایثار اور سخاوت کا نمونہ بنا دیتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ آپ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ آپ اپنے رئیس اور امیر مرید کے گھر آئے۔ گھر دنیاوی اشیاء سے بھرا پڑا تھا مگر مرید گھر میں موجود نہ تھا۔ آپ نے غربا مساکین کو بلایا اور مرید کا سارا گھر لٹا دیا۔ ہر چیز کو غربا میں تقسیم کر دیا۔ مرید آیا اس نے گھر کو خالی پایا۔ حضرت مرشد کو دیکھا تو اطمینان حاصل ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ

اب بے نیاز گردش دوراں ہوئے تو ہیں

مرید کی بیوی نے اپنے زیورات اور ریشمی ملبوسات بھی حضرت عبداللہ کے حوالے کر دیئے کہ یہ بھی گھر کا سامان ہے اسے بھی مساکین میں تقسیم کر دیں۔ مرید نے دیکھا تو بیوی کو ڈانٹ کر کہا یہ کیا تکلف ہے۔ بیوی نے کہا جو کچھ شیخ نے کیا وہ ''جود'' ہے اور جو کچھ میں نے کیا وہ تکلف ہے۔ جود و تکلف دونوں اللہ کو پسند ہیں۔ یہ تھے مرشد اور یہ تھے مرید۔ سب کچھ اللہ کی راہ پر لٹا کر مطمئن تھے۔

حضرت الشیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بے مثال بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ کی لاثانی شخصیت۔ آپ کی توجہ نے ہزاروں طالبان حق کو واصل باللہ کر دیا تھا۔ شیخ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحب کرامات بزرگ آپ کے خلیفہ تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی مجالس سے بڑا روحانی فیض پایا تھا۔ آپ ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں کہ ایک دن مجھے حضرت کی مجلس میں حاضری کا اتفاق ہوا

Marfat.com

تو میں نے اپنے احوال کی تفصیلات بیان کرنا شروع کیں۔ میں جواں سال تھا اور مراحل سلوک طے کر رہا تھا۔ اس لئے اپنے تجربات اور احوال بیان کرتے وقت بڑا پرجوش تھا اور اپنی منازل طے کرنے پر فخر و غرور کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت میری باتیں سن رہے ہیں مگر نہایت سکون اور خاموشی سے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ آپ کو میری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بڑے بزرگ ابتدائی تجربات اور مشکلات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لئے میرے احوال کی قدر نہیں کرتے۔ حضرت نے میرے ان قلبی خدشات کو بھانپ لیا۔ فرمانے لگے ''بیٹا! یہ انکسار اور عاجزی تمہارے لئے نہیں ہے یہ تمہارے احوال و مقامات کے لئے ہے۔ میں تو اس ذات کے لئے عجز کر رہا ہوں جو احوال کو تبدیل کرنے والا ہے۔ پھر ہر طالب کے لئے بھی انکسار اور عجز اختیار کرتا ہوں جو مقامات سلوک سے گزرتا ہے۔'' حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں حضرت کی یہ بات سن کر دم بخود ہو گیا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ''بیٹے! طریقت میں جب بندے کو ان حالات سے شکایت ہوتی ہے تو اس کو اس کے گمان میں بند کر دیا جاتا ہے جب انسان اپنے آپ میں بند ہو جاتا ہے، وہ اپنی نفی کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ میں فنا ہو کر اپنے تمام گمانوں اور دعوؤں سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر اس کے سامنے بس اللہ کی ذات ہوتی ہے جس کی اطاعت کرتا ہے۔'' حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تو خاموش بیٹھا رہتا اور اپنے احوال بیان کرنے کے بجائے اسرار و رموز سے دامن بھرتا۔ میں نے آپ کی مجالس سے وہ اسرار و رموز پائے کہ اگر بیان کروں تو دریا ٹھاٹھیں مارنے لگیں۔

شیخ ابو احمد المظفر بن حمدون رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے ایک صوبے کے گورنر تھے، جذب حقیقی نے اپنی طرف کھینچا تو تخت شاہی پر ہی مقامات و مراتب ملے جو سالوں کی ریاضتوں اور حیلوں سے نہیں ملتے۔ اقتدار اور حکومت پر رہتے ہوئے آپ نے مقامات

Marfat.com

سلوک حاصل کیے۔ سلطان المشائخ شیخ ابوسعید ابوالخیر فرمایا کرتے تھے، ہم تو اللہ کی بندگی اختیار کر کے اس تک پہنچے مگر خواجہ مظفر کو تاج وتخت میں بیٹھے بیٹھے دولت روحانیت مل گئی، ہم مجاہدہ کرتے رہے وہ مشاہدہ سے بلند مقام ہو گئے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگرچہ مجھے حضرت ابواحمد المظفر کی مجالس سے زیادہ استفادہ کا موقع نہیں ملا مگر آپ کے بیٹے خواجہ احمد نے مجھے بتایا کہ ایک دن خواجہ مظفر کے پاس سیتاپور سے چند ایسے ولی اللہ آئے جنہیں اپنی اولیائی پر بڑا ناز تھا۔ ایک نے مجلس میں کہا، پہلے فنا ہے پھر بقا۔ شیخ خواجہ مظفر نے فرمایا کہ اگر فنا ہے تو بقا کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بقا قائم ہو گی تو فنا ختم ہو گی۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نوعمر تھا مجھے سفر کی گرمی نے ستایا ہوا تھا۔ میں طویل سفر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لباس گرد آلود تھا۔ چہرے اور سر کے بال پراگندہ تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے ابوالحسن اپنی قلبی حالت بیان کر اور یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا تمنا ہے؟ میں نے عرض کی، حضرت میرا دل چاہتا ہے کہ سماع سنوں، آپ نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ گھر سے قوالوں کو بلا لاؤ۔ قوال آئے سماع شروع ہوا۔ کئی لوگ مجلس میں جمع تھے۔ میرے اندر جوانی کی آگ بھڑک رہی تھی۔ باطنی ارادات کی وجہ سے سماع سے بڑا لطف اندوز ہوا۔ حضرت نے مجھے پوچھا "سناؤ ابوالحسن مجلس سماع کیسی رہی؟" میں نے عرض کی حضور بڑا لطف آیا۔ سفر کی تھکان جاتی رہی اور روح کو تازگی ملی۔ کچھ عرصے کے بعد میرا جوش اور سماع کا اشتیاق ٹھنڈا پڑنے لگا تو آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔ ابوالحسن ایک وقت آئے گا کہ قوالی اور کوے کی آواز میں تمہیں کوئی فرق محسوس نہ ہوگا کیونکہ سماع کا اشتیاق اسی وقت تک رہتا ہے جب تک انسان کو مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مشاہدے کے بعد سماع اور دوسری ریاضتیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے احباب میں شیخ زکی ابن علا شیخ ابوجعفر، صیدلانی، شیخ ابوالقاسم سرخسی، شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سابعہ، ابواسحاق، شہریار، ابوالحسن

Marfat.com

علی بن بکران، شیخ شفیق فرج زنجانی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ عبداللہ جنیدی، خواجہ حسن سمنانی، شیخ محمد بن سلخ، خواجہ ابوجعفر، محمد الحواری، خواجہ محمود نیشاپوری، خواجہ رشید، مظفر ابوسعید، شیخ احمد نجار سمرقندی اور ابوالحسن ابی طالب الاسود رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر صوفیاء عصر کے اسمائے گرامی ملتے ہیں نجاران بزرگان دین کے علاوہ سینکڑوں باکمال صوفیاء آپ کے دوست تھے جو دنیائے تصوف میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے رہے ہیں۔ یہ حضرات شام، عراق، فارس، آذربائیجان، طبرستان، کرمان، خراسان، ماورالنہر، غزنیں اور ایران کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔

حضرت حماد اور شیخ ابوسعید آپ کے خصوصی دوست تھے جلیس مجالس اور شریک سفر وحضر تھے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ غزنی سے لاہور آئے تو آپ بھی حضرت کے ہمرکاب تھے۔ قیام لاہور کے دوران آپ کے ساتھ رہے، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی معرکتہ الارا کتاب کشف المحجوب شیخ ابوسعید کی فرمائش پر لکھی گئی تھی بلکہ فاضل مصنف نے آپ کے بعض سوالات کے جواب میں آپ کو مخاطب فرمایا کہ یہ گراں مایہ کتاب ترتیب دی۔ شیخ ابوسعید ایک بلند پایہ عالم اور صوفی تھے۔ وہ ایک زیر تربیت سالک کی حیثیت سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ لاہور میں ابتدائی دنوں میں جن مصائب اور ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑا اس میں شیخ ابوسعید نہ صرف برابر کے شریک تھے بلکہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ایک رفیق غمگسار رہے، ان مشکلات کے بعد جن کامیابیوں نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قدم چومے ان میں شیخ ابوسعید کا باقاعدہ حصہ ہے۔

صاحب کشف المحجوب نے اپنی کتاب میں جہاں تصوف کے اسرار و رموز کو بیان کیا ہے وہاں آپ نے اپنے سفر اور بزرگان دین سے ملاقاتوں کی تفصیل بھی بیان کی ہیں پھر جن بزرگان دین سے استفادہ کیا ہے ان کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ صرف افراد ہی نہیں آپ نے اکثر بزرگان دین کے مزارات سے بھی استفادہ کیا

Marfat.com

اور روحانی برکات حاصل کیں۔ آپ اپنی کتاب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مجھے بعض مشکل مسائل کا سامنا تھا۔ میں نے بڑی کوشش کی مگر میری قلبی مشکلات حل نہ ہو سکیں۔ میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تین ماہ تک ٹھہرا رہا مگر مسائل اور مشکلات جوں کی توں رہیں۔ آخر میں نے خراسان جانے کا ارادہ کیا اور پھر ''کش'' کے ایک قریبی گاؤں میں رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس گاؤں میں کسی ولی اللہ کا مزار تھا۔ اس خانقاہ پر کئی گدڑی پوش صوفیائے کرام قیام پذیر تھے۔ میں نے اس دن ایک کھردری گدڑی پہنی ہوئی تھی۔ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا، صرف ایک کوزہ اور ایک ڈنڈا تھا۔ ان صوفیوں نے مجھے اس لباس میں دیکھا تو حقارت سے نظر انداز کر دیا اور کہنے لگے تم ہم میں سے نہیں ہو۔ میں واقعی ان میں سے نہیں تھا۔ رات کا ایک حصہ گزرا تو مجھے کہنے لگے تم اس اونچی جگہ لیٹ رہو۔ وہ خود ایک چبوترے پر جا بیٹھے۔ انہوں نے مجھے ایک باسی، اور بدبودار سوکھی روٹی دی اور خود اعلیٰ قسم کے کھانے کھانے لگے۔ مجھے ان کے کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی اور ان کے چٹخاروں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کھانے کھاتے رہے اور مجھ پر طنز بھی کرتے جاتے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ خربوزے کھانے لگے اور خربوزوں کے چھلکے مجھ پر پھینکتے جاتے اور قہقہے لگاتے جاتے۔ میں نے دل میں کہا اے اللہ! اگر یہ لوگ تیرے نیک بندوں کے لباس میں نہ ہوتے تو میں ان کی وہ خبر لیتا کہ وہ یاد رکھتے۔ اس کے باوجود ان کی زبانیں طنز کرنے اور ہاتھ چھلکے پھینکنے سے نہ رکے۔ میں ان کی یہ حرکات برداشت کرتا رہا، اپنے نفس کی انا کو دباتا رہا۔ ان کی ملامت پر ضبط کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس برداشت کی وجہ سے میری قلبی مشکلات آسان فرما دیں اور میرے مسائل حل ہو گئے۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ بعض مجہول اور جاہل قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ کیوں رکھتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے دوران سفر کئی ایسے اولیاء اللہ سے ملاقات کی جو واقعی اللہ کی راہ میں درویش بے نوا کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ

کشف المحجوب کے صفحہ ۴۳۶ پر لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بیابان میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو سال میں چالس چالیس روز متواتر کھائے پیے بغیر رہتا تھا۔ شیخ دانش ابومحمد باغری رحمۃ اللہ علیہ جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو میں وہاں موجود تھا۔ سابقہ ستر اسی دن سے آپ نے کچھ نہ کھایا تھا۔ پھر اتنے عرصہ میں آپ نے ایک نماز بھی قضا نہیں کی تھی۔ میں نے ایک درویش کو دیکھا جو اسی دن تک روزے سے رہا اور تمام نمازیں باجماعت ادا کرتا رہا۔ مرو کے علاقہ میں مجھے ایسے دو بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ایک کا نام مسعود تھا اور دوسرے کا شیخ ابوعلی سیاہ تھا۔ حضرت مسعود نے شیخ ابوعلی سیاہ کو بلایا اور کہا آؤ آج سے چالیس دن کا چلہ کریں اور کچھ نہ کھائیں اور نہ پئیں۔ ابوعلی سیاہ نے جواب دیا کہ میرے پاس آ جائیں اور ہر روز خوب پیٹ بھر کر مرغن کھانا کھائیں مگر چالیس روز تک ایک ہی وضو سے تمام نمازیں ادا کریں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہزاروں مردان خدا کو ملتے تھے اور ان کی مجالس وصحبت سے استفادہ کرتے تھے۔

Marfat.com

# آستانہ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک

﴿پروفیسر خالد ہمایوں﴾

دوسری عالمی جنگ کے آس پاس کا زمانہ ہندوستانی عوام کے لئے سخت معاشی پریشانیوں کا دور تھا۔ بے شمار گریجوایٹ معمولی معمولی ملازمتوں کے لئے جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔ مشہور شاعر یوسف ظفر بھی ان دنوں لاہور کے گلی کوچوں میں سرگرداں تھے۔ معمولی سے معمولی مزدوری بھی ملتی تو کر گزرتے۔ وقت کڑا تھا لیکن حوصلے جوان تھے۔ ایک بار شہر کی دیواروں پر اشتہار چپکا چپکا کر نڈھال ہوئے پڑے تھے کہ اچانک ایک روحانی واردات سے دوچار ہو گئے۔ اس سے بظاہر تو ایک روزی کا دروازہ کھلا لیکن یہ واردات ان پر روحانی بلندیوں کے دروازے کھلتے چلے جانے کی تمہید ثابت ہوئی۔
تصدق حسین راجا اپنی کتاب ''یوسف ظفر کی بات'' میں رقمطراز ہیں:

''ایک روز یوں ہوا کہ وہ ایک سبزی والے کی دکان پر سبزی لینے کے لئے کھڑے تھے کہ کسی فقیر نے صدا لگائی ''ایک آنہ دے دو تمہیں داتا دے گا'' یوسف ظفر نے سوچا کیوں نہ خود داتا رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر ملا جائے۔ وہ سبزی خریدے بغیر سیدھے داتا دربار پہنچے، دعا مانگی تو وہ چراغ جو مزار پر روشن تھا، بجھ گیا۔ خیال آیا دعا قبول نہیں ہوئی دوسرے روز پھر اسی وقت حاضر ہوئے، دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آج بھی چراغ گل ہو گیا۔ واپس آ گئے اور تیسرے روز ایک بار پھر حاضری دی۔ اس مرتبہ وہ دعا مانگ کر فارغ ہوئے تو دیکھا کہ چراغ بدستور جل رہا ہے۔ بہت خوش ہوئے کہ ان کی دعا قبول ہو گئی۔ سبزی لینے دکان پر پہنچے تو ایک شخص جس سے ان کی کوئی جان پہچان نہ تھی مخاطب

Marfat.com

ہوا ''برخوردار! کیا کرتے ہو؟'' جواب دیا ''ملازمت کی تلاش میں ہوں'' پوچھا گیا ''تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے؟'' بتایا ''میں گریجوایٹ ہوں'' اس مہربان اجنبی نے کہا کہ محکمہ انہار میں ایک اسامی خالی ہے درخواستیں بھجوانے کی آخری تاریخ تو گزر چکی ہے لیکن تم اب بھی جاکر درخواست دو گے تو نوکری مل جائے گی۔'' سبزی نہیں خریدی اور سیدھے اس دفتر پہنچے۔ وہیں بیٹھ کر درخواست لکھی، ملازمت مل گئی۔ یہاں یوسف ظفر پانچ سال تک کلرکی کرتے رہے۔

اس واقعہ کے بعد ظفر باقاعدگی سے داتا دربار حاضری دیتے تھے۔ استقبال اس طرح ہوتا کہ جب بھی وہ دربار میں داخل ہوتے، کوئی درویش گلاب کا ہار ان کے گلے میں پہناتا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں ان کے سب سے بڑے بیٹے جاوید ظفر کی ولادت ہوئی تو ان کی اہلیہ بتاتی ہیں کہ دروازے پر کوئی درویش موتیے کے ہار ٹانگنے کے لئے میخ ٹھونک رہا تھا وہ باہر آئیں اور پوچھا ''بابا کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟'' جواب میں درویش نے کہا ''داتا دربار سے آیا ہوں حکم ہے کہ یہ سہرا دروازے پر ٹانگ دوں۔'' جاوید ظفر کی والدہ محترمہ نے کچھ نذر کرنا چاہا تو درویش نے یہ کہہ کر انکار کر دیا ''اس کا حکم نہیں۔''

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے یوسف ظفر کی عقیدت بڑھتی رہی۔ ''کشف المحجوب'' کا نہایت ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے۔ ۱۹۵۲ء کے دور میں جب ان کی اپنے عزیز دوست عزیز ملک سے بہت صحبتیں رہتیں وہ کہتے ہیں کہ ''ہم دونوں نے کشف المحجوب کا مطالعہ ایک ساتھ کیا۔ وہ پڑھتا میں سنتا، میں سناتا وہ سر کو دھنتا'' جب بھی لاہور آتے سب سے پہلے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری دیتے۔ ایک بار وہ شہرت بخاری کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے، پہنچتے ہی انہیں بھی ساتھ لیتے گئے۔ شہرت بخاری اپنی خودنوشت ''کھوئے ہوؤں کی جستجو'' میں لکھتے ہیں:

پنڈی سے جب لاہور آنا ہوتا تو جب بھی نصف شب کے قریب پہنچتا میرے ساتھ قیام کرتا۔ میں اس زمانے میں دربار داتا صاحب سے متصل ہجویری محلے میں رہتا تھا۔ وہ

Marfat.com

آتے ہی کہتا ''بھائی جی داتا کو سلام کرنا ہے'' موسم چاہے کیسا ہو رات کے خواہ اڑھائی تین بجے ہوں اس کے لئے لاہور میں آ کر پہلا کام یہ کرنا لازم تھا کہ داتا کے دربار میں حاضری دے۔ ایک رات تقریباً دو بجے آیا سخت سردی پڑ رہی تھی۔ سوٹ کیس رکھا، کپڑے تبدیل کئے، وضو کیا، کمبل لیا اور مجھے ساتھ لے کر داتا کے حضور سلام کو حاضر ہوا۔ مزار کے مغرب کی طرف دوزانو بیٹھ کر پہلے کچھ منہ ہی منہ میں پڑھتا رہا، پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ گردن جھک گئی، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں رسمی فاتحہ پڑھ کر خاموش بیٹھا تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا حالانکہ بے شمار لوگ مزار کے اردگرد بیٹھے تسبیح وتہلیل میں مصروف تھے اور کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ عجیب کیفیت تھی مجھے بڑا لطف آ رہا تھا کہ اچانک میری نظر ایک ایسی مخلوق پر پڑی جو دکھائی تو بلی دے رہی تھی مگر ایسی بلی تو میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھی اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کم از کم تین فٹ لمبی اور دو فٹ اونچی۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے وہ مزار کی دوسری طرف جا چکی تھی میں اسے اپنا وہم سمجھا۔ اتنے میں وہ پھر میرے سامنے سے گزری۔ اب میرے ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے، سانس ٹھنڈا ہو گیا۔ دہشت کے مارے میرا برا حال ہو گیا۔ گھبرا کر میں نے ظفر صاحب کو زور سے کہنی ماری اس نے میری طرف دیکھا، اتنے میں وہ بلی پھر آ گئی۔ میں بس اتنا کہہ سکا۔ ''یہ...... یہ...... یہ!'' اس نے بھی اسے دیکھا مگر وہ بالکل نہیں گھبرایا۔ مسکرا کر کہنے لگا ''سیدزادے ہو، گھبراتے کیوں ہو سیّد کا دروازہ ہے یہاں ہر کوئی سلام کرنے آتا ہے۔'' اب کے وہ بلی نہیں آئی۔ مجھ پر خوف طاری تھا۔ میں نے کہا ''ظفر صاحب بس گھر چلو میری طبیعت اچھی نہیں ہے، مجھے سخت سردی لگ رہی ہے'' اور ہم وہاں سے اٹھ آئے پھر گھر پہنچ کر صبح تک وہ مجھے گدایان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محیرالعقول کرامتیں سناتا رہا۔''

روحانی رفیع کا یہ سفر جو حضرت داتا صاحب کی بارگاہ سے شروع ہوا، اس نے انہیں بالآخر سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے پر لا کھڑا کیا۔ انہیں پہلی بار ۱۹۶۳ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ منصور قیصر مرحوم بتاتے ہیں:

Marfat.com

یوسف ظفر نے پہلے حج کی سعادت نصیب ہونے سے قبل ایک خواب بھی دیکھا تھا ایک جم غفیر کے درمیان ایک فرشتہ بڑے بڑے پروں سمیت موجود ہے۔اس کے پروں سے روشنی کی کرنیں پھیل رہی تھیں۔فرشتے نے مجمع سے مخاطب ہوکر سوال کیا'' ہے کوئی اللہ کے لئے جان کا نذرانہ دینے والا؟'' لاکھوں کے مجمع سے کوئی جواب نہ ملا تو فرشتے نے دوبارہ آواز دی'' ہے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جان پیش کرنے والا؟'' اس مرتبہ مخلوق خدا کے اس بہت بڑے مجمع میں سے ایک آواز آئی'' میں حاضر ہوں''...... یہ شخص یوسف ظفر تھا۔فرشتے نے تین بار اپنا سوال دہرایا اور ظفر نے تینوں مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اپنی جان کا حقیر سا نذرانہ پیش کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔فرشتہ خوشی و مسرت سے سرشار رقص کرنے لگا تھا۔

حج کے دوران ایک واقعہ یوں پیش آیا کہ طواف کعبہ میں ان کا پاسپورٹ اور ٹریولر چیک چوری ہوگئے۔ان کے میزبان شیخ عنایت اللہ نے کہا'' زادراہ چوری ہوجانے کا تو مجھے غم نہیں لیکن اگر پاسپورٹ گم کر بیٹھے ہو تو میں تمہاری کوئی مدد نہ کرسکوں گا کیونکہ پاکستانی سفارت خانہ جدہ میں ہے جہاں تک پہنچنے میں دو تین چوکیاں راستے میں حائل ہیں جہاں ہر مسافر کا پاسپورٹ اور ویزا چیک ہوتا ہے۔تم جہاں پکڑے گئے سیدھے جیل میں ڈال دیئے جاؤ گے اور پھر تمہارا اللہ ہی حافظ ہے، رہائی میں بڑا وقت لگے گا۔''

یوسف ظفر نے عنایت اللہ سے مصافحہ کیا اور یہ کہہ کر الگ ہوگیا کہ اب میرا اور اس کا معاملہ ہے میں جس کے پاس حاضر ہوا ہوں۔تم جاؤ اور میری فکر نہ کرنا۔اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی اس نے سوچا کہ دیکھئے آج کے خطبے میں مولانا قرآن حکیم کی کن آیات کی تلاوت فرماتے ہیں۔انہی سے وہ مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کرے گا اور رہنمائی حاصل کرسکے گا کہ اسے اب کیا کرنا ہے۔آیات سننے کے بعد ترجمہ دیکھا تو مفہوم یہ نکلا'' اللہ اپنے بندوں کو مختلف انداز سے آزماتا ہے۔''

بات سمجھ میں آگئی کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ٹیکسی لی اور خالی ہاتھ، خالی جیب جدہ

Marfat.com

کے لئے روانہ ہو گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور حیران تھا کہ عام طور پر اکیلے مسافر پوری ٹیکسی کرائے پر نہیں ٹھہراتے۔ یہ حیرانی مزید بڑھ گئی جب دو چوکیوں سے وہ بلا روک ٹوک گزر آیا۔ چوکی پر تعینات پولیس کا آدمی ٹیکسی کے اندر جھانکتا اور بغیر پاسپورٹ ویزا چیک کئے اشارہ کرتا ''جاؤ'' اس نے ظفر سے عربی میں پوچھا ''کیا آپ کسی ملک کے سفیر ہیں؟'' جواب ملا ''نہیں۔ ایک عام پاکستانی ہوں جس کا پاسپورٹ اور ساری پونجی دوران طواف چوری ہو چکی ہے۔'' ڈرائیور نے بتایا کہ مزید ایک چوکی اور باقی ہے جہاں سے بچ نکلنا ممکن نہ ہوگا۔ ظفر نے نہایت اطمینان سے کہا ''تم اس بات کی فکر نہ کرو بس چلتے چلو۔'' ٹیکسی ڈرائیور آخری چوکی سے بھی صحیح سلامت گزر گیا۔ سفارت خانے پہنچ کر یوسف ظفر نے اس سے رُکنے کو کہا تاکہ اندر جا کر کرائے کا انتظام کر سکے۔ ڈرائیور نے مسکرا کر اجازت طلب کی اور کرایہ لینے سے انکار کر دیا۔

سفارت خانے کے عملے نے پاسپورٹ نمبر، تاریخ اجراء وغیرہ کے بغیر دوسرا ڈپلیکیٹ پاسپورٹ بنانے سے معذوری کا اظہار کیا اور کہا کہ اگرچہ آپ کے ویزے کے لئے آپ کا پاسپورٹ نمبر ہمارے کئی ایک ضخیم رجسٹروں میں سے کسی ایک میں درج ضرور ہوگا لیکن اس کی تلاش بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر یوسف ظفر نے یہ پیش کش کی کہ وہ خود ان رجسٹروں میں سے اپنا پاسپورٹ نمبر اور تاریخ اجراء ڈھونڈنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اجازت دے دی گئی۔ پہلے ہی رجسٹر میں جو صفحہ سامنے آیا اس پر سارے مطلوبہ کوائف مل گئے اور سفارت خانے کا عملہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتا رہ گیا۔ نیا پاسپورٹ بنا اور بقیہ ایام یوسف ظفر کو سرکاری عملے میں شامل کر کے روپے پیسے اور اخراجات کا مسئلہ حل کر دیا گیا تھا۔

حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد یوسف ظفر میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چنگاری جو اب تک دھیمی دھیمی سلگ رہی تھی، بھڑک اٹھی تھی۔ نعت کہتے تو جذبات کی عجیب کیفیت ہوتی اور نعت سنتے تو وجد میں آ جاتے اور آنسو تھمتے نہ تھے۔

Marfat.com

# مخمس بر مصرع خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

در مدح حضرت سید الاولیاء قطب الاقطاب والا جناب پیشوائے اہل توحید و تفرید
حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری نور اللہ مرقدہ
(از مولوی محرم علی صاحب چشتی لاہوری)

سگ دربار تو برق شہاں خواہد بود　　عاشق روئے تو جانان جہاں خواہد بود
روضہ پاک زبس رشک جناں خواہد بود　　سوئے ایں قبلہ رخ اہل زماں خواہد بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

وصف از خامہ ایں عاجز مسکین چہ شود　　خادمت مدح تو اے حضرت داتا چہ کند
یمن ایں مرقد پاک تو نہ حدے دارد　　برزمینے کہ نشان کف پائے تو کند
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

ہر قدر نور و تجلی کہ عیاں مے بینم　　مرقد پاک تو ایک مظہر آں مے بینم
بس کہ اوشانئے محراب جناں مے بینم　　برسرابروئے پاک تو نہان مے بینم
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

گفتہ پاک تو چوں زنگ ضلالت بزود　　قلب طالب تو سوئے سماہا بربود
بس کہ ایں ہر کرہ فقر بعالم بکشود!　　برسوئے نکتہ ایں کشف تو دانم زشہود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

Marfat.com

رخش مہرت شدہ آراستہ باساز و بہ زیں　　از سما رخ بکند گر بسوئے ملک زمین
برسر نقش دو نعلش چو ہلال ازرہ دین　　ماہ ہا خلق شود راکع و دیگر بہ یقین
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اے خوشا حال کسے آنکہ بفہمد خویش　　فرخ آنست کہ درخواب بہ بیند رویش
گر کسے زرہ یک ذرہ بیابد بوئیش　　نیک بینی کہ زہر طبقہ عالم سوئیش
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

قبلہ و کعبہ ما حضرت بابا فرید　　گفت چوں حضرت جیلاں بچمے زمرید
ہر کہ باصدق رہ خدمت داتا بدوید　　جانب یک سر پایش تو بخواہی ایں دید
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

نظم من گر بنود خوب بباشد ہمہ زشت　　کن تو مقبول پے حضرت مستان شہ چشت
چونکہ در مدح تو ایں چند سخن ہا بنوشت　　یاد ایں است سوئے خامہ چشتی بہشت
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

Marfat.com

# معجزہ کرامت، کشف المحجوب کی روشنی میں

﴿ڈاکٹر ظہور احمد اظہر﴾

ہمارا یہ موضوع جہاں نازک ہے وہاں بے حد اہم بھی ہے۔ نازک تو اس لئے ہے کہ اس موضوع کا صحیح فہم وادراک نزاکت فکر اور باریک بینی کا محتاج ہے اور اس کا تعلق عقائد اسلام کے ایک نہایت ہی پر پیچ اور تکنیکی پہلو سے ہے۔ رہی اہمیت تو وہ بھی عیاں راچہ بیاں کے مترادف ہے۔ اس کا تعلق دین حق کی اساسیات ومبادیات یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت اور رسالت اور پھر ان کی امتوں کے بزرگوں کی عظمت واحترام ہے۔ چنانچہ معجزات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرستادہ بندوں یعنی نبیوں اور رسولوں سے ہے جبکہ کرامات کا تعلق خدائے بزرگ وبرتر کے ان نیک بندوں سے ہے جو ان نبیوں اور رسولوں کی امتوں میں ہوتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں معجزات وکرامات کی بحث کے ضمن میں جہاں موضوع کی وسعتوں کو سمیٹا اور اس کی گہرائیوں کو اجاگر فرمایا ہے وہاں آپ نے بعض الفاظ کی تشریح و توضیح بھی کی ہے۔ یہ تمام حقائق جہاں معارف شریعت پر سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی گہری و وسیع نظر کی دلیل ہیں وہاں لغت عرب اور مصطلحات دین پر ان کے عبور کامل کا بھی ثبوت ہیں۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طریقت

تصوف کی اساس اور بنیاد ولایت کے اثبات پر موقوف ہے اس لئے تمام طریق صوفیہ اور مشائخ طریقت اس بات پر متفق ہیں البتہ بعض فروعی مسائل اور توضیحات میں اختلاف رائے موجود ہے (۱) لفظ ولایت کے لغوی معنی اور اس کا اصطلاحی مفہوم بھی چونکہ اہم اور ضروری تھا اس لئے آپ نے اس پر توجہ دینا بھی لازمی تصور فرمایا لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دور عربی لغت نویسی کا ابتدائی دور تھا۔ عربی زبان وادب کی دنیا ابھی تک خلیل ابن احمد کی کتاب العین اور ابن درید کی کتاب الجمہرۃ فی اللغۃ کی بھول۔ بھلیوں سے پوری طرح نکل نہیں پائی تھی اور اسماعیل الجوہری کی تاج اللغۃ صحاح العربیۃ (جو عام طور پر الصحاح للجوہری کے نام سے مشہور ہے) ابھی تک پوری طرح رواج نہ پا سکی تھی۔ (۲) مگر بایں ہمہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں جب عربی زبان کے بعض الفاظ کی لغوی بحث شروع کرتے ہیں تو آگاہی رکھنے والے اہل علم وفضل یہ یقین حاصل کئے بغیر نہیں رہتے کہ سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ پر بلاشبہ سیّد العرب بھی ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی زبان کے نشیب وفراز سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔ ولایت کے علاوہ ولی، نبی ونبوت، رسول اور رسالت اور معجزہ کرامت جیسے متعدد عربی الفاظ کا تذکرہ اور تشریح کشف المحجوب میں ملتی ہے۔ (۳) فرماتے ہیں کہ ولایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) اس تصرف واختیار کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ شانہ، کو زیبا ہے جبکہ لفظ ولایت (واؤ کی زیر یعنی کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں) امارت واقتدار، تاہم یہ دونوں (یعنی لفظ ولایت واؤ مفتوح اور مکسور کے ساتھ) صیغہ ولیت (مجھے والی یا ولی بنایا گیا) کے مصدر ہیں۔ (۴) بعد کے لغت نویس مثلاً علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس، ابن منظور صاحب لسان العرب اور ابوبکر زبیدی صاحب تاج العروس وغیرہ نے اس لفظ کی تشریح وتوضیح میں یہی باتیں لکھی ہیں اور صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ ولایت مفتح واؤ ہو تو اس کے معنی نصرت، امداد، نسب اور قرابت کے ہوتے ہیں، دوستی اور محبت کے معنی بھی لئے جاتے ہیں لیکن جب ولایت مکسر واؤ ہو تو اس کے

Marfat.com

معنی ہیں امارت (یعنی امیر وحاکم بننا) اقتدار وحکومت، سرپرستی، ولی کا لفظ ولایت مفتح واؤ سے مشتق ہے جبکہ والی کا لفظ ولایت مکسر واؤ سے نکلا ہے۔ ولی کی جمع اولیاء اور والی کی جمع ولات آتی ہے۔

(۵) سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول دلچسپ مطالعہ کی دعوت دیتا ہے:

''وچوں چنیں بود باید کہ دولغت بود چوں دلالت ودلالت ونیز ولایت ربوبیت بود

''یعنی جب بات یوں ہوتو پھر ہونا یہ چاہیے کہ یہ دو الگ الگ لفظ ہوں اور ولایت کے ایک معنی ربوبیت (یعنی رب ہونا، پروردگار ہونا) بھی ہیں۔''

(۶) یہاں تین دلچسپ باتیں سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل لغات ومعاجم کا عمومی انداز اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو ایک غیر معروف اور نامانوس لفظ کے تلفظ کی وضاحت کے لئے معروف اور مانوس لفظ کا سہارا لیا کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی عہد کے عربی و فارسی کے اہل وعلم وفضل لفظ دلالت کے دونوں قسم کے تلفظ سے پوری طرح مانوس تھے اور انہیں معلوم تھا کہ جس طرح دلالت (مفتح دال) بمعنی ارشاد ورہنمائی کرنا، کسی لفظ کا ایک خاص معنی یا مفہوم دینا اور دلالت (بکسر دال) بمعنی دلالی کرنا یا رہنمائی کی اجرت لینا ان کے ہاں عام مستعمل و مروج تھے۔ اسی طرح لفظ ولایت بھی واؤ کی زبر اور زیر کے ساتھ الگ الگ معنی ومفہوم رکھتا ہے اور تلفظ میں بھی دلالت کی طرح کا فرق ولایت میں بھی موجود ہے۔ یہ انداز صرف وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جو لغت عرب کا ماہر ہو اور لفظ ومعنی کے تمام نشیب وفراز جانتا ہو۔

دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ مثال کے لئے سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ دلالت کے علاوہ کوئی اور لفظ بھی منتخب کرسکتے تھے مثلاً صناعت یا تجارت لیکن آپ نے ولایت کا ہم پلہ لفظ چنا کیونکہ ولایت اور دلالت میں کامل مشابہت نظر آتی ہے، صرف لام اور ریاء کا فرق ہے۔ اس تجانس لفظی وحرفی کو صرف اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں [illegible]بی اور فارسی

Marfat.com

کے خطی نسخوں میں تصحیف وتحریف کے مناظر سے آگاہ ہوں۔

تیسری دلچسپی کی بات یہ ہے کہ ولایت اور دلالت دونوں لفظوں کے دو الگ الگ تلفظ بھی ہیں اور معنی بھی مگر تلفظ اور معنی کا یہ اختلاف اپنے اندر ایسی مقاربت ومجانست بھی رکھتا ہے کہ یہ اختلاف دراصل اتفاق ہی کی ایک فروعی شکل بن جاتی ہے۔

لفظ ولی کی جو تشریح وتوضیح سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں بے حد دلچسپ اور دعوت فکر کا درجہ رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں۔(۷) اما ولی روا باشد کہ فعیل بود بمعنی مفعول چنانکہ خداوند تعالیٰ گفت ''وھو یتولی الصالحین'' کہ خدائے تعالیٰ بندہ خودرا بافعال واوصافوی نگذاردواندرکنف حفظ کویش بدار دو روا باشد کی نعیل بمعنی فعیل باشد۔ بمعنی مبالغت اندر فاصل کہ بندہ تولی بطاعت وی کندواز غیروی اعراض کند۔ ایں یکی مرید باشد وآں دیگری مراد وایں جملہ معانی از حق یا بندہ واز بندہ بحق روا بود واز آنچہ روا باشد کہ خدائے تعالیٰ ناصر دوستان خود باشد از آنچہ وعدہ کرد خداوند مرادوستان خود را از صحابہ پیغمبرو گفت ''الاان نصر اللہ قریب'' ف ونیز گفت ''وان الکافرین لا مولیٰ لھم'' ای لا ناصر لھم چوں کفار ا ناصر نبود لا محالہ مومناں را ناصر بود یعنی جہاں تک لفظ ولی کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ صفت مشبہہ فعیل کے وزن پر ہو اور مفعول کے معنی دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ صالح لوگوں کا سرپرست ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ اپنے بندے کو اس کے اپنے افعال واوصاف کے سپرد نہیں کر چھوڑتا بلکہ اپنے سایہ عاطفت میں محفوظ رکھتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں (ولی) فعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ہو یعنی بندہ اپنے رب کی اطاعت سے اس کا دوست اور محبوب ہو جائے اور غیر اللہ سے اعراض کرے۔ یہ ایک یعنی بندہ تو مرید بن جائے اور وہ دوسرا یعنی رب مراد ٹھہرے۔ یہ تمام باتیں بندے کو حق تعالیٰ سے میسر آجائیں اور بندے سے حق تعالیٰ کے لئے بھی جائز ٹھہریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا ناصر ومددگار رہتا ہے جیسا کہ اس نے اصحاب پیغمبرؐ میں سے اپنے دوستوں سے یہ وعدہ فرمایا کہ آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد

Marfat.com

قریب ہے اور اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کافروں کا تو کوئی مولی و مددگار نہیں ہے یعنی ان کا حامی و ناصر کوئی نہیں تو جب کفار کا ناصر و مددگار نہیں تو لامحالہ مومنوں کا ناصر و مددگار ہوگا۔

عرب اہل لغت نے بھی ولی کے معنی ناصر، نصیر (یعنی مددگار)، تابع اور فرماں بردار، دوست اور محبت (صدیق ومحب) کرنے والا بتائے ہیں۔(۸) اولیاء اللہ میں بھی یہ تمام اوصاف و معانی جھلکتے نظر آتے ہیں، نسفی نے ولی اور اس کی کرامات کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''وکرامات اولیاء حق واولولی ھو العارف باللّٰہ تعالٰی وصفاتہ بحسب مایمکن ''یعنی اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں اور ولی وہ ہستی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا جیسے بھی ممکن ہو علم و معرفت رکھتا ہو۔ ولی کی دوسری صفت یہ لکھتے ہیں کہ ''المواظب علی الطاۃ'' یعنی وہ اطاعت الٰہی پر ہمیشہ کاربند رہنے والا ہوتا ہے۔ تیسری صفت ''المجتنب عن المعاصی ''یعنی گناہوں اور نافرمانیوں سے اجتناب کرنے والا ہوتا ہے اور چوتھی صفت المعرض الانھماک فی اللذات والشھوات یعنی وہ لذات اور شہوات میں انہاک سے اعراض کرنے والا ہوتا ہے۔(۹) یوں گویا ولی اللہ کے چار اوصاف قرار پائے جو عقائد اہل سنت میں شامل ہیں یعنی معرفت حق، اطاعت الٰہی، اجتناب معاصی اور لذات دنیا اور شہوات نفسانی میں انہاک سے اعراض گویا ترک لذات و شہوات مقصود نہیں بلکہ انہاک سے اعراض کافی ہے۔

(۱۰) سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے خصائص و امتیازات کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے پیارے بندوں کی نصرت و معاونت فرماتے ہوئے ان کی عقول کو اس قابل بنا دے کہ ان کے دل آیات ربانی سے استدلال اور ان کے معانی بیان کرنے کے سرچشمے بن جائیں اور وہ دلائل و براہین سے اسرار و رموز کو کھولنے کے قابل ہو جائیں۔ وہ انہیں یہ صلاحیت بخش سکتا ہے کہ وہ ہوا و ہوس اور شیطان کی مخالفت کرنے اور اوامر و نواہی کی پیروی و اطاعت کرنے پر ہمیشہ مائل رہیں

Marfat.com

اور وہ "تحبھم و یحبون" یعنی وہ اللہ سے اور وہ ان سے محبت کریں۔ حب الٰہی، اطاعت حق، تقویٰ وزہد سے اللہ تعالیٰ کے محبوب قرار پاجائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حقیقی مصداق بن جائیں "کہ ایک ایسے پراگندہ بالوں والے غبار آلود گودڑی پوش نظر آئیں گے جن کی کوئی پروا بھی نہ کرتا ہوگا مگر وہ اللہ رب العزت کے ایسے برگزیدہ ہوتے ہیں کہ اگر وہ اپنے رب کو قسم دے کر کچھ مانگیں تو حق تعالیٰ شانہ ان کی اس قسم کی یقیناً لاج رکھیں گے۔"

(۱۱) اثبات ولایت اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قسم کے بارے میں وضاحت کے بعد جو آپ نے مصر کے دریائے نیل کو دی تھی "اگر تو اپنی مرضی سے رواں ہے تو خیر لیکن اگر تو حکم ربانی سے بہتا ہے تو پھر عمر تجھے حکم دیتا ہے کہ رواں ہو جا" اور اللہ تعالیٰ کے اس ولی مخلص کی قسم پوری ہوئی۔ دریائے نیل رواں ہوگیا۔ سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ قرآن وحدیث اور بزرگان سلف کے ارشادات کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ اولیاء اللہ اپنے رب کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جو بلاخوف وحزن اطاعت احکام الٰہی پر کاربند رہتے ہوئے مظہر کرامات بنتے ہیں جو دراصل رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی برکت اور آپ کے معجزات کا تسلسل ہے۔ یہ گروہ اولیاء ازل سے ابد تک مسلسل ہے بقول داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پیش از ما بودہ اند اندر قرون ماضیہ واکنوں هستند واز پس ایں تا یوم القیامہ خواهند بود: یعنی گروہ اولیاء اللہ: ہم سے پہلے کے زمانوں میں بھی تھے، آج بھی ہیں اور اس کے بعد قیامت تک رہیں گے۔ (۱۲) اس گروہ کے موجود ہونے کی حکمت سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جس طرح علمائے امت کا وجود شریعت محمدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نقلی وعقلی دلائل کا سرچشمہ ہے اسی طرح اولیائے امت کا وجود عینی دلائل وبراہیم کا وسیلہ ہیں اس لئے کوئی گوشہ اور کوئی لمحہ ان بزرگان حق سے خالی نہیں ہوسکتا۔

(۱۳) حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر گوشہ و ہر لمحہ بلا

Marfat.com

اقطاع امت اسلامیہ میں موجود رہنے والے بندگان حق اولیاء اللہ میں سے چار ہزار تو پوشیدہ رہتے ہیں جو کبھی ظاہر نہیں ہوتے مگر ان کا سلسلہ برکات برابر جاری وساری رہتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں اخبار وآثار بھی وارد ہوتے ہیں۔ اولیائے کرام کے اقوال وگفتار بھی گواہ ہیں اور مجھے خود بھی اس سلسلے میں مشاہدہ عینی میسر ہے۔ (۱۴) اولیاء اللہ کا وہ گروہ ہے جسے بارگاہ ایزدی میں حلِ عُقد اور سرداری کا منصب حاصل ہے اور جو اخیار کہلاتے ہیں ان کی تعداد تین سو ہوتی ہے۔ اس کے بعد ابدال کا مرتبہ ہے جن کی تعداد چالیس ہوتی ہے۔ پھر ابرار کا مقام ہے جو سات ہوتے ہیں۔ پھر چار اوتاد ہوتے ہیں پھر تین کا درجہ نقباء کا ہے اور اس کے بعد ولایت کا بلند ترین درجہ ہے جو ایک وقت میں صرف ایک ہوتا ہے اسے قطب اور غوث کہتے ہیں۔

(۱۵) کشف المحجوب کا موضوع چونکہ تصوف وطریقت ہے اس لئے اس میں نبی ورسول یا رسالت اور نبوت سے مفصل بحث نہیں کی گئی کیونکہ یہ علم العقائد والکلام کا مسئلہ ہے۔ تاہم معجزہ کرامت کے حوالے سے ضمنی تذکرہ ہوا ہے۔ معجزات کا تعلق رسل وانبیاء سے ہے جبکہ کرامات کا تعلق رسل وانبیاء کی امتوں کے بندگان حق یعنی اولیاء اللہ سے ہے۔ نبی کے لفظی معنی ہیں خبر دینے والا، اصطلاح شریعت وعقائد میں نبی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خبر دے۔ (۱۶) اور رسول وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ شریعت دے کر بھیجے، وہ اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔ (۱۷) نسفی نے تو عقائد میں نبی اور رسول میں فرق نہیں کیا۔ (۱۸) مگر دیگر آئمہ علم الکلام میں سے بعض نے کہا ہے کہ نبی کے لئے شریعت لانا ضروری نہیں مگر رسول وہ ہے جو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہو۔ (۱۹) تاہم قرآنی آیات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ نبی اور رسول میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں دونوں لفظ تقریبا ہم پلہ وہم معنی ہیں۔

(۲۰) سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی اور ولی میں کوئی مشابہت نہیں۔ (۲۱) کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے اور اس کی عصمت کا تحفظ قدرت ربانی کرتی ہے جبکہ ولی معصوم

Marfat.com

نہیں ہوتا اور نہ اس کی عصمت کا تحفظ ہوتا ہے۔(۲۲) آپ فرماتے ہیں۔''معجزات نبیوں کے ساتھ مختص ہیں اور کرامات اولیاء کے لئے ہیں۔'' نبی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور معجزہ اس دعوے کا ثبوت وتائید ہوتا ہے جبکہ ولی دعویٰ کرتا ہے اور نہ اپنے دعویٰ کی تائید میں کرامات لاتا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی کہ ولی کی کرامت بھی دراصل اس نبی کی نبوت کا اثبات وتائید ہوتی ہے جس نبی کا وہ امتی ہوتا ہے، چنانچہ سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔(۲۳)''کرامات ولی موافق اثبات حجت نبی باشد، ہیچ شبہت نیفتد میان کرامات ومعجزات زیراکہ''ولی کی کرامت نبی کی حجت کے اثبات کے لئے ہوتی ہے اس لئے کرامات ومعجزات کے درمیان کوئی مشابہت نہیں کیونکہ نبی اپنے معجزے سے اپنی نبوت کا اثبات وتائید کرتا ہے جبکہ ولی بھی اپنی کرامت سے اپنے نبی کی نبوت کا ہی اثبات وتائید کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنی ولایت بھی ثابت کرتا ہے سو یہ ولی صادق اپنی ولایت میں وہی بات کہتا ہے جو نبی صادق اپنی نبوت کے ضمن میں کہتا ہے۔ یوں ولی کی کرامت دراصل عین معجزہ نبی ہے، اہل ایمان کے لئے ولی امت کی کرامت کا مشاہدہ دراصل عین معجزہ نبی ہے، اہل ایمان کے لئے ولی امت کی کرامت کا مشاہدہ اپنے نبی کی نبوت پر یقین میں اضافے کا باعث ہوتا ہے نہ کہ اس سے کوئی مشابہت کی صورت پیدا ہوتی ہے دونوں کے دعوے میں کوئی ایسا تضاد نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کی نفی کا باعث ہو بلکہ ایک کا دعویٰ دوسرے کی عین تائید و برہان کا باعث ہوتا ہے۔''

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بجا طور پر فرماتے ہیں کہ معجزہ کرامت ناقص عادت یا خارق عادت ہوتے ہیں اس لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ عادت کیا ہوتی ہے اور خوارق عادت کیا ہوتے ہیں۔ عادت سے مراد یہاں سنت اللہ یا عادت الٰہیہ ہے جسے قانون فطرت بھی کہتے ہیں، چنانچہ علماء کے عقائد کہتے ہیں۔(۲۴) ہر وہ فعل جو مانع قدرت سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے بتکرار صادر ہو وہ عادت کی طرف منسوب ہے پھر اگر کوئی فعل اس عادت کے برعکس ظاہر ہو جائے تو اسے خارق عادت (یعنی عادت وقانون

فطرت کو توڑنے والا) کہتے ہیں۔

علمائے علم العقائد الکلام نے خوارق عادت کی سات قسمیں بیان کی ہیں۔ ان میں پہلی قسم معجزہ ہے۔ امام نسفی کے الفاظ میں معجزہ کی تعریف یہ ہے۔ (۲۵) ''اللہ تعالیٰ نے ان ''انبیائے کرام کی'' ایسے معجزات سے تائید فرمائی جو عادات کو توڑنے والے تھے اور معجزات سے مراد ایسا امر ہے جو مدعیٔ نبوت کے ہاتھ پر عادت کے خلاف ظاہر ہوتا ہے جبکہ منکرین اس کی نبوت کو چیلنج کرتے ہیں اور اس خارق عادت معجزہ کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ منکرین اس کی مثال لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔''

خوارق کی دوسری قسم کرامت ہے، امام نسفی کے الفاظ میں ولی کی کرامت کی تعریف یہ ہے کہ ولی سے ایسے امر کا ظاہر ہونا کہ جو خارق عادت ہو مگر دعویٰ نبوت کے ساتھ مشروط اور متصل نہ ہو۔ (۲۶) خوارق عادت میں سے تیسری قسم معونت کہلاتی ہے جس کا ظہور ایسے عام مومنین کے ہاتھ پر ہوتا ہے جو فاسق وفاجر نہ ہوں، چوتھی قسم کو ارھاص کہتے ہیں جو نبوت ملنے سے قبل نبی کو پیش آئے۔ پانچویں قسم استدارج ہے جو کسی کافر وفاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے مگر یہ تدریجاً اسے بالآخر جہنم ہی میں لے جائے گی۔ چھٹی قسم اہانت ہے جو کافر وفاسق کی مطلب براری کے خلاف پیش آئے جیسے مسیلمہ کذاب نے ایک کانے کی آنکھ کو چھوا تو وہ اندھا ہو گیا اور کہیں پانی کو میٹھا کرنے کے دعوے سے کلی کر کے پانی پھینکا تو وہ میٹھا ہونے کے بجائے کھاری ہو گیا اور ساتویں قسم سحر ہے مگر بعض علماء نے اسے خوارق میں شمار کرنے سے انکار کیا ہے۔

(۲۷) حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی کے ہاتھ پر کرامت کا ظہور جائز ہے۔ اہل سنت وجماعت اس کے جواز پر متفق ہیں یہ نہ تو عقلاً محال ہے اور نہ یہ اصول شریعت سے کسی اصل کے خلاف ہے۔ (۲۸) یہ دراصل قدرت ربانی کے ظہور کا ایک کرشمہ ہے۔ کرامت ولی کے سچا ہونے کی بھی علامت ہے کیونکہ کاذب کے ہاتھ پر کرامت کا ظہور نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

(۲۹) معجزہ اور کرامت کا بنیادی فرق یہ ہے کہ معجزہ کی شرط یہ ہے کہ اس کا برملا اظہار اور اعلان ہو جبکہ کرامت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا اظہار و اعلان نہ ہو بلکہ کسمان و اخفاء لازم ہے۔ اسی طرح ایک فرق یہ ہے کہ معجزہ کا ثمرہ دوسروں تک پہنچتا ہے جبکہ کرامت کا ثمرہ صرف صاحب کرامت تک محدود رہتا ہے۔ پھر صاحب معجزہ یعنی نبی یہ قطعی اعلان کرتا ہے کہ یہ اس کے دعوے کی تصدیق کے لئے ہے جبکہ ولی یعنی صاحب کرامت کے لئے قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں ہوتا۔ (۳۰) صاحب معجزات یعنی نبی شریعت میں تصرف کا حق رکھتا ہے کسی شی کی نفی یا اثبات کے ضمن میں احکام خداوندی کا اعلان کرتا ہے اور اوامر و نواہی کے نفاذ کا اختیار رکھتا ہے لیکن صاحب کرامت یعنی ولی کے پاس بجز تسلیم و قبول کوئی اختیار یا تصرف کا حق نہیں ہوتا، اسی لئے ولی کی کرامت نبی کی شریعت کے کسی حکم کے منافی نہیں ہوسکتی۔ (۳۱) کرامت اگر صاحب معجزہ یعنی پیغمبر کی تصدیق نہ کرے تو وہ کرامت ہی نہیں۔ کرامت چونکہ دراصل پیغمبرؐ کا غیر معمولی معجزہ ہوتا ہے اس لئے کرامت اگر کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہو جو اطاعت گزار اور صاحب ایمان نہ ہو تو وہ کرامت ہی نہیں۔ (۳۲) بزرگ صوفیان عظام کے نزدیک ولایت کے لئے اطاعت چونکہ دائمی شرط ہے اس لئے کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ولایت چھن جاتی ہے تاہم گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے محروم نہیں ہوتا۔

(۳۳) معجزہ اور کرامت کا ظہور کسی عالم یا کسی کیفیت میں ہوتا ہے؟ سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی نے چونکہ معارفین کو چیلنج کرنا ہوتا ہے اور ان سے معجزے کا جواب مانگنا ہوتا ہے لہذا نبی کا معجزہ ہر حال میں صرف حالت صحو یعنی عالم بیداری اور ہوش وحواس مکمل طور پر بحال رہنے کی صورت میں ہی ظاہر ہوگا لیکن ولی کی کرامت کا ظہور سکر و مستی کی صورت میں ہوتا ہے کشف المحجوب (۳۴) کا یہ اقتباس حقیقت حال کو بھی واضح کرتا ہے اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مقصد و مدعا کو بھی فرماتے ہیں:

''اس بات میں سب سے بڑی بات جو تجھے علم الیقین کے طور پر جان لینا ضروری

Marfat.com

ہے وہ یہ ہے کہ تجھے یہ معلوم ہوا کہ ولی کی کرامت کس حال میں ظاہر ہوتا ہے۔ حالت صحو میں یا کہ حالت سکر و مستی میں؟ غلبہ حالت کی شکل میں یا خود پر قدرت و تمکین کی حالت میں؟ صحو و سکر کی تشریح میں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب تصوف کے ضمن میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں، چنانچہ بایزید، ذوالنون مصری، محمد بن خفیف، حسین بن منصور اور یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی کی کرامت کا ظہور صرف حالت سکر میں ہوتا ہے اور جس کا ظہور حالت صحو میں ہوتا ہے وہ معجزات انبیاء علیہم السلام ہیں، گویا ان بزرگوں کے مسلک میں معجزہ اور کرامت کا یہ بڑا واضح فرق بھی ہے۔ یعنی ولی پر اس کی کرامت کا اظہار صرف حالت سکر میں ہوگا جبکہ اس پر غلبہ کی حالت طاری ہوگی اور اسے کرامت کے دعویٰ کی گنجائش ہی نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس نبی پر معجزہ کا اظہار عین حالت صحو میں ہوگا، تاکہ وہ تحدی و چیلنج کرے اور دنیا کو اپنے معجزات کے مقابلے کی دعوت دے، پھر صاحب معجزہ کو دونوں باتوں کا اختیار ہوتا ہے۔ یعنی چاہے تو اپنے معجزے کا اظہار کہیں بھی کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو کتمان و اخفاء کا طریقہ اختیار کر سکتا ہے مگر اولیاء کے لئے یہ اختیار نہیں ہوتا، وجہ یہ ہے کہ انہیں تو کرامت کے اظہار کا ہی اختیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ کبھی تو ایسے ہوتا ہے کہ وہ کرامت کا اظہار چاہتے ہیں مگر ہوتا نہیں اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ اظہار نہیں چاہتے مگر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ ولی داعی (دعوت دینے والا) تو ہوتا نہیں کہ اس کا حال بقاء کے اوصاف کا حامل ہو۔ وہ تو مکتوم و مستور (پوشیدہ) ہوتا ہے اور اس کا حال ہمیشہ صفت فنا کا حامل ہوتا ہے۔ یوں گویا نبی صاحب شریعت ہوتا ہے جبکہ ولی صاحب ستر و اخفاء ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ کرامت صرف دو حالتوں میں ہی ظاہر ہو جبکہ تمام تصرف فقط حق جل شانہ کے قبضہ قدرت میں ہو اور ولی یا تو حالت غیبت میں ہو اور یا اس پر دہشت و تحیر کی حالت چھائی ہوئی ہو ایسے حال میں ولی اللہ ہمہ تن دست قدرت میں ہو اور اس کا نطق و گویائی بھی تالیف حق جل شانہ کے تابع ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت بشریت کی صحت و کمال یا تو لاهی کو نصیب

Marfat.com

ہوتی ہے یا ساھی کو اور یا پھر مطلق الٰہی کو۔ سو انبیائے کرام نہ تو لاھی (حالت بے خبری وغیبت میں) ہوتے ہیں اور نہ ساہی (حالت دہشت وخود فراموشی) وہ تو صرف مطلقاً الٰہی ہوتے ہیں اور ان کے سوا کوئی بھی مطلق الٰہی نہیں ہوتا۔ ایسے میں تحقیق اور تمکین کے بغیر یک گونہ تردد اور تلون کی کیفیت رہتی ہے تاکہ جب تک پوری طرح حالت بشریت قائم رہے اپنے آپ میں رہتے ہیں اور حجاب کی کیفیت سے دوچار رہتے ہیں مگر جب حالت کشف میں ہوں تو مدہوش و متحیر ہو جائیں۔ الطاف حق کی حقیقت میں گم ہو جائیں۔ کرامت کا اظہار بھی حالت کشف کے سوا کسی حال میں درست نہیں کیوں کہ کرامت بھی قرب کا درجہ ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب ولی کے دل کے نزدیک پتھر اور سونا یکساں ہوتا ہے۔ یہ حالت وصفت عارضی طور پر پیدا ہو سکتی ہے جو سوائے حالت سکر و مستی کے اور کسی حال میں بھی غیر انبیاء کو میسر نہیں آتی، یہی عارضی حالت تھی جو حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رحمۃ اللہ علیہ پر عارضی طور پر طاری ہوئی تو ان کی نظر میں پتھر، مٹی، سونا اور چاندی سب برابر تھے مگر جب یہ عارضی حال زائل ہوا تو وہ کھجور کے باغ میں مشغول کار نظر آئے۔

Marfat.com

# سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام امن وسلامتی

﴿ڈاکٹر ظہور احمد اظہر﴾

سید ہجویر! آپ پر اللہ کی سلامتی اور بے پایاں رحمتیں ہوں کہ بتکدۂ ہند میں شجر اسلام کی آبیاری اور نور حق کی شمع ہدایت روشن کر کے آپ نے یہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے والوں پر برتری اور اہل طریقت پر سبقت حاصل کر لی ہے، خدمت خلق اور بندگان حق کو اللہ کی راہ پر ڈال کر اہل لاہور کے دلوں میں بسیرا کر چکے ہیں اور اسلام کے فکری وثقافتی مرکز شہر لاہور کو داتا کی نگری کا لقب دلوا کر امر ہو چکے ہیں۔ اس لیے میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں ہدیہ عقیدت اور سلام نیاز پیش کرتا ہوں۔

اے مرشد لاہور! آپ کی سبق آموز کتاب زندگی، پرتو اخلاق نبوی کی حامل آپ کی پاکیزہ سیرت، دلوں میں گھر کرنے والی آپ کی نصیحت آموز باتیں اور آپ کی زندہ جاوید تصنیف لطیف کشف المحجوب پر متقدمین ومتاخرین اہل علم ودانش تحقیق وتصنیف کا کام مدتوں سے سرانجام دے رہے ہیں اور تا قیامت دیتے رہیں گے۔ آپ کا تذکرہ اور آپ کی تعلیم دوہرائی بھی جائے گی اور اہل ایمان کے لیے قند مکرر کا کام دیتی رہے گی۔ اس لیے میں آج آپ کی سیرت وتعلیمات کے متعلق کچھ کہنے کی بجائے ایک ،اور جسارت کی اجازت چاہتا ہوں۔ میں تو آپ کی اس نگری کے لوگوں کے متعلق آپ کی روح پرفتوح سے فریاد کرنے لگا ہوں۔

پیر پنجاب! آپ پر اللہ رب العزت کی بے حساب رحمتیں، آپ کی برکات وفیوض

کا سلسلہ اپنی بڑھتی پھیلتی وسعتوں کے ساتھ ہمیشہ جاری وساری رہے۔ آپ جب بتکدہ ہند میں وارد ہوئے تھے تو سندھ وملتان میں محمد بن قاسم کی فتوحات کو قصہ ماضی بنے تین صدیاں بیت چکی تھیں۔ بغداد کے بے جان اور بے وقار عباسی خلیفے اپنے ہندی مقبوضات پر غلبہ واقتدار کیا رکھتے، وہ تو خود آل سلجوق اور آل بویہ کے غلبہ واقتدار کے اسیر تھے اور بغداد کی گلیوں میں گھومنے پھرنے اور اپنے جیل نما محل سے باہر قدم رکھنے کے لیے بھی اجازت کے محتاج تھے۔ ادھر سندھ وملتان میں ایک صدی تک قائم رہنے والے عرب مسلمانوں کے منصفانہ نظام حکومت اور تابعین وتبع تابعین کے پرکشش و بے مثال کردار سے متاثر ہوکر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ بھی قرامطہ کی چیرہ دستیوں کے باعث نڈھال ہو چکے تھے۔ جب کہ انہیں سلطان محمود غزنوی نے چوتھی صدی ہجری میں ان سے نجات دلائی۔

حضرت گنج بخش اسلام! عرض یہ کرنا ہے کہ اپنے مرشد کامل کے حکم سے دارالکفر ہندوستان کو نور خدا سے جگمگانے کے لیے لاہور میں وارد ہوئے تھے تو یہاں کفر و باطل کے اژدھے چاروں طرف پھنکارتے پھرتے تھے۔ بت شکن غزنوی کے سترہ حملوں کی مار دھاڑ نے فتح سومنات کے بعد اگرچہ مسلمانوں کی دھاک بٹھادی تھی اور ان کی سطوت وہیبت کے سامنے تمام بنیاد برہمن رام رام کرتے اور ان کے پاؤں میں اپنی چٹیا رگڑتے پھرتے تھے لیکن ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف غیظ وغضب کے لاوے ابل رہے تھے اور اسلام سے نفرت کے الاؤ آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ایسے میں اس سرزمین کفر میں قدم رکھنا اور تبلیغ اسلام کا بیڑہ اٹھانا آپ جیسے مرد حق آگاہ ہی کی ہمت اور عزیمت کا کام ہوسکتا تھا جس کا ایمان پہاڑ سے زیادہ محکم، عزم ویقین فولاد سے زیادہ پختہ، جس کی زبان کی شیرینی جنت کے پاکیزہ شہد جیسی اور نگاہ کی تاثیر پرتوِ نبوت کی تصویر تھی۔ یہ آپ کی ہی سحرِ حلالی کی آئینہ دار سیرت وشخصیت تھی جس نے قلعہ کفرستان میں شگاف ڈالے اور آپ کی صدائے دلنواز پر لبیک کہتے ہوئے بندگان خدا جوق در

Marfat.com

جوق اور فوج در فوج حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے۔ آپ کے اسی کردار نے تو اقبال جیسے فرزند اسلام سے یہ کہلوایا کہ:

پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

اے کاملوں کے پیر کامل! غزنی سے نکل کر سنگلاخ گزرگاہوں پر چلتے اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے جب آپ لاہور کو فتح کرنے کے لیے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ تو آپ کے ہمراہ کوئی فوج اور کوئی اسلحہ تو نہ تھا کیونکہ یہ فوج اور اسلحہ تو اس خطے کو پہلے دوبار فتح کر چکا تھا مگر ہر فتح نقش برآب ثابت ہو رہی تھی۔ محمد بن قاسم اور غزنوی کی فتوحات تو کفر کے پھنکارتے ہوئے اژدھے اور غضب و نفرت کے الاؤ ہی چھوڑ گئیں مگر اب اس فتح کی ضرورت تھی جو دائمی اور پائیدار ہو جس میں محبت فاتح عالم اور رحمۃ اللعالمین کا اسلحہ استعمال ہو جس نے ہجرت کے وقت یثرب ہی نہیں، اہل یثرب کے دل بھی فتح کر لیے اور جس نے فتح مکہ کے موقع پر اپنی چادر رحمت کے نیچے سب کو پناہ دے دی تھی۔ اب کے وہ اسلحہ درکار تھا جس نے سیرت و کردار سے دلوں کو مسخر کرنا تھا اور غیظ و غضب اور نفرت کے پھنکارتے ہوئے اژدھوں کو رام کرنا تھا، اب کے شجر اسلام کی یوں آبیاری ہونا تھی جس کا اقبال نے تذکرہ کیا ہے کہ:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
بندھائے کوہسار آساں گیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت!

مگر اے مخدومؒ! آپ کی اس نگری میں غیظ و غضب کے پھنکارتے ہوئے اژدھے

Marfat.com

تو آج بھی دندناتے پھر رہے ہیں۔ حسد اور نفرت کے الاؤ تو آج بھی یہاں آسمان کو چھو رہے ہیں۔ اب یہ الاؤ کون ٹھنڈے کرے گا، اور ان اژدھوں کو کون رام کرے گا۔ داتا تیری اس نگری کو آج پھر تیری ضرورت ہے!

فاتح لاہور! فریاد ہے کہ یہ لاہور پھیلتا، بل کھاتا اور بپھرتا ہوا اژدھا بنتا جا رہا ہے۔ جھونپڑیاں تو محلوں میں تبدیل ہو رہی ہیں، مگر ان میں رہنے والے ایسے خوفناک درندے بنتے جا رہے ہیں جو اپنے بھائیوں کا گلا کاٹنے اور ان کا خون پینے میں لگے ہوئے ہیں۔ عجیب درندے ہیں، اپنے ہی ابنائے جنس کا گلا کاٹتے اور ان کا خون پیتے ہیں! یہ درندے اب اس سرزمین کے تمام شہروں میں پھیلنے کو ہیں جسے تو نے فتح کیا تھا۔ جہاں آپ کے بھائی اور پیروکار حضرت گنج شکر، حضرت بہاؤ الدین زکریا، حضرت لعل سرمست، حضرت شہباز قلندر اور حضرت بھٹ شاہ رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے اپنے وقت میں آپ کا سا کام کر گئے مگر یہ درندے اور یہ اژدھے اس پاک سرزمین کے پرامن شہریوں کو برباد کرنے اور ان کا امن تہ و بالا کرنے کی فکر میں ہیں۔ کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر پا رہی۔ کوئی اسلحہ انہیں روک نہیں رہا۔ انہیں روکنے کے لیے اسی طاقت کی ضرورت ہے جو آپ کے پاس تھی، انہیں اسی اسلحہ سے ہی زیر کیا جا سکتا ہے جو آپ کے پاس تھا۔ انہیں زیر کرنے اور روکنے کے لئے آج پھر وہی محبت فاتح عالم اور رحمۃ اللعالمینؐ درکار ہے جس کے آپ علمبردار تھے۔

میرے داتا! یہ درندے، یہ اژدھے، ظلم کے ستائے ہوئے انسان ہیں جنہیں پھر وہی عدل و انصاف درکار ہے جو رحمۃ اللعالمین! کی چادر رحمت میں تھا۔ یہ لوگ اسی محبت فاتح عالم کے طلب گار ہیں جسے آپ اپنے ساتھ لائے تھے۔ داتا! تیری نگری آج پھر تجھے پکارتی ہے!

اے نور اسلام کے علمبردار! آپ نے کشف المحجوب میں اپنے ایک بزرگ کی نصیحت کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں تلقین کی گئی ہے کہ اپنے دل کو خدا کی طرف سے ہٹا کر

Marfat.com

ہوا س و ہوس میں مشغول و منہمک انسانوں کی حاجت روائی میں مت لگانا، مگر کیا کیا جائے کہ آج آپ کی اسی نگری میں انسانوں کے دل اپنے خالق و مالک سے تو منہ موڑ چکے ہیں اور ہوس پرستوں کی خواہشات اور نفس پرستوں کی خودغرضی کی تسکین کے لیے وقف ہو چکے ہیں۔ دنیا کے طلب گار سفارشوں کے طومار اٹھائے پھرتے ہیں ہر کوئی سفارش کی تلاش میں پاگل ہوا پھرتا ہے۔ ہر ایک کو گو ہر مقصود دنیائے دوں کی طلب ہے۔ سب کے سب مادہ پرستی کے بحر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ سرمایہ پرستی اور مادہ پرستی کا یہ سفینہ کبھی غرق ہوگا تو اس پر یہ سوار ہونے والے بھی دوسروں کے لیے مرقع عبرت بنیں گے۔

اے بندگان حق کو اسلام سے سرفراز فرمانے والے داتا! آپ نے جب یہاں کے لوگوں کو نماز سکھائی تو ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ جان لو کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جو ابتداء سے انتہا تک مریدین کو راہ حق کے مراحل دکھاتی ہے اور ان کے مقامات کا انکشاف کرتی جاتی ہے، چنانچہ طہارت کو مریدین کے لیے توبہ کی حیثیت حاصل ہے، روحیلہ ہونا مرشد پکڑنے کے مترادف ہے۔ قیام بجائے مجاہدہ نفس ہے، قرآت ذکر دوامی کی جگہ ہے، رکوع بجائے تواضع ہے، سجدہ معرفت نفس کے مترادف ہے۔ تشہد بجائے مقام انس اور سلام پھیرنا گوشہ گیری اور بند مقامات سے باہر آنے کے مترادف ہے! حضرت آپ نے تو نمازیوں کو تعلیم فرمائی مگر لوگوں نے تو نماز کو ایک رسم بنالیا ہے۔ ان کے نزدیک نماز اچھا انسان اور نیک مسلمان بننے کا وسیلہ نہیں رہی، بلکہ ایک ایسا مقصد قرار پائی ہے جو مصلے سے شروع ہو کر مصلے ہی پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ چھوٹی بڑی برائی سے بچنے کا ذریعہ نہیں رہی، بلکہ چھوٹی بڑی برائیاں چھپانے کا ذریعہ قرار پا گئی ہے۔ داتا! آپ کی نگری کے یہ لوگ آپ کا طریقہ نماز اب کس سے سیکھیں اور کیسے سیکھیں؟

اے کاملوں کے رہنما! آپ نے تو فرمایا ہے کہ بندگان خدا کے لیے صرف خدا کافی ہے مگر اس کا کیا علاج کہ خداشناسی کے دعویدار ہی خدا سے بیگانہ نظر آتے ہیں، تیری نگری میں تو اب صرف بندوں کے ہر عمل پر نظر رکھنے اور ان پر نکتہ چینی کرنے والے ٹھیکیدار ہی رہ گئے ہیں یا

Marfat.com

صرف بندوں ہی کی حاجت روا سمجھنے والے دنیادار رہ گئے ہیں! فریاد ہے داتا فریاد!

اے خاک پنجاب کو زندگی دینے والے! آپ نے تو غار حرا سے پھوٹنے والی علم کی روشنی، جس کا نقطہ آغاز اقراء تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کشف المحجوب کا پہلا باب ہی اثبات علم کے لیے مختص فرمایا ہے اور علم کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کیا ہے کہ ''المتعبد بلا فقہ کالحمار فی الطاحونہ'' یعنی جاہل عبادت گزار تو ایسا گدھا ہے جو چکی پیستا رہتا ہے مگر آج غار حرا سے اتر کر نسخہ کیمیا کے ساتھ قوم کے پاس آنے والے کی امت کی اکثریت علم سے بے بہرہ کیوں ہے؟ داتا! آپ کی اس نگری کی اکثریت جاہل کیوں ہے؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ جہالت میں ڈوبی ہوئی اس قوم کی بے حسی سے فریاد ہے داتا فریاد!

اے تصوف اسلام کے امام! آپ نے تو کشف المحجوب میں ارشاد فرمایا کہ! پس فرائض علم چندانست کہ بداں عمل درست باشد کہ حق تعالیٰ بداں ذم کرد کسانی را کہ علوم بے منفعت آموزند، قولہ، عز وجل:

**ویعلمون مایضرھم ولا ینفعھم** (القرآن:۲:۱۰۲)

رسولؐ اللہ زینہار خواست وگفت ''اعوذبك من علم لا ینفع ـ'' کہ علم وہ درکار ہے جس سے عمل درست ہو، کیونکہ نقصان پہنچانے والے علم کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے کہ وہ لوگ ہاروت ماروت سے وہ علم سیکھتے جو انہیں نفع دینے کے بجائے نقصان دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہی دعا مانگی اور فرمایا:

''اے اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے'' مگر آج تیری اس نگری میں بوٹی مافیا نے تو علم کو عذاب بنا دیا ہے۔ کہتے تھے کہ علم وہ دولت ہے جسے چور چرا نہیں سکتے، لیکن اب تو علم بھی چرایا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ علم تو چور اور ڈاکو پیدا کر رہا ہے۔

حضرت داتا! آپ نے کشف المحجوب میں شکایت کے انداز میں فرمایا ہے کہ میں دیار ہند میں لاہور کے شہر کے اندر ناہم جنسوں میں گرفتار ہوں! مگر ذرا دیکھئے تو سہی کہ

Marfat.com

لاہور بندگان حق کیسے کیسے ناہم جنسوں کے نرغے میں گرفتار ہیں، آپ نے تو اپنے عہد کے ان ناہم جنس پھنکارتے ہوئے اژدہوں اور نفرت میں نڈھال لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام فرما کر ان کی زندگی کی راہیں اور مقدر بھی بدل ڈالے تھے، مگر ہمیں بتایئے کہ ہم اپنے عہد کے ان ناہم جنسوں کا کیا کریں جو اندرون ملک دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور بھارت کے طول وعرض میں بنیاد برہمن کے اندھے تعصب اور نفرت کی شکل میں ویسے ہی اژدھے بنے پھرتے ہیں، جیسے آپ کے عہد میں موجود تھے۔

اے لاہوریوں کے پیر کامل! آپ کی روح پُرفتوح سے میری فریاد تو محض روحانی کیف وسرور اور تخاطب وتکلم کی شیرینی کے لیے تھی، مگر آپ تو اپنی تعلیمات میں بہت کچھ بتا چکے ہیں، غفلت شعاری اور کوتاہی تو ہمارا شیوہ ہے۔ اپنے دین سے غافل بھلا آپ کے فیض سے کیوں نہ محروم ہوتے۔ آپ نے تو شہر مرو کے ایک مسلم نوجوان کو جو مشورہ دیا تھا، جسے ایک طاقتور اور خوفناک دشمن کا سامنا تھا اور جسے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لفظوں میں نظم کر دیا ہے۔ وہ ہمارے سوال کا جواب ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ طاقتور دشمن تمہیں جھنجھوڑنے، قوتوں کو بیدار رکھنے اور غفلت سے بچنے کیلئے ایک نسخہ کیمیا ہے، اسے غنیمت جانو۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

گفت اے نا محرم از راز حیات
غافل از انجام و آغاز حیات
فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدہ بیدار شو
راست می گویم عدوہم یارتست
ہستی او رونق بازار تست
ہر کہ دانائے مقامات خودی است
فضل حق داند اگر دشمن قوی است

Marfat.com

# گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

﴿ڈاکٹر مولوی محمد شفیع﴾

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نام علی اور ان کے والد ماجد کا نام عثمان تھا۔ ان کا پورا نسب اور ان کی نسبت یہ ہے: علی بن عثمان بن علی الجلابی ثم الجویری الغزنوی۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ حدائق الحنفیہ میں ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کا تمام گھرانا زہد و تقویٰ کا گھرانا تھا۔ ''سفینۃ الاولیاء'' میں ہے کہ حضرت داتا صاحب کی اصل افغانستان کے شہر غزنیں سے ہے۔ جلاب اور ہجویر غزنیں کے دو محلے ہیں۔ آپ پہلے ایک محلے میں رہتے تھے پھر دوسرے میں منتقل ہوئے۔ اس لئے انہیں کبھی جلابی اور کبھی ہجویری کہتے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار کی قبر غزنیں میں ہے اور ان کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی اسی شہر میں داتا صاحب کے ماموں تاج الاولیاء کی قبر سے متصل ہے۔ ان تمام قبروں کی زیارت شہزادہ دارا شکوہ نے خود کی۔ (زبیری صاحب کمشنر بہاولپور نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں، وہ غزنی گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا) ''گنج بخش'' جناب ہجویری کا لقب ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار پر معتکف رہے، جاتے وقت یہ مشہور شعر جس میں آپ کو گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہا ہے، پڑھا، مگر بعض قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب کیا گیا تھا۔ مختلف تذکروں میں داتا صاحب کا کچھ نہ کچھ حال دیا ہے۔ نفحات الانس میں انہیں

Marfat.com

''عالم وعارف'' کہا ہے اور سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ ان کے خوارق وکرامات حد حصر سے زیادہ ہیں اور ''حدائق الحنفیہ'' میں ہے کہ آپ اولیاء متقدمین میں سے ہیں۔ جامع علوم ظاہری وباطنی عابد، زاہد، متقی، مظہر خوارق وکرامات اور حنفی المذہب، لیکن مفصل حالات پرانے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے نہیں لکھے، یہاں تک کہ ان کی تاریخ ولادت و وفات اور ان کے ورود لاہور کی تاریخ بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی ہوگی اور وفات کی تاریخ مشہور ۴۶۵ھ اور ۴۶۹ھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ مگر قیاس چاہتا ہے کہ ان کا وصال اس سے بہت بعد ہوا، اس کی دلیل ابھی بیان ہوگی۔ مواد کی اس قلت کے باوجود داتا صاحب کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں ان کی زندگی کے بعض کوائف اتفاقاً مذکور ہو گئے ہیں۔ انہیں پر اعتماد کر کے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید طریق تصوف پر گامزن ہونے سے پہلے داتا صاحب پر ایک دور ایسا بھی گزرا جس میں وہ عراق میں مقیم اور دنیا طلبی وفناء اموال میں بے چینی کے ساتھ مصروف رہتے تھے۔ اس زمانے میں انہوں نے بہت سا قرض بھی لے لیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر کسی کی بے ہودہ فرمائش مجھے برداشت کرنا پڑتی تھی۔ لوگ میری طرف رخ کرتے تھے اور میں ان کی خواہشات کے سرانجام دینے کی مشکل میں گرفتار تھا۔ اس وقت سیدان وقت میں سے ایک نے مجھے یہ خط لکھا، ''دیکھو بیٹا! جو دل ہوا و ہوس میں مشغول ہے، اس کی خاطر سے تم اپنے دل کو خدائے عزوجل سے نہ ہٹاؤ، ہاں اگر تم ایسے دل کو پاؤ جو تمہارے دل سے گرامی تر ہو تو اس دل کو راحت دینے کی خاطر تم بے شک اپنے دل کو مشغول کرو۔ ورنہ رک جاؤ، اس لئے کہ بندوں کے لئے خدا خود کافی ہے۔''

داتا صاحب لکھتے ہیں کہ اس بات سے مجھے فوراً سکون دل حاصل ہو گیا۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے اپنی زندگی کا ایک اور واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔ بظاہر ان کے دنیا کو ترک کرنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ وہ کہتے ہیں: ''میں کہ علی ابن

Marfat.com

عثمان الجلابی ہوں، گیارہ سال تک شادی کی آفت سے محفوظ رہا مگر میری تقدیر میں تھا کہ میں آزمائش میں پڑوں میں نے طرف ثانی کو دیکھا بھی نہ تھا مگر جو صفت میرے سامنے بیان ہوئی میرا ظاہر و باطن اس کا اسیر ہوا اور میں کامل طور پر اس میں مستغرق ہو گیا۔ نزدیک تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے، حق تعالیٰ نے اپنے کامل فضل اور پوری مہربانی سے اپنی نگہداری کو میرے ناچار دل کی حفاظت کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے نجات دلائی۔ "الحمد للّٰہ علیٰ جزیل نعمائہ۔"

یوں تو داتا صاحب نے بہت سے مشائخ کی صحبت سے فیض پایا لیکن انہوں نے حضرت ابوالعباس الشقانی کی نسبت لکھا ہے کہ: "مجھے ان سے کمال انس تھا، اور وہ بھی مجھ پر سچی شفقت فرماتے تھے۔ بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے۔" یہ بزرگ نہ صرف اہل تصوف کے بزرگان اجل میں سے تھے بلکہ مختلف اصولی اور فروعی علوم و امور میں امام بھی تھے۔ یہ تو تھا علم ظاہر، امور باطن میں داتا صاحب نے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی سے فیض پایا۔ ختل یا ختلان بدخشان کے مغرب میں دریائے جیحوں کے دائیں کنارے پر ایک علاقے کے شمال مشرق میں ایک علاقے کا نام ہے۔ کبھی اس نام کا اطلاق خراسان کے مشرق اور شمال کے تمام بلاد پر بھی ہوتا ہے۔ جناب ختلی کی نسبت داتا صاحب فرماتے ہیں: "میں طریقت میں ان کا پیرو ہوں، وہ علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند تھے۔ حصری کے مرید اور ان کے رازدار تھے...... سچی گوشہ نشینی کی وجہ سے ساٹھ سال تک گوشوں میں چھپا کیے اور اپنا نام خلقت کے درمیان گم کر دیا۔ وہ اکثر جبل لکام میں رہا کرتے تھے۔ جبل لکام سلسلہ کوہ لبنان (Anti-Taurus) کا وہ حصہ ہے جو انطاکیہ اور مصیصہ کے متصل ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ لبنان پہاڑ میں حمص سے متصل ایک علاقہ ہے جس میں خودرو پھل والے درخت اور کھیتیاں ہیں۔ صالحین میں سے ابدال یہاں رہتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ جناب ختلی نے لمبی عمر پائی۔ وہ صوفیوں کے لباس اور ان کی رسوم کے پابند نہ تھے بلکہ اہل رسم

کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے یہ سنا: "الدنیا یوم ولنا فیھا صوم" دنیا ایک دن کی چیز اور ہم اس میں روزے سے ہیں یعنی اس میں سے کوئی حصہ قبول نہیں کرتے اور اس کے بند میں نہیں پھنستے، اس لئے کہ اس کی آفت کو دیکھ چکے ہیں اور اس کے حجابوں سے واقف ہیں۔

اس کے بعد داتا صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے ہاتھ دھلا رہا تھا کہ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ جب کام تقدیر اور قسمت سے بنتے ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ آزاد لوگ خود کو بوڑھوں کا غلام بنائیں۔ شیخ نے مجھے مخاطب کر کے کہا: "بیٹا! میں جانتا ہوں کہ تم نے کیا سوچا ہے، تمہیں معلوم ہے کہ ہر حکم کا ایک سبب ہوتا ہے جب خدا کو یہ منظور ہوتا ہے کہ وہ ایک یاعوان بچے کے سر پر تاج کرامت رکھے، تو اسے توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اپنے دوست کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جائے۔ عوان دیوان سلطانی کے سرہنگوں کو کہتے ہیں۔ اس قصے سے گمان گزرتا ہے کہ داتا صاحب کے بزرگوں میں سے شاید کسی کا تعلق کبھی اس گروہ سے رہا ہو، مگر کسی اور ماخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے جسے "بیت الجن" کہتے تھے۔ جناب ختلی کا انتقال اسی گاؤں میں ہوا۔ جب ان کا وقت قریب آ پہنچا تو داتا صاحب کو یہ وصیت کی: "تمہیں معلوم رہے کہ ہر مقام پر نیک و بد حال پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے۔ تمہیں چاہئے کہ اس کے کام پر جھگڑا نہ کرو اور دل کو رنجیدہ نہ ہونے دو۔" اس کے سوا آپ نے اور کوئی وصیت نہ کی اور جان بحق تسلیم کی۔

"کشف المحجوب" داتا صاحب کی واحد تصنیف ہے جو ہم تک پہنچی۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ داتا صاحب نے نو کتابیں اور بھی لکھیں مگر وہ سب کتابیں اب ناپید ہیں۔

"کشف المحجوب" کے متعلق مولانا جامی لکھتے ہیں کہ یہ کتاب فن تصوف کی مشہور

Marfat.com

اور معتبر کتابوں میں سے ہے اور اس میں مصنف نے بہت سے لطائف و حقائق جمع کر دیئے ہیں۔ دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ ''کشف المحجوب'' میں کسی کو جائے سخن نہیں۔ وہ ایک کامل مرشد ہے۔ تصوف پر جو کتابیں فارسی میں لکھی گئیں ان میں سے کوئی بھی اس کتاب کی خوبی کو نہیں پہنچتی۔

داتا صاحب نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تصنیف کی اور کم از کم اس کا ایک حصہ لاہور میں لکھا۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''اس وقت (اس موضوع پر) اس سے زیادہ لکھنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ کتابیں دارالسلطنت غزنی حرسہا اللہ میں ہیں اور میں دیار ہند میں لاہور کے شہر میں، جو ملتان کے مضافات میں ہے۔ ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔'' اس عبارت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تحریر کتاب کے وقت داتا صاحب کے پاس کوئی تحریری مواد مراجعت کے لیے موجود نہ تھا۔ درجنوں آیات شریفہ، ۱۳۷ احادیث اور ۵۷ عربی اشعار جو اس کتاب میں آئے ہیں ان کا زبانی لکھ لینا تو چنداں دشوار نہ تھا مگر تقریباً تین سو اقوال مشائخ اور بیس اکیس کتابوں کی عبارتیں جو بقید مصنف کتاب میں درج ہیں ان کا حافظے سے درج کرنا قرین قیاس نہیں۔

''کشف المحجوب'' کی ترتیب یہ ہے کہ جناب ہجویری نے اپنے ہم وطن ابوسعید ہجویری کا ایک سوال نقل کیا ہے۔ اس میں سائل نے طریقت تصوف کی تحقیق کا بیان داتا صاحب سے چاہا ہے اور صوفیوں کے مقامات، ان کے مذاہب اور مقالات اور ان کے رموز اور اشارات کی تشریح آپ سے طلب کی ہے۔ محبت خدا اور اس کے دلوں میں ظاہر ہونے کی کیفیت پوچھی ہے۔ اس کی کنہ و ماہیت سمجھنے میں عقلوں پر جو حجاب چھا جاتے ہیں ان کا سبب دریافت کیا ہے۔ داتا صاحب نے ساری کتاب اس سوال کے جواب دینے کے لئے لکھی ہے۔ انہوں نے ابتدائے اسلام سے شروع کر کے تصوف کا پورا حال بیان کیا ہے۔ اہل بیتؓ، صحابہ، تابعین، اتباع تابعین اور متاخرین، صوفی اماموں کو، پھر عرب و عجم کے رجال صوفیہ کو گنا ہے اور ان کا حال دیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا اہم

Marfat.com

ترین باب ہے یعنی مختلف صوفی فرقوں کا فرق، ان کے مذاہب و آیات و مقامات و حکایات۔اس باب میں گیارہ صوفی فرقوں کا حال بیان کیا ہےاوراکثر فرقوں کا حال بیان کرنے میں تصوف کے ایک یا زیادہ نکتوں کی مفصل تشریح کی ہے۔مثلاً فرقہ محاسیہ کی ذیل میں حقیقت رضا اور مقام وحال کا فرق بیان کیا ہے۔فرقہ طیفوریہ کی ذیل میں سکروصحو پر گفتگو کی ہے۔فرقہ سہلیہ کے حال میں حقیقت نفس اور ھویٰ کے معنی اور مجاہدات نفس اور حقیقت ھویٰ پر کلام کیا ہے۔وعلی ہذاالقیاس تا آرایں کتاب۔

اس باب کے بعد کشف وحجاب کے گیارہ باب دیئے ہیں جن میں تصوف کے نقطہ نظر سے ارکان اسلام کی تشریح کی ہے۔صحبت کے آداب واحکام بیان کیے ہیں۔صوفیوں کی اصطلاحات کی تشریح کی ہےاورآخر میں سماع اوراس کے انواع پر بحث کی ہے۔

یوں تو ۳۵۰ھ کے بعد سے صوفیائے کرام کے حالات اور اصول تصوف کے متعلق کتابیں ملتی ہیں مثلاً کتاب اللمع، کتاب التعرف، رسالہ قشیری وغیرہ مگر یہ کتابیں عربی میں ہیں۔''کشف المحجوب'' فارسی میں تصوف کی اولین کتاب ہے مگر اس میں تصوف کی تمام اصطلاحیں عربی میں دی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف کی ابتداء عرب ممالک میں ہوئی تھی۔جناب داتا صاحب اصول تصوف کے ماہر ہیں۔اسی حیثیت سے انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ان کا انداز مورخانہ نہیں ہے۔ساری کتاب میں شاید ہی کوئی تاریخ دی ہو۔ان کا مقصد یہ ہے کہ تصوف کے مسائل اورنکات کی تشریح کی جائے۔وہ خود فرماتے ہیں:

''یہ کتاب راہ حق بیان کرتی ہے۔کلمات کی شرح کرتی ہےاورمختلف پردے کھولتی اور ہٹاتی ہے۔'' پانچویں صدی ہجری میں صوفیائے کرام میں جو خیالات اور اصول رائج تھے،ان کی پوری کیفیت ان کی کتاب سے معلوم ہوجاتی ہے۔

لاہور میں ''کشف المحجوب'' دو تین دفعہ چھپی ہے۔ایک ایڈیشن سمرقند میں چھپا۔ پروفیسر ژوکوفسکی نے اس کا متن روسی دیباچہ اور فہارس کے ساتھ مرتب کیا اور اس کی وفات کے بعد ۱۹۲۶ء میں یہ ایڈیشن لینن گراڈ سے شائع ہوا،ان دونوں کے متن میں

Marfat.com

اصلاح کی گنجائش ہے۔ کتاب کا انگریزی میں ترجمہ پروفیسر نکلسن نے مطبوعات وقفیہ گیب (Gibbmemorial) کے سلسلے میں ۱۹۱۱ء میں شائع کیا، حال میں اس ترجمہ کا جدید ایڈیشن بھی چھپا ہے۔ قومی دکان لاہور کے مالک نے کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

چھ ورق کا ایک رسالہ فقرنامہ مشہور بہ کشف الاسرار کے نام سے ''کشف المحجوب'' ہی پر مبنی کر کے شاید ۱۸۷۰ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا۔

داتا صاحب نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گزارے۔ یہ غزنویوں کا دور تھا۔ آپ نے یہاں اپنا وقت اشاعت اسلام، تلقین اور تدریس علوم میں صرف کیا اور یہیں آپ نے انتقال فرمایا۔ یہ سلطان ظہیرالدین ابراہیم غزنوی کا زمانہ تھا جس نے ۴۵۱ھ سے ۴۹۲ھ تک حکومت کی۔ کہتے ہیں کہ ان کی سنگ مرمر کی قبر اسی سلطان نے بنوائی تھی۔ مگر مجاور کسی کو یہ پتھر دیکھنے نہیں دیتے جس سے ممکن ہے قیاسات میں کچھ مدد ملے۔ ''فوائد الفواد'' میں لکھا ہے کہ ۷۰۸ھ کے آخر میں حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک شخص نے ذکر کیا کہ اس نے لاہور میں داتا صاحب کے مزار کی زیارت کی ہے۔ داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ ''داتا صاحب کی قبر شہر لاہور کے بیچ میں قلعے کے مغرب کی طرف واقع ہے۔ جمعہ کی رات کو زائرین کا ہجوم ہوتا ہے۔ میں نے خود بھی ان کے مزار کی زیارت کی ہے۔'' یہ تو داراشکوہ کے زمانے کا حال تھا۔ بعد کی صدیوں میں بھی اب تک زائرین بکثرت زیارت کے لیے آتے رہے ہیں اور آتے ہیں اور حضرت کا فیضان جاری ہے۔ ۲۰ صفر کو ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان قدیم ترین بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے پنجاب میں اسلام کا پیغام پہنچایا، یہ پانچویں صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ پنجاب میں سلطان محمود غزنوی کے متواتر حملوں کی وجہ سے اگرچہ مسلمانوں کی سطوت و جبروت کا سکہ دلوں میں بیٹھ چکا تھا لیکن عین اسی وجہ سے اور دیگر وجوہ سے بھی، غیر مسلموں کا ردعمل مسلمانوں کے سخت خلاف تھا اور ان کے دل اسلام دشمنی کے جذبات سے لبریز

تھے۔ایسے زمانے میں ایک ملک میں پہنچ کر انہیں لوگوں کے درمیان تبلیغ اسلام کرنا کسی معمولی فرد بشر کا کام نہ تھا۔اس مطلب کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو عالم و عارف ہو، یعنی جس کا یقین اور ایمان پہاڑ کی طرح محکم ہو، جس کا صدق وصفاء للّٰہیت اور بے غرض، یعنی جس کا فقر کامل ہو، جس میں تاریک روحوں کو نور سلام سے منور کرنے کا بے پناہ جذبہ موجود ہو، جس میں جذب اور مقناطیسیت بے حساب ہو، جس کی روحانی قوت ایسی ہو کہ دشمن کو دوست بنادے جو آہنی عزم کا مالک ہو اور حالات کا غلام نہیں، ان کا آقا ہو، جسے اپنے بلند مقصد کے حصول کے مقابلے میں اپنے آرام وآسائش کی کوئی پرواہ نہ ہو، ایسا پیر کامل اور کاملوں کا راہنما وہ جلیل القدر اور عظیم الشان بزرگ تھا جس کے ذکر خیر سے ہم رحمت ایزدی کو دعوت نزول دیتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جناب شیخ کے شخصی حالات بہت کم محفوظ رہے ہیں، آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں اور تاریخ وفات جو مشہور ہے وہ بھی یقینی نہیں۔ان کے لاہور آنے کا زمانہ،ان کے قیام لاہور کی مدت، ان میں سے کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، بعض باتیں جو انہوں نے اپنے متعلق اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھ دی ہیں صرف انہیں پر اعتماد ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تاریخ وفات کے سلسلے میں بھی اسی کتاب سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔

''سفینۃ الاولیاء'' مطبوعہ میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ: ''ان کی وفات کی تاریخ ۴۵۶ھ ہے اور ایک دیگر روایت کی رو سے ۴۶۴ھ ہے (مگر خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ''سفینے'' میں ۴۶۴ھ اور ۴۶۶ھ دیا ہے) اسی طرح ''خزینۃ الاصفیاء'' ہی میں ہے کہ ''نفحات الانس'' میں آپ کی تاریخ وفات ۴۵۶ھ دی ہے مگر ''نفحات'' کے مطبوعہ اور قدیم قلمی نسخوں میں جو میں نے دیکھے ہیں، کہیں آپ کی تاریخ وفات درج نہیں ہے۔بہر حال آپ کے احاطہ مزار میں دو جگہ جامی لاہوری کے دو قطعات تاریخ میں ۴۶۵ھ ہی تاریخ دی ہے اور یہی تاریخ ''مآثر الکرام، حدائق الحنفیہ، نزہۃ الخواطر'' میں اختیار کی گئی ہے مگر

Marfat.com

بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ اس سے کئی سال بعد تک زندہ رہے۔

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں، صرف یہ کہنا کافی ہے کہ حضرت داتا صاحب نے ''کشف المحجوب'' میں متعدد معاصر شیوخ کا ذکر بصیغہ ماضی کیا ہے مثلاً کہا ہے کہ فلاں بزرگ زہد وتقویٰ اور صلاحیت میں ایسے ایسے تھے، اب ان بزرگوں کی وفات کی تاریخیں دیکھیں تو وہ ۴۶۰ھ سے ۴۷۹ھ تک پہنچتی ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ حضرت شیخ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب ہجویری کی وفات ۴۷۹ھ یا اس کے بعد ہوئی ہوگی۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ ''کشف المحجوب'' میں وہ فرماتے ہیں کہ اپنے پیر جناب ختلی کی وفات کے وقت وہ ان کی خدمت میں حاضر تھے۔

جناب ختلی کی وفات ذھبی کی ''تاریخ الاسلام'' کی رو سے ۴۶۰ھ میں ''بیت الجن'' کے مقام پر ہوئی، یہ مقام دمشق سے کچھ فاصلے پر تھا۔

اگر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت شیخ ۴۶۱ھ میں بھی لاہور پہنچ گئے ہوں اور ۴۶۵ھ میں فوت ہوگئے ہوں تو ان کے قیام لاہور کی مدت صرف ۴ سال کے قریب بنتی ہے۔ جبکہ داراشکوہ یہ کہتا ہے کہ بہت سی سیاحت کے بعد وہ لاہور پہنچے اور یہیں مقیم ہوگئے اور دیار لاہور کے لوگ سب ان کے مرید ومعتقد ہوگئے تو اتنا عظیم الشان کام سرانجام دینے کے لیے جو غیر زبان، غیر مذہب اور روایتی متعصب ومعاند لوگوں میں سرانجام دیا گیا، بہت کم ہے۔

پس اگر حسب بیان بالا ان کی تاریخ وصال ۴۷۹ھ یا اس کے بعد تھی تو اس حساب سے قرین قیاس ہے کہ ان کی ولادت بھی چوتھی صدی ہجری کے اواخر یا پانچویں کے ابتداء میں ہوئی ہوگی۔

''خلاصۃ التواریخ'' کا یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا کہ جناب شیخ سلطان محمود کے ساتھ اس ملک میں آئے اس لئے کہ سلطان کے حملوں کا زمانہ بقول لین پال ۳۹۲ھ

Marfat.com

تا ۴۱۵ھ (۱۰۰۱ء تا ۱۰۲۴ھ) تھا۔ پس اگر جناب ہجویری ۴۱۵ھ میں بھی لاہور آئے ہوں تو ان کی عمر اس وقت ۱۵، ۳۰ سال کے قریب ہوگی جوان کے کارناموں کے لیے موزوں عمر نہیں ہے۔

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ ابوسعید ابی الخیر (م ۴۴۰ھ) کی قبر پر پہنچے یعنی ۴۴۰ھ یا اس کے بعد کسی سال وہ خراسان میں تھے۔ پس اگر وہ ۴۴۰ھ یا اس کے بعد خراسان میں تھے اور ۴۶۰ھ میں دمشق کے نواح میں تھے تو وہ یا تو لاہور ۴۶۰ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے۔

حضرت شیخ نے بہت سفر کیا۔ اس زمانے کی مشکلات سفر اور ان کی بے سامانی کو مدنظر رکھتے ہوئے عقل حیران ہوتی ہے کہ اتنا طویل سفر کس طرح ممکن ہوسکا مگر اس میں شک نہیں کہ تجرید اور توکل کے قدم پر حضرت شیخ نے عالم اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک گردش کی۔ حدود شام سے مشرقی ترکستان تک اور بحیرۂ خزر سے لاہور تک پہنچے اور بے شمار صوفیائے کرام اور مشائخ عظام سے استفادہ کیا۔ چنانچہ بقول ان کے تین سو شیوخ سے صرف خراسان میں ملاقات کی۔ (کشف احوال معاصرین) کہیں سے حدیث سنی، کہیں سے امور باطنیہ کے نکتے جمع کئے۔ جن اکابر سے ان کی ملاقات ہوئی ان میں مشائخ ذیل بھی شامل تھے۔

شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی (م ۴۶۴ھ)، ابوالقاسم قشیری صاحب ''رسالہ قشیریہ'' (م ۴۶۵ھ)، شیخ ابوسعید ابی الخیر مہنی (م ۴۴۰ھ) جناب ہجویری کے پیر ابوالفضل بن حسن ختلی تھے (م ۴۶۰) اور ختلی ایک واسطے سے شیخ شبلی کے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، ابوالعباس، احمد بن محمد الشقانی (م ۴۷۹ھ) بعض علوم میں جناب ہجویری کے استاد تھے۔ (کشف، طبع بہاول پریس لاہور ص ۱۲۱) ان بے شمار بزرگوں سے حضرت شیخ نے مختلف مسائل پر گفتگو کی اور ان کے اقوال کا قیمتی اور نایاب ذخیرہ اپنی کتاب میں جمع کیا۔

Marfat.com

# مدح حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خطیب الملت مولانا محمد بخش مسلم، خطیب مسلم مسجد لاہور

مرشد و مخدوم شیدائے کلام کبریا — ترجمان حق فدائے سنت خیرالوریٰ
داعی توحید و آئین محمد مصطفیٰ — طالب صدیقؓ و فاروقؓ و غنیؓ و مرتضیٰؓ

سید و حسنی و حسینی و امام الاصفیاء — غزنوی، حنفی، جنیدی پیکر علم وہدی
رازدار و خود شناس است و حقیقت آشنا — کشف المحجوب است، شاہکار ولی الاولیاء

در دیار کفر آمد، صاحب نور و ضیا — عالماں را پیشوا، عارفاں را مقتدا
گفت تبلیغ و تصوف مرحبا صد مرحبا — بے گماں شد اولیں معمار پاکستان

خواجہ اجمیر" داند سیّد ہجویر" را — آشنا گوید بوصف آشنا و ہمنوا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں راہ پیر کامل کاملاں را رہنما

# مسدس بطور سلام

بحضور فیض گنجور سرآمد اولیائے کبار زبدہ اخیار و ابرار حضرت مخدوم علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخش لاہوری شعر حضرت خواجہ معین الدین الحسن السنجری ثم اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ)

(از طبع زاد مولوی فیروز الدین صاحب مترجم کشف المحجوب لاہور)

السلام اے آفتاب خاندان مصطفیٰ — السلام اے سر دبستان محمد مجتبیٰ
السلام اے نور چشمان علی مرتضیٰ — السلام اے فخر فرزندان امام باصفا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے قدوہ درگاہ رب ذوالجلال — صد سلامت یا علی یا مظہر شان جمال
السلام اے طائر صدرہ نشین خوش مقال — السلام اے صاحب فضل و کرم لایزال
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے ساقی صہبائے نور معرفت — السلام اے قاسم لطف و سرور معرفت
السلام اے شرح فرمائے ظہور معرفت — السلام اے گوہر پاک بحور معرفت
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

السلام اے غازی میدان زہد واتقاء　　السلام اے کشتہ شمشیر عشق جانفزاء
السلام اے پہلوان عرصہ فقر وغناء　　السلام اے تاجدار وفاتح ملک ولا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے نغمہ خوان قل ہو اللہ احد　　السلام اے صدر بزم عشق اللہ الصمد
السلام اے ماہر تجرید و تفرید ابد　　السلام اے محو لم یولد قتیل لم یلد

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے یسبط فیض حقیقت السلام　　السلام اے سرمہ چشم بصیرت السلام
السلام اے رہبر ملک طریقت السلام　　السلام اے داب شریعت السلام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے مرجع وامید گاہ شیخ وشباب　　السلام اے بادشاہ اولیائے پنج آب
السلام اے سرکردہ صوفیائے عالی جناب　　السلام اے گنج بخش بے شمار و بے حساب

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے چارہ بے چارگان بے نوا　　السلام اے مرہم جاں بخش زخم جاں گزا
السلام اے ہر مرض را خاک تو دار الشفاء　　السلام اے وجہ تسکین دل ہر جتلا ء

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے حامئے درماندگان ناتواں　　السلام اے اوج بخش در حضیض افتادگاں
السلام اے قاطع بدعات وکفران جہاں　　السلام اے ہادی پیراں دلیل طالباں

Marfat.com

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے فیض یابد گہت ہر خوب و زشت　　السلام اے روئے زیبائت جواب صد بہشت
ہمزباں در مدحت، ہمچوں معین الدین چشت　　نقشبندی، قادری و سہروردی در بصفت

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جز سلامت نیست دیگر یک کہالم السلام　　السلام اے حضرت مخدوم عالم السلام
کن برایں اعدائے دیں فیروز عالم السلام　　نفس وشیطانند ہردم در زوالم السلام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

# اُردو

(از مولوی فیروز الدین صاحب مترجم کشف المحجوب لاہور)

ہیں ترے در پر سلامی ہو رہے باصد ولا — ہندی و سندھی و کشمیری و افغانی شہا
جو کوئی آتا ہے لے جاتا ہے اپنا مدعا — کیوں نہ پھر نکلے ہر اک کے منہ سے یہ سچی صدا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

چشتیوں کو فخر تجھ سے قادری تجھ پر فدا — نقشبندی تجھ پہ نازاں سہروردی جبہ سا
صابری ہو یا نظامی یا سلیمانی گدا! — صدق دل سے ہے ہر اک قائل ترے اوصاف کا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

کس قدر روضہ انور تیرا معمور نور — رحمت و برکت کا ہر دم جس پہ ہوتا ہے ظہور
ہے صلوۃ وصوم پر درود و وظائف کا وفور — ہر گھڑی قرآن خوانی ذوق افطار و سحور
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آفتاب فیض ہے تو فقر کا مہر منیر! — صاحب تاج کرامت ملک معنی کا امیر!
طالبوں کا قبلہ جاں عارفوں کا زندہ پیر — نامرادوں کی مراد اور بیکسوں کا دستگیر
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ہیں تصانیف معلے گنج گوہر لا کلام! کشف المحجوب اور کشف الاسرار ہے جن سے دوام
علم خود نازاں رہے گا جس کی ہستی پر مدام راز دار فقر جن سے ہو رہے ہیں خاص و عام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

غزنی و ہجویر تھا گر مفتخر تجھ سے مدام کر دیا پنجاب کو بھی تو نے مشہور انام
زیور لاہور ہے درگاہ جنت احتشام تیرا خطبہ پڑھ رہا ہے ملک سارا صبح و شام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

فخر ہو مجھ کو نہ کیوں اس عزت احضار پر جبکہ ہو نازاں ہر اک سائل تیری سرکار پر
جان و دل قربان ہے شاہا تیرے دربار پر ہر سلامی صدق سے قائل ہے اس اقرار پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ہوں تیرے در کا سلامی میں بھی اے شاہ شہاں میری حالت مو بمو ہے آپ پر ساری عیاں
کب تلک یہ دل رہے گا نامراد و نیم جاں کیجئے چارہ کہ تم ہو چارہ بے چارگاں

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گنج بخشی آپ کی آفاق میں مشہور ہے دلدہی خستہ دلوں کی آپ کا دستور ہے
نرغہ اعداء میں یہ قلب حزیں محصور ہے یا علی مدد کیجئے! منتظر مہجور ہے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یا علی مخدوم ہجویری! نگاہ التفات کشت دل کے واسطے ہے ابر رحمت تیری ذات
شرم اس فیروز عاصی کی ہے شاہا تیرے ہات بند عصیان و غم دنیا سے دید یجئے نجات

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جب تلک باقی الٰہی! اثر نور و نار ہو — گنج بخش دین و دنیا آپ کا دربار ہو
قبلہ حاجات عالم آپ کی سرکار ہو — زائروں کو دمبدم اس شعر کا تکرار ہو

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

# حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ولایت

﴿ڈاکٹر امین اللہ وثیر﴾

ناقصوں کے پیر کامل اور کاملوں کے رہنما حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی برصغیر پاک وہند کے اولیائے کرام میں بہت نمایاں ہے۔ حضرت نے رشد وہدایت کے سلسلے میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں کشف المحجوب کا درجہ بہت بلند ہے اور یہ شریعت وطریقت کے بارے میں سچی اور صحیح راہ بتانے والی ایک نہایت اہم اور مشہور ومعروف دستاویز ہے۔

ولی اور ولایت، شریعت کی پیروی اور حقیقت کا ادراک، احکام دین کی تعظیم اور ادب کا ملحوظ رکھنا، علم دین کا حصول اور رجوع الی اللہ، اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی آرزو، عصمت انبیاء کرام اور اولیاء کا متبع ہونا، کرامات اولیاء...... ان امور پر سطور ذیل میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کے افکار عالیہ، کشف المحجوب سے پیش کئے جا رہے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے برگزیدہ گروہ

حکیمیہ فرقہ کے پیشوا حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کا ایک گروہ ہے جسے وہ تمام مخلوقات سے برگزیدہ فرماتا ہے۔ وہ اپنے نفس اور خواہشات پر قابو رکھتے ہیں۔ ان کو حقیقت کا علم ہوتا ہے اور ان سے کرامت کا ظہور ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

## ولایت اور اس کی حقیقت

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کلام کرتے ہوئے ''ولایت'' پر جو بحث فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ولی کے معنی دوست کے ہیں۔ جو شخص اللہ کی دوستی اختیار کرے اور اس دوستی کو ہر دوسری دوستی سے عزیز رکھے وہ اللہ کا ولی ہے۔

انسانوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے اولیاء یعنی دوست ہیں جن کو اللہ تعالیٰ برگزیدہ فرماتا ہے۔ وہ نفس اور ہوا کی بندگی سے پاک ہوتے ہیں۔ خدا سے ان کی محبت دوسری تمام محبتوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوتے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۔** (۱۰:۶۲) (یعنی آگاہ ہو کہ اللہ کے اولیاء (یعنی اس کے دوستوں) کے لیے نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔")

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یعنی اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ:

یا رسول اللہ! وہ لوگ کون ہیں؟ ان کی صفت بیان فرمائیے تا کہ ہم ان سے محبت کریں (اور ان کی صحبت اختیار کریں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ایک گروہ ہے جو مال و دولت اور تمام دوسری چیزوں سے بڑھ کر اللہ کے احکام کو محبوب رکھتا ہے۔ قیامت کے روز ان کے چہرے سراسر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ جب دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا، اور جب دوسرے لوگ غمزدہ ہوں گے انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: **الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۔**" اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''جس نے میرے کسی ولی کو اذیت دی، اس کے

Marfat.com

خلاف جنگ کرنا میرے لیے جائز ہو گیا۔"

ولی کون ہے اوراس کی پہچان کیا ہے؟ اس بارے میں حضرت شیخ فرماتے ہیں:

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ولی کی پہچان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یعنی "ولی وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کے امر اور نہی پر ڈٹ جاتا ہے۔" اس لیے کہ جس قدر گہرا خدا سے کسی کا تعلق ہوگا وہ اس سے اپنی دوستی میں صادق اور مخلص ہوگا اسی قدر اس کے دل میں خدا کے حکم کی عظمت اور عزت زیادہ ہوگی۔

## اولیاء اور شریعت

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ کے نزدیک شریعت کا اتباع سب پر لازم ہے اور کوئی بھی شخص اس کی پابندیوں سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ایسے لوگ ملحد ہیں اور ان پر خدا کی لعنت ہو جو یہ کہتے ہیں کہ ولی شریعت الٰہی کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ کو کسی نے بتایا کہ فلاں شہر میں ایک ولی ہے۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ سن کر اس کی زیارت کے لئے اس شہر میں گیا اور اس کے محلے کی مسجد میں پہنچا۔ جب وہ شخص مسجد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے مسجد میں تھوک پھینکی۔ میں اس کی یہی حرکت دیکھ کر واپس پلٹ آیا۔ کیونکہ اس کی یہ حرکت دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ اگر یہ خدا کا ولی ہوتا تو خدا کی شریعت پر لازماً نگاہ رکھتا اور خدا کے گھر کا احترام کرتا۔ اسی رات میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے ابو یزید! جو کام تو نے کیا اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔"

اولیاء سے کرامتوں کا ظہور ہو سکتا ہے اور اس کا مقصد حق و باطل میں تمیز کرنا ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں:

"اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اس میں کوئی چیز عقل کے خلاف نہیں ہے۔ کرامت اس فعل کو کہتے ہیں جو خلاف عادت ہو۔ اس کا ظہور خدا کی طرف سے ولی

Marfat.com

کے ذریعے ہوتا ہے اور اس کا مقصد ولی کی تکریم اور عزت افزائی کا اظہار ہوتا ہے یعنی اس بات کا مظاہرہ کہ وہ خدا کے نزدیک برگزیدہ اور بزرگ ہے۔ استدلالی قوت کے ذریعے حق کو باطل سے الگ چھانٹ کر رکھ دینا بھی ولایت کی نشانی ہے۔

## معجزہ اور کرامت میں کیا فرق ہے؟

کرامت شریعت کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ معجزہ نبی کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے اور نبی کو اپنے معجزہ کے بارے میں پورا یقین ہوتا ہے۔ کرامت کے بارے میں ولی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ کرامت ہے یا استدراج۔ نیز صاحب معجزہ نبی ہونے کی وجہ سے شریعت الٰہی کے اوامر و نواہی میں تصرف کرسکتا ہے کیونکہ وہ خود شارع ہوتا ہے لیکن ولی صاحب کرامت ہونے کے باوجود قطعی طور پر شریعت الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور اس کے لیے تسلیم اور قبول احکام کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کی کوئی کرامت بھی نبی کی شریعت کے خلاف نہیں ہوسکتی۔

## اولیاء کی عصمت

حضرت مصنف کے نزدیک عصمت صرف انبیاء کا خاصہ ہے۔ انبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

''اولیاء معصوم نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ عصمت صرف نبوت کی شرط ہے۔ کسی شخص نے خرق عادت (بظاہر حال کرامت) کا ظہور اس کے برگزیدہ یا ولی ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔ اگر اس کی زندگی شریعت الٰہی کے تابع اور اس کے مطابق ہے تو یہ اس کے ولی ہونے کی علامت ہوسکتی ہے ورنہ اس سے خرق عادت کے ظہور کی حیثیت وہی ہوگی جو دجال کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے بعض خرق عادت واقعات کی ہوگی۔ فرمانبرداری

(کتاب وسنت کا کامل اتباع) ولایت کی ایک لازمی شرط ہے لیکن ولی گناہ اور نافرمانی سے پاک نہیں ہوتا ہے۔ اس سے گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب ہوسکتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی ولایت کے منافی نہیں ہیں۔ ولایت کی نفی ایمان کی نفی اور ارتداد سے ہوتی ہے نہ کہ نافرمانی اور گناہگاری سے۔ محمد بن علی حکیم ترمذی، جنید بغدادی، ابوالحسن نوری اور حادث محاسبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری، ابوسلیمان درانی اور ابوحمدون قصار وغیر رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کی شرط فرمانبرداری پر قائم رہنا ہے۔ جب کبیرہ گناہ ولی کے دل پر گزرے گا تو وہ فوراً ولایت سے معزول ہو جائے گا۔

صحیح صورت یہ ہے کہ ولی یعنی خدا کے دوست سے اس کی نافرمانی بالعموم احیاناً ہوتی ہے اور جب اس سے نافرمانی ہوجاتی ہے تو وہ متنبہ ہوتے ہی فوراً توبہ کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق درست کرنے کی فکر کرتا ہے۔

## کرامتوں کے واقعات

(۱) روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جارہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ راستے میں بہت سے لوگوں کو ایک شیر روکے کھڑا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے شیر کو مخاطب کرکے فرمایا: ”اے کتے! اگر تجھے خدا نے کوئی حکم دیا ہے تو اپنا کام کرورنہ ہمارا راستہ چھوڑ دے۔“ آپ کی یہ بات سن کر شیر راستہ چھوڑ کر چلا گیا۔

(۲) روایت ہے کہ ایک عجمی نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے ارادے سے مدینہ آیا۔ اس نے لوگوں سے آپ رضی اللہ عنہ کا پتہ دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ کہیں غیرآباد جگہ پر سوئے ہوئے ہوں گے۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بالکل تنہا ایک درخت کے نیچے زمین پر پڑے سو رہے ہیں۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ اس حالت میں ان کو مار ڈالنا بہت آسان ہوگا۔ وہ تلوار سونت کر حملہ کے ارادے سے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف لپکا۔ اس کا آپ رضی اللہ عنہ کی

Marfat.com

طرف بڑھنا تھا کہ اس نے دیکھا کہ دو شیر اس پر حملہ کے لیے اس کی طرف لپکے۔ چنانچہ وہ خوف کے مارے مدد کے لیے چیخا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے چیخنے کا سبب دریافت کیا۔ اس شخص نے سارا واقعہ کہہ سنایا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔

(۳)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ عراق سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے پاس کچھ تحفے آئے جن میں ایک ڈبیہ زہر کی بھی تھی۔ جس کے بارے میں قاصد نے بتایا کہ ایسا زہر قاتل کسی بادشاہ کے خزانے میں نہیں۔ اس کی ذرا سی مقدار بھی آدمی کو مار ڈالتی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، کوئی اور شے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس شیشی میں سے زہر لے کر کھالیا۔ آپ رضی اللہ عنہ پر اس زہر کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اسے دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔

(۴)۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک چرواہے سے پانی مانگا۔ اس نے کہا کہ پانی تو میرے پاس نہیں البتہ دودھ ہے وہ آپ جتنا چاہیں لے سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے تو پانی کی ضرورت ہے۔ اس پر اس چرواہے نے اپنا عصا اٹھا کر ایک پتھر پر مارا اور اس سے ایک نہایت صاف اور پاکیزہ پانی کا چشمہ بہہ نکلا۔ میں اس کے اس معاملہ کو دیکھ کر متعجب ہوا۔ اس نے کہا کہ تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب بندہ اللہ عزوجل کا مطیع فرمان ہوجاتا ہے تو دنیا کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہوجاتی ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احکام شریعت کی پیروی ہر بندے کے لیے ضروری ہے اور کوئی شخص چاہے وہ ولایت وتصوف کے کسی درجے پر پہنچا ہو، دینی عبادات کی پابندی سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ حضرت ایسی آزادی کو بے دینی کا مظہر قرار دیتے ہیں۔ ان کے الفاظ عالیہ ملاحظہ ہوں:

Marfat.com

صوفیاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بندہ ترقی کرتے کرتے خدا کی دوستی میں ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اطاعت اس پر سے ساقط ہو جاتی ہے اور وہ شریعت کے احکام کا مکلف نہیں رہتا اور نماز اور دوسری عبادات کی تکلیف اور پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ان لوگوں کے بارے میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صریح بے دینی ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ عقل و ہوش کی حالت میں شریعت کی تکلیف اور پابندی آدمی پر سے ساقط ہو جائے۔ کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کبھی منسوخ نہیں ہوگی۔ البتہ دیوانگی اور عذر شرعی کا حکم دوسرا ہے اور وہ بھی درحقیقت شریعت سے بالا یا اس سے آزاد کوئی شے نہیں ہے بلکہ شریعت ہی کے اس حکم کی پیروی ہے کہ فاتر العقل لوگوں پر احکام شریعت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنی دوستی کے اس درجے تک پہنچا دے کہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں اسے نہ صرف یہ کوئی رنج اور تکلیف محسوس نہ ہو بلکہ اس کے برعکس اسے اس میں راحت محسوس ہو اور اس کے بغیر اسے چین نہ آئے۔ امر کی تعمیل میں تکلیف اور رنج محسوس کرنے یا نہ کرنے کا انحصار اس تعلق اور محبت پر ہے جو بندے کو اپنے آقا اور صاحب امر سے ہوتی ہے۔ جس قدر محبت زیادہ ہوگی اسی لحاظ سے محبوب کی فرمانبرداری کی تکلیف اٹھانا آسان ہوتا چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات دن میں اس کثرت سے نماز پڑھتے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے لیکن آپؐ کے شوق میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا۔

## شریعت اور حقیقت

شریعت ہی دراصل حقیقت ہے اور شریعت کے احکام کو خلوص نیت اور اللہ کی سچی محبت اور اس کے خوف کے ساتھ بجالانے ہی کو حقیقت اور تصوف کہتے ہیں۔ حقیقت اور تصوف شریعت سے جدا کوئی چیز نہیں۔

چنانچہ حضرت شیخ فرماتے ہیں:

Marfat.com

بعض لوگ جن میں مشتبہ اور قرامطہ وغیرہ پیش پیش ہیں، کہتے ہیں کہ جس طرح سے تصدیق اور اقرار ایک دوسرے سے علیحدہ دو الگ چیزیں ہیں، اسی طرح سے حقیقت اور شریعت بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں اور جب بندے پر حقیقت منکشف ہو جائے تو شریعت کی پابندیاں اس سے اٹھ جاتی ہیں۔ اس کے بعد پھر آدمی کے لیے شریعت کی پابندی اور پیروی کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ایسی باتیں کہنے والے لوگ بے دین اور ملحدوں کا گروہ ہیں۔ شریعت اور حقیقت میں سے کسی ایک کا قیام دوسرے کے بغیر نہ روا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح سے نہ تو اقرار کے بغیر محض تصدیق ایمان ہوتا ہے اور نہ ہی تصدیق کے بغیر محض اقرار ایمان ہوتا ہے۔ اسی طرح سے ''حقیقت'' کے بغیر ظاہری اتباع شریعت محض ریا اور نفاق اور ظاہر میں اتباع شریعت کے بغیر دعویٰ حقیقت سراسر زندقہ اور الحاد ہے۔ اقرار اور تصدیق کی طرح سے شریعت اور حقیقت بھی لازم و ملزوم اور باہم غیر مسک ہیں۔ کسی ایک کا قیام دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ شریعت کی مثال اگر جسم کی ہے تو حقیقت کی مثال اس کے اندر روح کی ہے۔ جس طرح سے روح اور جسم کے اتصال ہی سے انسان وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح سے حقیقت اور شریعت کے باہم اتصال ہی سے دین صورت پذیر ہوتا ہے۔ ''حقیقت'' کا انسانی زندگی میں عملی ظہور ''شریعت'' ہے اور اعمال ''شریعت'' کے اندر باطنی روح اور اخلاف نیت ہی کا نام ''حقیقت'' ہے۔ نہ ''شریعت''، ''حقیقت'' سے الگ کوئی شے ہے اور نہ ''حقیقت'' کا ''شریعت'' سے الگ کوئی وجود ہو سکتا ہے۔ ''شریعت'' کے احکام کو اخلاص، صحت نیت اور خدا کی سچی محبت اور اس کے حقیقی خوف کے ساتھ بجالانے ہی کا نام ''حقیقت'' اور ''تصوف'' ہیں۔

حضرت ابومحمد سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ وقت کے پیر تھے اور صوفیوں کے سہیلیہ گروہ کے پیشوا ہیں۔ ریاضت، مجاہدے اور عیبوں کے مٹانے میں آپ بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ تمام لوگوں کے نزدیک قابل تعریف تھے۔ آپ کا کلام بہت سہل اور آسان

Marfat.com

ہے۔ اسی سے بعض علماء ظاہر نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ "ھو جمع بین الشریعه والحقیقته" یعنی یہ کہ یہ وہ شخص ہے جس نے شریعت اور حقیقت کو جمع کر دیا ہے۔ حالانکہ شریعت اور حقیقت دو الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں۔ نہ شریعت کے بغیر حقیقت کوئی شے ہے اور نہ حقیقت کے بغیر شریعت کوئی شے ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ شریعت کے بغیر حقیقت بے دینی اور حقیقت کے بغیر شریعت نفاق و ریاکاری ہے لیکن ابو محمد سہل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو عام لوگوں کے ذہن سے بہت قریب اور سہل انداز میں بیان کیا۔ اس لیے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے شریعت اور حقیقت کو اکٹھا کر دیا ہے۔

اولیاء، انبیاء کرام کے پیرو اور متبع ہوتے ہیں۔ انبیاء کا درجہ تمام انسانوں سے بلند و بالا ہے، اور انبیاء کی اطاعت نہ کرنے والا کوئی شخص اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ طریقت کے تمام شیوخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیاء ہر حال میں انبیاء علیہم السلام کے پیرو ہیں اور ان کی دعوت کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اس لیے کہ نبوت کی جو ابتداء ہے وہ ولایت کی انتہا ہے۔ تمام انبیاء اولیاء ہوتے ہیں لیکن کوئی ولی نبی نہیں بن سکتا۔ نبی صفات بشری کی نفی میں اصل ہیں اور اولیاء اس میں عارضی ہیں اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ جو شخص انبیاء کا پیرو نہ ہو اور اپنے آپ کو ولی خیال کرتا ہو تو وہ شیطان کا ولی ہے، اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ دین میں ادب کی رعایت ملحوظ رکھنے اور شعائر دین کی تعظیم کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک کوئی تارک الادب اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا یہ کہنا کہ جو بندہ محبت الٰہی میں مغلوب ہو، احکام دین کی متابعت اس سے ساقط ہو جاتی ہے محض الحاد ہے۔ آپ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "حسن الاداب من الایمان" یعنی

Marfat.com

آدمی کے آداب کا عمدہ ہونا اس کے ایمان کا ضروری حصہ ہے۔'' نیز آپؐ نے فرمایا:

''میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہت ہی اچھا ادب سکھایا۔''

حقیقت یہ ہے کہ ہر کام میں (خواہ وہ دینی ہو یا دینوی) حسن اس کے آداب کو ملحوظ رکھ کر کرنے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ سب اس امر پر متفق ہیں کہ معاملات اور تعلقات میں پاس ادب خوبی کی چیز ہے بلکہ دنیا کی تمام رسوم، دراصل نام ہی متعلقہ امور میں ضروری آداب بجالانے کا ہے۔

دین میں ادب ملحوظ رکھنے کے معنی سنت کی حفاظت کرنا ہے۔ لوگوں سے ادب برتنے کے معنی ان کے ساتھ حسن سلوک اور مروت سے پیش آنا ہے اور دینوی معاملات میں ادب ملحوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر معاملہ کرتے وقت اپنی عزت کی حفاظت کرے، یعنی کوئی ایسی صورت نہ اختیار کرے جس سے کبھی اس کی عزت و آبرو پر حرف آئے۔

خدا کا ادب اور اس کی تعظیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے شعائر اور اس کے احکام کی تعظیم اور تکریم کی جائے اور یہ چیز تصوف کی راہ میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ صرف ممنوع ہی سے نہیں بلکہ مشکوک سے بھی اجتناب کیا جائے۔ جو شخص خداوند تعالیٰ کے شعائر اور شواہد کی تعظیم سے بے پرواہو، اس کا طریقت میں کوئی حصہ نہیں اور یہ چیز سکر اور غلبہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی جو شخص یہ کہتا ہے کہ جب بندہ محبت میں مغلوب ہوتا ہے تو متابعت کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے، وہ ملحد ہے، اس پر خدا کی لعنت ہو کیونکہ تارک الادب کسی صورت میں ولی نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی انسان اپنے ہوش وحواس میں قائم ہے ہر حال میں آداب کی پیروی کرنا اس کے لیے لازم ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ کبھی یہ پیروی تکلف کے ساتھ ہوگی اور کبھی تکلف کے بغیر۔ اس کا انحصار خدا کے ساتھ انسان کے تعلق کی کیفیت پر ہے۔ یہ تعلق جتنا کم اور سطحی ہوگا، خدا کا فرمان بجالانے میں آدمی تکلیف محسوس کرے گا اور جس

Marfat.com

قدر گہرا اور مخلص ہوتا جائے گا۔ تکلیف کم ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس فرمان کو بجالانا ہی اس کے لیے راحت کا سامان بن جائے گا اور اس کے بغیر اسے چین نہ آئے گا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے اپنے ارشادات میں کچھ نام نہاد علماء وفقراء اور جہلاء سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ وہ کون لوگ ہیں؟ درج ذیل سطور میں آپ فرماتے ہیں:

حضرت شیخ المشائخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تین قسم کے لوگوں سے بچو: ایک غافل علماء سے، دوسرے چکنے چپڑے اور دکھاوے کے فقراء سے اور تیسرے جاہل صوفیوں سے۔"

غافل علماء وہ ہیں جنہوں نے حصول دنیا کو اپنا قبلہ مقصود بنا رکھا ہے۔ ظالم حکمرانوں کے درباروں کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ خدا کے بجائے مخلوق سے عزت و مرتبہ کی طلب رکھتے ہیں۔ بزرگان دین اور دوسرے اہل علم کی تحقیر کرتے ہیں اور حسد اور عناد کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں۔

مکار اور دکھاوے کے فقراء وہ ہیں جنہوں نے ظاہر میں فقیری کا روپ بنا رکھا ہے۔ باطن میں حرص کے بندے ہیں۔ جب کوئی شخص کوئی کام ان کی خواہش کے مطابق کرتا ہے تو خواہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور جب کوئی شخص کوئی کام ان کی خواہش کے خلاف کرتا ہے تو خواہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اور مخلوقات کو حق کے بجائے باطل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنا شکار بناتے ہیں۔

جاہل صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس نے نہ کسی بزرگ کی صحبت اختیار کی، نہ کہیں سے تربیت حاصل کی اور نہ اسے حق اور باطل کی تمیز ہو، بلکہ یونہی اپنے آپ کو لوگوں میں صوفی مشہور کر دیا ہو۔

محض علم ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع بے حد ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''یہ بھی یاد رکھو کہ محض علم آدمی کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے۔ حقیقت اور شریعت کے علوم ہدایت کا ذریعہ ہیں اور انسان کے تجرباتی علوم اس میں مددگار ہوتے ہیں۔ طلب ہدایت کے لیے ان علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے مگر ہدایت اللہ تعالیٰ کی عنایت اور عطا سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے حصول علم کے ساتھ اخلاص و تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس سے ہدایت کی مخلصانہ طلب ضروری ہے۔ کوئی عالم ہو یا صوفی یا فقیر، شریعت کا علم سب کے لیے لازم ہے۔ شریعت کے علم کے بغیر نہ کوئی عالم کہلا سکتا ہے اور نہ صوفی، نہ فقیر، اور نہ ان میں سے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

Marfat.com

# داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

﴿ہاشمی فرید آبادی﴾

نام شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، کنیت ابوالحسن والد کا نام عثمان ابن علی یا "بوعلی" (بروئے آئین اکبری، ۳: ۲۷۸ سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۵) وطنی نسبت انہوں نے خود "الجلابی الغزنوی ثم الہجویری" تحریر کی ہے۔ جلاب شہر غزنی کا محلہ اور ہجویر بظاہر بیرونی محلہ یا مضافاتی بستی تھی۔ تاریخ ولادت کسی ماخذ میں نہیں ملتی۔ قرائن نواح ۴۰۰ھ/۱۰۱۰ء کے حق میں ہیں۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد (۳۸۸ھ/۹۹۸ء تا ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) اور دارالسلطنت غزنہ کے عروج کا زمانہ تھا۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان علم وتقویٰ سے متصف تھا۔ ان کے ماموں کا لقب "تاج الاولیاء" تھا۔ جس محلے میں ان کا مزار تھا وہ بھی اسی نام سے معروف ہوا۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والدین کی آخری آرام گاہیں اسی قبرستان میں بنیں۔ جن کی زیارت گیارھویں صدی ہجری میں شہزادہ دارالشکوہ (م ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء) نے کی تھی۔ (صفینہ، ص ۱۶۵) ایک تازہ شہادت سے معلوم ہوا ہے کہ ان قبور کی اب بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ (محمد شفیع لاہوری، مقامات، ص ۱۸۳ لاہور ۱۹۶۰ء)۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے کسی معلومہ تاریخ یا تذکرے میں نہیں ملتے۔ سب سے پہلے ان کا ذکر ہمیں شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ملتا ہے، جو امیر حسن سنجری دہلوی (رک بان) نے کتاب

Marfat.com

فوائد الفواد کی صورت میں قلمبند کیے تھے۔ پہلی بار ۲۹ ذوالقعدہ ۷۰۸ھ/۱۳۰۹ء کی ایک مجلس میں مزارات لاہور کا تذکرہ ہوا۔ اسی میں شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہے کہ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے اور اپنے پیر جس (ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ) کے حکم سے جن دن لاہور آنے والے تھے اسی دن زنجانی موصوف نے وفات پائی۔ (جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں، اس وقت ان کا سر میرے پہلو میں تھا، ژوکوفسکی: کشف المحجوب، ص ۲۰۹) اسی حوالے سے یہ روایت ثمرات القدس (تالیف ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) میں دہرائی گئی ہے لیکن کچھ آگے حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کو یعقوب زنجانی ملقب بہ صدر دیوان (م ۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء) کا بھائی بتایا ہے۔ حسین زنجانی کا مقبرہ لاہور، عقب مصری شاہ میں ہے۔ ان کا سال وفات ۶۰۰ھ یا کچھ بعد بتایا گیا ہے۔ (آئین اکبری، ۳: ۲۷۸)۔ خود داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کثیر ممتاز معاصرین میں سے ان کا کہیں نام نہیں لیا۔ نفحات الانس اور سفینۃ الاولیاء میں بھی اس بات کا ذکر نہیں آیا۔ یہ روایت الحاقی معلوم ہوتی ہے، اگرچہ زمانہ حال کے تذکروں مثلاً خزینۃ الاولیاء ۲: ۲۵۰)، عام معتقدین اور مجاوروں کی زبان پر یہ روایت جاری ہے۔

فوائد الفواد کی ایک اور مجلس (۱۵ محرم ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء) میں نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ "شیخ علی ہجویری" نے کتاب کشف المحجوب لکھی۔ اس کے شروع میں اور آگے دو تین جگہ اپنا نام لائے۔ قبل ازیں عربی اشعار کہتے اور نام نہیں لاتے تھے۔ ایک "جواں مرد" (ن: "ناجواں مرد") نے وہ سب اشعار اپنے نام کر لئے اور مرتے وقت دنیا سے بے ایمان گیا۔ ایک اور قول دوسرے مجموعہ ملفوظات درنظامی، کے قلمی نسخے سے نقل کیا گیا ہے کہ "میں نے کشف المحجوب کا تمام اور بکمال مطالعہ کیا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر کسی کو مرشد نہ ملے تو اسے پڑھنے سے مل جائے گا۔" (عبدالماجد دریابادی: تصوف اسلام، ص ۳۷)۔ ہمارے علم میں صوفیہ کا پہلا اور معتبر تذکرہ، جس

Marfat.com

میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا باقاعدہ ذکر آیا ہے، ملا نورالدین جامی کا نفحات الانس ہے جو ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء کی تالیف ہے۔ اس میں نام، کنیت اور وطن تو لکھا ہے مگر ولادت اور وفات یا مدفن کا ذکر نہیں آیا۔ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ سے مریدی اور متعدد مشائخ سے استفادہ کرنے کا حال بیان کیا ہے، نیز یہ کہ وہ ''کشف المحجوب کے مصنف ہیں، جو تصوف کی مشہور اور معتبر کتابوں میں سے ہے۔'' پھر اسی کتاب سے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں صدی ہجری کے دو واقعات درج کیے گئے ہیں۔ بظاہر جامی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان کے متعلق، بجز کشف المحجوب اور کوئی ذریعہ معلومات نہیں مل سکا۔ دوسرا حوالہ آئین اکبری، ج ۳ میں آتا ہے جس میں پاکستان و ہند کے اڑتالیس منتخب اولیاء کا ذکر کیا ہے، داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام ونسب بتا کر، ان کے علم وعرفان اور تصنیف کشف المحجوب کی ستائش کی ہے، نیز ان کی خواب گاہ لاہور میں بیان کی ہے، آئین اکبری کے چار سال بعد لعل بیگ بخشی شہزادہ مراد ابن اکبر بادشاہ نے ثمرات القدس تالیف کی، جس کی ایک منقولہ روایت اوپر بیان ہوئی۔ دیگر حالات نفحات یا کشف ہی سے لئے ہیں مگر یہ بات کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام لاہور کے زمانے میں اپنے علم وفضل کے باوجود بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، نیز وفات کے متعلق دو افسانوی روایتیں مؤلف کا اضافہ ہیں۔ اسی صدی کے وسط کا زیادہ مشہور تذکرہ سفینۃ الاولیاء ہے' جسے شہزادہ داراشکوہ نے جواں عمری یعنی ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹، ۱۶۴۰ء) میں مرتب کیا تھا۔ وہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم وتقویٰ، طولانی سیروسیاحت اور ان کی تصانیف منجملہ کشف المحجوب کی تعریف کرتا ہے، کشف المحجوب کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ کامل ہدایت کی کتاب ہے، تصوف کی کتابوں میں ایسی گرانمایہ کتاب فارسی میں کبھی نہیں لکھی گئی۔ سفینۃ (ص ۱۶۵) کی یہ زائد روایت کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غزنی میں مسجد بنوائی اور اس کی سمت قبلہ پر اعتراض سن کر لوگوں کو از راہ کرامت کعبۃ اللہ کا مشاہدہ کرا دیا، مقامی روایتوں میں ... سے منسوب کی جاتی ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء، ۲: ۲۳۶)۔ ان کے مزار کے متعلق داراشکو...

Marfat.com

نے لکھا ہے کہ یہ لاہور شہر میں قلعے سے مغرب کی طرف ہے، سال وفات ۴۵۶ھ اور بروایت دیگر ۴۶۴ھ بیان کیا ہے۔ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ ''ان کے خوارق وکرامات کی کوئی انتہا نہیں۔ لاہور میں اقامت گزیں ہوئے تو شہر کے سبھی باشندے رفتہ رفتہ ان کے معتقد ہوتے گئے جو شب جمعہ کو اس نورانی مقبرے کی زیارت کو جاتے اور اپنی مرادیں پاتے، فقیر بھی ان کے روضہ منورہ اور (غزنی میں) ان کے ماموں اور والدین کے مقابر کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔''

متاخر تذکروں کے خاص ماخذ نفحات الانس اور سفینۃ الاولیاء ہی ہیں۔ ان دونوں میں سوانحی حالات بہت مختصر لکھے گئے۔ لامحالہ ہمیں اصل سرچشمے یعنی کشف المحجوب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ یہ کتاب غالباً مختلف اوقات میں لکھی گئی، جو متعدد موضوعات پر مشتمل ہے، بعض کا ذکر درج ذیل ہے۔ تمہید، تسمیہ، علم اور تصوف کی حقیقت، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، اولیائے سابقین کا تذکرہ، پھر دس آئمہ صوفیہ متاخرین، جن میں بعض کتاب کی تصنیف کے وقت زندہ تھے اور کچھ وہ ہیں جن سے مصنف خود مستفید ہوئے۔ کتاب کے اس حصے میں ایک طولانی باب (چہاردہم) اپنے عہد کے بارہ فرق صوفیہ پر قلم بند کیا ہے۔ جن میں دس مقبول اور دو مردود یعنی اسلامی عقائد سے ہٹے ہوئے تھے۔ آگے چل کر ایک باب (سیزدھم) ممتاز معاصر صوفیہ پر ہے۔ جس میں علاقہ وار ہر بزرگ کا نام اور مختصر حال دیا ہے۔ ان کی تعداد چالیس ہے۔ ضمناً لکھتے ہیں: ''سب کا حال تحریر کرنا ممکن نہیں، صرف خراسان میں تین سو بزرگوں سے ملا۔ ان میں سے ہر ایک صاحب مشرف تھا اور تنہا ساری دنیا کے لئے کافی ہوتا۔'' (ص ۱۳۶)۔ آخری حصہ جو تقریباً ثلث کتاب پر محیط ہے، ''کشف حجابات'' کے زیر عنوان، گویا مصنف کی اصل تعلیم پر مشتمل ہے۔ اس میں معرفت الٰہی، توحید، ایمان، ارکان اسلام (صوم وصلوٰۃ، حج و زکوٰۃ) فلسفہ ازدواج، مسئلہ سماع اور ان کے فروع پر بڑی عالمانہ بحثیں کی ہیں۔ ایک باب (۲۵، وسوم) میں صوفیہ کی مصطلحات، ان کی اقسام و رموز کی شرح بیان کی گئی ہے،

کتاب میں منقول عربی اشعار اور مشائخ کے اقوال کی تعداد تین سو سے زائد ہے۔ایک سو چونتیس احادیث نبویؐ اور قریب قریب تین چوتھائی قرآن حکیم کی سورتوں سے دو سو چونتیس آیات کریمہ استناداً لائی گئی ہیں۔(دیکھئے فہارس، مطبوعہ لینن گراڈ) جو مصنف کے حیرت انگیز، وسیع اور مستحضر علم کی شاہد عادل ہیں۔

کتاب میں اسلامی تصوف کا بہت بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔صوفی کا اشتقاق صفا سے اور اس کی اصل غیر اللہ سے دل کا انقطاع بتاتے اور اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ درحقیقت صوفی کامل ولی ہی کا نام ہے (ص ۲۶)۔اس میں اولیائے عظام کی کرامات اور خوارق کا بھی ذکر ہے نیز ان کے بیسیوں حکیمانہ اقوال اور نصائح کے ساتھ اوصاف حسنہ، صبر و قناعت، ایثار و سخاوت، ہمت و استغنا، صداقت و اخلاص کی وہ سچی تابناک مثالیں پیش کی ہیں جو ان بزرگوں کے فضل و شرف کی اصل برہان اور اسلامی تہذیب و اخلاق کی عظمت کی دلیل ہیں۔مزید برآں مصنف تحقیق پسند تھے اور تحقیق کا بھی بہت بلند مجتہدانہ معیار ان کے پیش نظر تھا۔پہلے ہی باب میں، جو علم کے وجوب فضیلت پر ہے، زور دیتے ہیں کہ علم کے لئے علم اور درایت یعنی فہم و تحقیق ضروری ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استشہاد کرتے ہیں کہ "همة العلماء الدراية، وهمة السفهاء الرواية"۔تمثیلات میں اخلاق والٰہیات کے معارف بکھرے پڑے ہیں، جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔اسی طرح جگہ جگہ نفس انسانی کی وہ کوتاہیاں بھی منظر عام پر لائے ہیں جن تک صرف بزرگان باعمل ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہے، مثلاً اپنے پیر کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ میں ایک باران کے ہمراہ آذربیجان کے علاقے سے گزر رہا تھا۔دو تین آدمیوں کو دیکھا کہ درویشانہ لباس میں گیہوں کے کھلیان کے قریب دامن پھیلائے کھڑے ہیں کہ زمیندار دانے ڈال دے۔شیخ کی ان پر نظر پڑی تو یہ آیت کریمہ پڑھی۔ "اولئك الذين اشتروا الضللة بالهدى" الآیۃ (۲البقرہ ۱۶) میں نے کہا، استاد محترم! یہ لوگ اس بے ہمتی میں کس طرح مبتلا ہوئے؟ فرمایا ان کے پیروں کو حرص تھی کہ

Marfat.com

بہت سے مرید جمع کریں۔ ان مریدوں کو دنیا جمع کرنے کی حرص ہوگئی۔ اور ایک حرص دوسری سے بہتر نہیں۔ (ص ۱۴۱، بہ تصحیح، حسب طباعت لینن گراڈ، ص ۶۴)

کتاب میں دوسری سوانحی حالات بھی ضمناً آ جاتے ہیں۔ ان کے مطالعے سے پہلا مجموعی تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کی عمر کا بڑا حصہ سیاحت و سفر میں گزرا، جس کا مقصد علم و معرفت حاصل کرنا تھا۔ محولہ مقامات کے ناموں سے عیاں ہے کہ وہ برصغیر پاکستان و ہند (کم از کم غزنوی مقبوضا، جو تقریباً موجودہ مغربی پاکستان کے برابر تھے) کرمان، سیستان، شمال میں ترکستان و ماوراء النہرا، مغرب میں ایران کے اکثر اقطاع (خوزستان، طبرستان، آذربیجان، قہستان، فارس) عراق، شام اور فلسطین تک سفر کرتے رہے۔ حرمین شریفین کا ذکر بھی بالواسطہ آیا ہے۔ اس زمانے کی عام مشکلات سفر کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ داتا صاحب اکثر پیادہ پا سفر کرتے اور حسب ضرورت کسی مسجد یا خانقاہ میں ٹھہر جاتے تھے) ایک جگہ (ص ۲۶۹) لکھتے ہیں مجھے اپنی سیاحتوں میں سب سے زیادہ اذیت و رنج اس بات کا ہوتا ہے کہ جاہل خادم خانقاہ سے مجھے کبھی کسی زمیندار کے گھر لے جاتے تھے، کبھی اور کسی کے پاس ٹھہرا دیتے تھے۔ دل میں نیت کر لی تھی کہ کبھی خود مقیم ہوا تو مسافروں سے ایسا سلوک نہ کروں گا۔'' بے ادبوں کی صحبت سے فقط یہی فائدہ ہے کہ ان کی جو بات ناگوار ہو تو تم ویسا نہ کرو۔'' ایک خانقاہ میں پہنچے تو کپڑے پھٹے ہوئے، ہاتھ میں صرف لاٹھی اور چھاگل تھی۔ وہاں کے مقیم صوفیوں نے باسی، پھپھوندی لگی روٹی کھانے کو دی اور خربوزے کے چھلکے ان پر پھینکے۔ (ص ۵۰)۔ ان مثالوں اور متعدد اشارات سے ان کے لباس اور فقر و فاقہ میں زندگی گزارنے کا پتہ چلتا ہے۔ ان موضوعات پر کشف میں کئی باب لکھے ہیں، بلکہ فقیروں کی گدڑی اور پیوند لگے کپڑوں پر ایک مستقل کتاب اسرار الخرق والمؤنات تصنیف کی تھی۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب وہ عراق میں خوش حال اور مسرف دنیا داروں کی طرح بظاہر رہا کرتے تھے۔ لوگ دنیاوی چیزیں (''حشویہ دہر'') مانگنے آتے اور یہ ان کی فراہمی کی کوشش کرتے، اسی سلسلے میں

Marfat.com

قرض کے زیر بار بھی ہوئے۔ بالآخر کسی بزرگ کے تنبیہ سے آنکھ کھلی اور دل کو ''فراغت'' میسر آئی (ص ۲۷۱)۔ بظاہر انہوں نے ساری عمر تجرد میں بسر کی۔ کشف المحجوب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں زہد و ترک کا میلان پایا جاتا تھا اور وہ اکثر مجاہدات و ریاضات شاقہ کیا کرتے تھے، جسے اس زمانے کے اعلیٰ طبقے کے مسلمانوں کی عیش پرستی، حب مال و جاہ، اسراف و تکلفات کا شدید ردعمل کہا جا سکتا ہے۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ طریقت تین واسطوں سے سیّد الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (رک باں) تک پہنچتا ہے۔ ان کے پیر ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن دریائے جیحوں کا بالائی علاقہ ختلان تھا، لیکن جبل لکام کے موضع بیت الجن میں جا بسے تھے، جو دمشق کے جنوب مغرب میں اس کے اور بانیاس کے درمیان واقع تھا۔ عارف کامل اور زاہد مرتاض تھے۔ ایک عمر خلوت میں گزاری۔ فقر و استغنا کا یہ حال تھا کہ مدت تک ایک ہی جبہ پہنا اور اسی میں پیوند پر پیوند لگاتے تھے۔ (ص ۴۷) ان کا قول تھا کہ الدنیا یوم ولنا فیھا صوم۔ (دنیا ایک دن کی ہے اور اس میں ہمارا روزہ ہے) ایسی فقیری کے باوصف، داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہد ہیں کہ ان جیسا بارعب شخص میں نے نہیں دیکھا۔ ان کے کشف و کرامت کے بارہا مشاہدات ہوتے تھے۔ انہیں میں ایک ذاتی واقعہ یہ لکھا ہے کہ ایک دن میں انہیں وضو کرا رہا تھا۔ خیال آیا کہ سب کام منشائے خداوندی سے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مردانِ آزاد کو حصولِ کرامت کی امید میں پیروں کا غلام کیوں بنا دیا؟ شیخ کشفاً میری قلبی واردات سے آگاہ ہو گئے اور فرمایا: ''اے فرزند! ہر حکم کے لئے سبب ہوا کرتا ہے، جب خدا چاہتا ہے کہ ایک عام سپاہی زادہ کو تاج مملکت عطا کرے تو اسے توبہ کرنے اور اپنے کسی مقبول بندے کی خدمت کرنے کی توفیق دیتا ہے کہ وہی خدمت عطائے تاج کا سبب بن جائے۔'' معلوم ہوتا ہے بہت عرصہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے اور انتقال (۴۶۰ھ/ ۱۰۶۸ء) کے وقت ان کا سر داتا صاحب کے زانوؤں پر تھا۔ (ص

Marfat.com

۱۳۱) ان کے علاوہ بھی داتا صاحب نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا، جن میں ابوالقاسم الجرجانی، القشیری اور ابوالعباس الاشقانی کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔ ظاہری علوم کے اساتذہ کا ذکر نہیں کیا لیکن تفسیر وحدیث کی طرح فقہ اور معقولات میں یقیناً دسترس رکھتے تھے۔ ایک جگہ مسائل فقہ خود پڑھانے کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۲۴۵) بعض علمی اور عقلی مناظروں کا بھی ذکر آیا ہے (مثلاً ص ۴۷: ۴۹)۔ ایک دلچسپ مثال یہ ہے کہ غزنین کے کسی مدعی علم وامانت نے لباس میں پیوند لگانے کو بدعت قرار دیا۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ریشم اور زری کے کپڑے جو ملوک جابر سے تم بالحاح مانگ کر لاتے ہو انہیں تو جائز سمجھتے ہو اور جامہ حلال جو زرِ حلال سے حاصل کیا گیا ہے، اسے پہننا بدعت بتاتے ہو۔ (ص ۱۱۵)

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت اور حنفی تھے۔ ملاحدہ، قرامطہ، باطنیہ اور روافض کی مدلل تکذیب کرتے تھے۔ (ص ۱۲۱، ۲۰۵ وغیرہ)۔ شیخین رضی اللہ عنہما سے کمال عقیدت کے سلسلے میں یہ امر لائق ذکر ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا طریقت یا ولایت کا امام مانتے ہیں (ص ۲۳)۔ موزوں طبیعت پائی تھی۔ بیسیوں منتخب عربی اشعار ان کے ذوق لطیف کے گواہ ہیں۔ خود (شاید جوانی میں) شعر کہے اور اپنا دیوان مرتب کیا، جو کوئی چرا کر لے گیا اور اسے اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ (۱) کشف المحجوب میں صراحتہً اپنا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ (ص ۱۹۱)۔ (بعض تذکروں میں ایک پوری غزل ان کے نام سے درج ہے)۔ انشاء پردازی کا بہترین ثبوت ان کی یہی کتاب ہے، جو نثر فارسی کے ابتدائی دور میں تصنیف ہوئی۔ اس کے علاوہ نو کتابیں تصنیف کیں، جن کے صرف نام باقی رہ گئے ہیں۔ (۱) دیوان، (۲) منہاج الدین (۳) اہل صفہ (۴) منصور حلاج (۵) رسالۃ اسرار الخرق والمؤنات (۶) کتاب فنا وبقاء (۷) کتاب البیان لاھل العیان (۸) بحر القلوب (۹) الرعایۃ لحقوق اللہ (فہرست ۴، مطبوعہ لینن گراڈ، مقالات، محمد شفیع لاہور، ص ۱۸۷، سیّد ہاشمی، ماثر لاہور، ص ۲، ۶۲)۔

Marfat.com

کشف المحجوب کا سلامت رہنا بھی اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے اہل نظر اس کے مداح چلے آتے ہیں۔ قلمی نسخوں میں سب سے قدیم اور نفیس نسخہ ساتویں صدی ہجری کا لکھا ہوا، محمد شفیع لاہوری کی ذاتی کتاب خانے میں ہے، جو اب لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔ ایک نسخہ پروفیسر ژوکوفسکی کی ناقدانہ تصحیح، فہارس واشاریات کے ساتھ لینن گراڈ سے نسخ ٹائپ میں شائع ہوا۔ (یہی متن مؤسسہ مطبوعاتی امیر کبیر نے تحقیق جدید کے ساتھ ۱۳۳۶ھ ش میں طبع کیا ہے)۔ اردو ترجموں کے علاوہ پروفیسر نکلسن نے کشف المحجوب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ (سلسلہ مطبوعات گب، لنڈن ۱۹۱۱ء) جس سے کتاب کی بین الاقوامی قدرومنزلت ثابت ہوتی ہے۔

کشف المحجوب میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وقت اور مقام تصنیف کی تصریح نہیں کی، اگرچہ ایک جملے سے قیاس ہوتا ہے کہ لاہور میں تکمیل کی جارہی تھی (ص ۲۷ دیکھئے ذیل میں)۔ اسی سے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور میں ورود اور قیام کا سوال سامنے آتا ہے۔ بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ شاید وہ کئی بار لاہور آئے۔ آخری قیام اور سال وفات کا مسئلہ پھر بھی حل نہیں ہوتا۔ (جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ دارشکوہ نے ان کا سال وفات ۴۶۵ھ / ۱۰۷۳ء لکھا ہے، غالباً ملک الشعراء بہار کا ماخذ بھی دارالشکوہ کی سفینۃ الاولیاء ہے، نیز دیکھئے بہار سبک شناسی ۲، ص ۱۸۷ مطبوعہ تہران، لیکن یہ سال وفات درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد امام القشیری (م ۴۶۰ھ) کے جوان معاصرین میں سے تھے۔ (دیکھئے Neuper-: Ethe Sische Litteratur عدد ایس ۳۶۴، GIP، ۱۸۹، ۱۹۰۴ مطبوعہ سٹراس برگ)۔ کشف میں امام القشیری اور ابوالحسن سالبہ (م ۴۷۳ء) کے اسما کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جس سے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال ۴۶۵ھ کی عام روایت باطل ٹھہرتی ہے۔ (قب جیبی تاریخ وفات داتا گنج بخش ...... دراور ینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۶۰ء) (جس میں جیبی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

Marfat.com

کشف المحجوب کی تکمیل ۴۸۱ اور ۵۰۰ھ کے مابین ہوئی، نیز یہ کہ داتا صاحب کی وفات ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے مابین ہوئی۔ (دیکھئے مقالات محمد شفیع لاہور، ص ۱۹۳)۔ محمد شفیع لاہور کے طبع شدہ نسخے پر بھی داتا صاحب کی تاریخ وفات ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے مابین دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ ۴۵۱ھ / ۱۰۵۹ء تا ۴۹۲ھ / ۱۰۹۹ء سلطان ابراہیم ابن مسعود غزنوی کا عہد حکومت تھا۔ اس کے دو بیٹے سیف الدولہ محمود اور علاؤالدولہ مسعود ۴۶۹ھ سے ۴۹۹ھ تک لاہور میں صوبہ دار رہے۔ (ماثر لاہور، ص ا، ضمیمہ)۔ ان دو ناموں سے بعد کی روایتوں میں بہت التباس ہوا، تاہم یہ تسلیم کرنا ممکن ہے کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت سے اولاً علاؤالدولہ مسعود مشرف ہوا۔ (ضمیمہ کشف المحجوب، از حبیب اللہ کاتب) اور مقبرہ سلطان ابراہیم نے تیار کرایا۔ (دیکھئے محمد لطیف Antiqities of Lahore: ص ۱۷۷) داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع یا خلفاء کا کوئی سلسلہ آگے نہیں چلا۔ کشف میں شکایت کرتے ہیں کہ میری کتابیں غزنین میں رہ گئیں اور میں (''دربلدہ لہانور کہ از مضافات ملتان است'') ناجنسوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ (ص ۲۷، قب مطبوعہ لینن گراڈ، ص ۱۱۰)۔ انہوں نے عزلت و گمنامی میں زندگی گزاردی، لیکن ان کے فضل و کمال کا مسلسل اعتراف ہوتے رہنا مسلم ہے اور اہل علم و عرفان کے لئے ان کی یہ بلیغ دولآویز کتاب ایک جاودانی عطیہ ہے۔ یہ سب ان کی عظمت اور فیوض جاریہ کے بدیہی شواہد ہیں۔

ماخذ: (۱) حسن سنجری دہلوی، فوائد الفواد لاہور ۱۹۶۲ء، (۲) الذہبی: تاریخ دول الاسلام، ج ۲ حیدرآباد ۱۳۳۷ھ، (۳) نورالدین جامی، نفحات الانس، نولکشور ۱۸۷۴ء، (۴) ابوالفضل، آئین اکبری، ج ۳، نولکشور ۱۸۶۰ء، (۵) لعل بیگ، بخشی شہزادہ مراد بن اکبر بادشاہ: ثمرات القدس (تالیف ۱۰۰۷ء)، قلمی نسخہ مملوکہ ظفر حسن، کراچی، (۶) دارالشکوہ بن شاہجہان: سفینۃ الاولیاء کانپور ۱۸۳ء، (۷) غلام سرور خزینۃ الاصفیا (تالیف ۱۲۸۱ھ)، نولکشور ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۴ء، (۸) نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور

۱۸۶۵ء، (۹) محمد لطیف: History and antiquities of Lahore، لاہور ۱۸۹۲ء، (۱۰) عبدالماجد : تصوف اسلام. اعظم گڑھ، ۱۳۴۳ھ، (۱۱) ہاشمی فرید آبادی: ماثر لاہور، لاہور ۱۹۵۶ء، (۱۲) عبدالحی جیبی: تاریخ وفات گنج بخش علی ہجویری غزنوی، دراورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۶۰ء، (۱۳) محمد شفیع لاہور، لاہور ۱۹۶۰ء، (۱۴) ظہیر احمد بدایونی: ظہیر المطلوب، اردو ترجمہ کشف المحجوب، لاہور ۱۹۰۹ء، (۱۵) Revelation of Hidden things، انگریزی ترجمہ کشف المحجوب از نکلسن، لنڈن (۱۹۱۱ء) جلیل نقوی، (۱۶) کشف المحجوب مطبوعہ گلزار ہند سٹیم پریس، لاہور ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء، (۱۷) کشف المحجوب، طبع ژوکوفسکی، لینن گراڈ ۱۹۲۶ء۔ (مقالے میں ہر جگہ صفحات کے نشان لاہور کے مذکورہ بالا مطبوعہ نسخے سے اور بعض حوالے لینن گراڈ کی طباعت سے دیے گئے ہیں۔)

(اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

Marfat.com

# حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ برصغیر پاک و ہند کے اولین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار گوہر باران کے فیضان کی وجہ سے عرصہ نو سو سال سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے اور ان کی کشف المحجوب اطراف و اکناف عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ ان کے حالات بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی وجوہ یہ ہیں:

(الف): جس زمانے میں حضرت داتا صاحب نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی ،اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمے تھے اور پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مورخین نے تاریخ نویسی کا آغاز کیا انہوں نے تاریخ کو اپنے آقایان نعمت (فاتحین) کے گرد گھمانا شروع کر دیا اور بعد کے مورخین نے صرف ان بزرگوں کے حالات لکھے جن کے آستانوں پر ان کے ممدوحین کو شرف حاضری نصیب ہوا۔

(ب): جن حضرات نے بادشاہوں سے ہٹ کر صرف ان نفوس قدسیہ، جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی، کے حالات زندگی اور ان کی اسلامی و روحانی خدمات جلیلہ کی تفصیلات کو قلم بند کیا، ان کی تالیفات کو اس خطے کی ازلی بدنصیبی (بہ سلسلہ اتلاف کتب) نے محفوظ نہیں رہنے دیا۔

ظاہر ہے کہ بزرگان دین کے تذکرہ نویسوں میں سے اکثر فن تاریخ کے ماہر نہ

Marfat.com

تھے، لہٰذا وہ بزرگوں کے حالات لکھتے وقت واقعات کے سین کا صحیح تعین نہ کر سکے جس کے باعث تاریخ دانوں کو ان پر بدظنی کا موقع مل گیا۔

بہرحال حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ پر بھی ضرور کام ہوا ہوگا مگر وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ جہانگیری عہد کے مشہور تذکرہ نگار محمد غوثی بن حسن شطاری، حضرت داتا صاحب کے حالات کے ذیل میں بسال ۱۰۲۲ھ لکھتے ہیں:

''تواریخ مشائخ کے سابقہ مصنفین کا خیال ہے کہ کشف المحجوب کے مصنف وہ بزرگ ہیں جن کا مزار مبارک لاہور میں ہے۔''

محمد غوثی نے سابقہ مصنفین کا جو حوالہ دیا ہے اس سے واضح ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے حالات کے بہت سے ماخذ تلف ہو چکے ہیں۔ ان ماخذوں کے اتلاف کا نتیجہ ہے کہ

چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

کے مصداق یہاں کے دانشور، تاریخ و تحقیق کے نام پر کوئی نہ کوئی نیا افسانہ پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یہ بہرحال موجودہ مسلم تذکروں میں سے تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطار میں صرف دو جگہ حضرت داتا صاحب کا اسم گرامی درج ہے، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، فوائد الفواد اور دور نظامی میں بھی ان کا ذکر خیر ہوا ہے ان کے بعد کے ایک ایسے ماخذ سے ایتھے (Ethe) نے علمی دنیا کو متعارف کرایا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ اس کا نام ''رسالہ ابدالیہ'' ہے، جو حضرت مولانا محمد یعقوب بن عثمان غزنوی کی تالیف ہے۔ پھر مولانا جامی نے نفحات الانس میں شیخ احمد زنجانی نے سکینۃ الواصلین (غیر موجود) میں ابوالفضل نے آئین اکبری میں، عبدالصمد بن افضل محمد نے اخبار الاصفیا (خطی) میں لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس (خطی) میں، مولانا محمد غوثی نے گلزار ابرار میں، محمد دارالشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں، مولانا محمد بقا بقا اور بختاور خاں نے

Marfat.com

ریاض الاولیاء میں ذکر کیا ہے، حضرت داتا صاحب کے حالات کے یہی قدیم ماخذ ہیں۔ ان کے بعد لالہ سجان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں ضمناً ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے لالہ گنیش داش وڈیرہ نے چار باغ پنجاب میں، مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاولیاء اور حدیقۃ الاولیاء میں، مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں حالات لکھے ہیں اور ان کے بعد کے مؤلفین نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

مگر ان سب تذکروں اور تاریخوں کے مندرجات کے پڑھنے سے مستند اور قابل اعتماد تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے حتیٰ کہ صحیح سن پیدائش بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ تاریخ وصال میں بھی اختلاف ہے اور حضرت کے ورود لاہور کا مسئلہ بھی خاصا پریشان کن ہے۔ غرض کہ حضرت داتا صاحب کے مستند حالات زندگی اسی قدر ملتے ہیں جتنے انہوں نے خود کشف المحجوب میں بیان کئے ہیں۔

## نام و نسب

ابوالحسن کنیت، علی اسم گرامی ہے۔ مفتی غلام سرور نے بحوالہ تواریخ متقدین شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے۔

''حضرت مخدوم علی بن عثمان بن سیّد علی بن عبدالرحمان بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن علی کرم اللہ وجہہ۔''

مشہور ماہر علم الانساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم (م ۱۳۸۱ھ) نے یہی شجرۂ نسب تاریخ جلیلہ اور بزرگان لاہور میں درج کیا ہے مگر پانچویں بزرگ کا نام عبداللہ اور قوسین میں شجاع شاہ تحریر کیا ہے اور درج ذیل نوٹ دیا ہے:

''مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین بن علی کے فرزند تھے (رضی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

عنہم)۔"

آریانا دائرۃ المعارف میں حضرت داتا صاحب پر جو مختصر اور غیر تحقیقی مقالہ درج ہے اس میں لکھا ہے:

"مولوی غلام سرور لاہوری کی خزینۃ الاصفیا، در شرح حال او راز سیادت او ر ذکری تماید، واز ماخذ خود نام نمی برد، جز انیکہ می گوید در تواریخ قدیم نسب او را چنیں شمردہ اند......

بہ ہر حال در ذکر نسب او آنچہ مورد اعتماد است و جامیو دار الشکوہ نیز آں را واثق دانستہ اند، ہماں ذکر مختصریست کہ خود شیخ در کشف المحجوب نمودہ دراں ہیچ گونہ اشارتی نہ تصریحا و نہ کنایتاً بہ طرف سیادت خود نمودہ است تنہا در غزنی خانوادۂ کہ خود را بہ شیخ منسوب و اولاد آدمی دانند خود را سیدی شمارند۔"

ترک نسب شان فقر اور نشان عشق ہے

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

اسی بنا پر سیدنا غوث الثقلین حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غوثیہ جو ایک خاص حالت میں لکھا گیا ہے کہ سوا کہیں اپنے آپ کو سیّد نہیں لکھا لہٰذا صاحب مقالہ مذکورہ کا اس طرف خیال جانا تعجب کی بات ہے۔ بہر حال ایسے لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ دار الشکوہ سے دو سو سال پہلے فوت ہونے والے سیّد محمد نور بخش جو ماہر انساب بھی تھے، نے اپنی کتاب "سلسلۃ الذہب شجر الاولیاء" میں حضرت داتا صاحب کو سیّد لکھا ہے، اور جو یہ لکھا ہے کہ "غزنی میں وہ خانوادہ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ سے منسوب کرتا ہے اور ان کی اولاد جانتا ہے اور اپنے آپ کو سادات میں شمار کرتا ہے۔" کچھ عجیب سی بات ہے، یہ لوگ حضرت داتا صاحب کے ہم جد ہوں گے۔

## مولد و موطن

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ افغانستان کے شہر غزنی کے رہنے والے تھے جیسا

Marfat.com

کہ خود فرماتے ہیں:

''علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری''

دارالشکوہ لکھتا ہے:

''حضرت غزنی کے رہنے والے تھے، جلاب اور ہجویر غزنی کے محلوں میں سے دو محلے ہیں۔ پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے پھر ہجویر میں منتقل ہو گئے۔ ان کے والد ماجد کی قبر غزنی میں ہے......اور ان کی والدہ محترمہ کی مرقد بھی ان کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل ہے اور ان کے خاندان کے تمام افراد صاحب زہد و تقویٰ تھے...... میں ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔''

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے تحریر کیا ہے:

''زبیری صاحب کمشنر بہاولپور نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ زبیری صاحب غزنی گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا۔''

## سال ولادت

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کا سال ولادت کسی قدیم کتاب میں درج نہیں۔ اس دور کے مؤلفین نے ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے:

''ان کی پیدائش دسویں صدی کے آخری دہاکہ میں یا گیارھویں صدی کے ابتدائی دہاکہ میں ہوئی ہوگی یعنی ۳۸۱ھ تا ۴۰۱ھ

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی۔''

ڈاکٹر معین الحق کی رائے یہ ہے:

''بعض لوگوں نے ان کی پیدائش کا سال ۴۰۰ھ لکھا ہے لیکن اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔''

Marfat.com

منشی محمد دین فوق رقم فرماتے ہیں:

''ان کی پیدائش کا فخر ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ کو حاصل ہوتا ہے۔''

سال ولادت کے باب میں مذکورۃ الصدر قیاس آرائیوں کی تائید رسالہ ابدالیہ سے بھی ہوتی ہے یعنی رسالہ مذکور کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویری وقتاً فوقتاً محمود غزنوی کے دربار میں جاتے تھے اور انہوں نے عنفوانِ شباب میں ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ بھی کیا تھا۔ عنفوانِ شباب سے بیس اکیس سال عمر فرض کر سکتے ہیں۔ محمود ۴۲۱ھ میں فوت ہوا لہٰذا رسالہ ابدالیہ کی اس روایت کی بنا پر حضرت کا سال ولادت ۴۰۰ھ کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے۔

بقول لین پول محمود غزنوی ۳۸۸ء / ۹۹۸ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا گویا حضرت داتا صاحب، سلطان محمود کے دورِ حکومت میں اس وقت پیدا ہوئے جبکہ وہ پاک و ہند پر متعدد بار حملہ آور ہو چکا تھا اور حضرت داتا صاحب اس غازی کے پاس اس کی زندگی کے آخری دو برسوں میں آتے جاتے رہے ہوں گے۔

## اساتذہ

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ علوم ظاہری و باطنی کے بحرِ زخار تھے۔ ان کی یہ عظمت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے متعدد علماء و فضلاء سے اکتساب علوم کیا ہوگا۔ مولانا جامی نے صرف ''عارف و عالم بودہ لعل بیگ لعلی نے ''در فنون علوم ماہر بود'' اور مفتی غلام سرور نے ''جامع بود میان علوم ظاہر و باطن'' لکھنے پر اکتفا کیا ہے مگر کشف المحجوب جہاں داتا صاحب کے مختصر حالات سے آگاہ کرتی ہے وہاں ان کے ایک باقاعدہ استاد کے نام نامی کی بھی نشاندہی کرتی ہے...... حضرت نے اپنے استاد گرامی حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''مرا باوی انسی عظیم بود و وی ابر من شفقتی صادق و در بعضی از علوم استاد من بود......''

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ جوان عمری میں علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے۔

Marfat.com

انہیں فطرتاً ولی اللہ ہونے کا مقام ومرتبہ حاصل تھا یعنی وہ بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے۔ صاحب رسالہ ابدالیہ کا بیان ہے:

''حضرت شیخ علی ہجویری نے سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کی موجودگی میں بمقام غزنی ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کیا اور اسے اپنی روحانی قوت سے ساکت وصامت کردیا۔''

ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ سلطان محمود کی زندگی کے آخری برسوں میں ہوا ہوگا اور اس وقت حضرت کی عمر بیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔

## مرشد ارشد

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہٗ (م ۴۶۰ھ) سے بیعت تھے۔ شجرۂ طریقت سلطان ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک اس طرح منتہی ہوتا ہے:

''حضرت شیخ علوی ہجویری مرید شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے وہ مرید حضرت شیخ حصری کے وہ مرید شیخ ابوبکر شبلی کے وہ مرید حضرت جنید بغدادی کے وہ مرید شیخ سری سقطی کے وہ مرید حضرت معروف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائی کے وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے وہ مرید حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے پیرومرشد کے علو مقام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''صوفیہ متاخرین میں سے اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی ہیں۔ طریقت میں میری اقتداء (بیعت) ان ہی سے ہوئی۔ علم تفسیر اور روایت (حدیث) کے عالم تھے اور تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت حصری کے راز دار مرید تھے۔ ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ صحیح گوشہ نشینی

کے لئے ساٹھ سال تک تنہائی کی تلاش میں پھرتے رہے اور مخلوق کے ذہنوں سے اپنا نام محو کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ زیادہ تر جبل لکام میں قیام پذیر رہے۔ عمر طویل پائی۔ اپنی ولایت کی بہت سی دلیلیں اور نشانیاں رکھتے تھے لیکن صوفیہ کی رسوم اور لباس کے پابند نہ تھے اور رسوم میں جکڑے ہوئے صوفیوں سے درشتی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ کسی کو بارعب نہیں دیکھا۔"

جس روز حضرت ختلی کا وصال ہوا حضرت داتا صاحب ان کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشد ختلی نے مرید ہجویری کی گود میں جان جان آفرین کے سپرد کی تھی۔ اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ ختلی بروز وصال بیت الجن میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے، گھاٹی پر جو بانیار (رود بانیاں) اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ دم رحلت ان کا سر میری گود میں تھا اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ اس حالت میں انہوں نے فرمایا: "اے بیٹا! میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ تمام مواقع اور حالات میں نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے، لہٰذا اس کے کسی فعل پر کبیدہ نہ ہونا اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا۔ اس کے سوا اور کوئی لمبی وصیت نہیں کی اور جاں بحق تسلیم ہوگئے۔"

حضرت بایزید بسطامی اور مشائخ طیفوریان (رحمہم اللہ) سکر کو ترجیح دیتے تھے اور حضرت جنید اور ان کے پیر صحو کو سکر پر فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ختلی اور حضرت ہجویری (رحمہم اللہ) جنیدی ہونے کی وجہ سے صحو کی افضلیت کے قائل تھے۔ کشف المحجوب میں اپنے مرشد کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ سکر بازیچۂ اطفال اور صحو مردوں کا میدان فنا ہے:

سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ (م ۸۶۹ھ) بانی سلسلہ "نور بخشیہ"، جن کے سلسلہ سے مستعین اپنے شیخ کے مسلک سے ہٹ کر گمراہ اور بے دین ہو چکے ہیں نے حضرت ۲۱۰

Marfat.com

صاحب کو دو بزرگوں شیخ ختلی اور شیخ ابوالقاسم گرگانی کا مرید و خلیفہ لکھا ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ گرگانی، داتا صاحب کے شیخ صحبت یا شیخ تربیت ہیں، نہ کہ پیر بیعت۔

## ہم عصر مشائخ سے استفادہ

حضرت شیخ ختلی کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کرام کے فیضِ صحبت و شرف مکالمت سے بہرہ یاب ہوئے جن کا ذکر خیر کشف المحجوب میں مسطور ہے مثلاً ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی قدس سرہٗ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مرا باوی۔ بسیار بود و اگر باظہار آیات مشغول شوم از مقصود باز مانم۔''

ابوالقاسم امام قشیری سے بھی صحبتیں رہیں اور ان کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے:

حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی قدس سرہٗ کے ساتھ ماوراء النہر میں محبت و دوستی رہی۔

حضرت ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی قدس سرہٗ جو صاحب تصانیف عالم و عارف تھے، ان کی تصانیف ان ہی کے روبرو پڑھیں:

حضرت ابوسعید ابوالخیر، شیخ ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ اور متعدد دیگر اولیاء اللہ سے ملاقاتوں کا حال کشف المحجوب کے مختلف مقامات پر مذکورہ ہے صرف خراسان میں تین سو صوفیہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ (طبع سمرقند ص ۲۱۶)

## حضرت خضر علیہ السلام سے استفادہ

لعل بیگ لعلی نے لکھا ہے حضرت شیخ علی ہجویری بہت سے اولیاء وقت کو ملے اور ان کے ہم صحبت رہے۔ نیز خضر علیہ السلام سے گہری دوستی رکھتے تھے اور ان سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا تھا۔

## حنفی المذہب

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی المذہب تھے، سیدنا حضرت امام اعظم

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ اسی سبب سے انہوں نے امام موصوف کا نام نامی واسم گرامی نہایت تعظیم وتکریم سے اس طرح رقم فرمایا ہے:

"امامِ اماماں ومقتدائی سنیاں، شرف فقہاء وعز علماء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخراز رضی اللہ عنہ۔" (طبع سمرقند ص ۱۱۸)

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنا ایک ایمان افروز خواب بیان کیا ہے اور اس سے ایک نہایت لطیف نکتہ اخذ کیا ہے، فرماتے ہیں:

"میں ملک شام میں تھا کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روضۂ اطہر کے سرہانے سوگیا اور خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنی شبہ سے اندر تشریف لائے ہیں اور ایک بوڑھے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں، جس طرح کہ شفقت سے بچے کو گود میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار کے پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں، جنہیں حضور نے اٹھایا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ قوت معجزہ میرے اس باطنی خیال سے آگاہ ہوگئے اور ارشاد فرمایا: یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابوحنیفہ ہے۔ مجھے اس خواب سے اپنے آپ اور اپنے وطن والوں سے بڑی امیدیں قائم ہوگئیں، اور مجھے اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظم ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں، جو اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہوچکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لئے باقی وقائم ہیں۔ اس لئے کہ ان کے حامل اور رہبر، خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور انہیں خود چلتے دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ وہ باقی الطبت ہیں اور جو باقی الطبت ہوتا ہے وہ اجتہادی امور میں مخطی رہتا ہے یا مصیب، چونکہ انہیں اٹھا کر لے جانے والے خود حضور پر نورؐ ہیں، اس لئے وہ اپنی صفات سے فانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے باقی ہیں۔ جب پیغمبر سے کسی

Marfat.com

خطا کا صدور ممکن نہیں تو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے آپ کو فنا کر چکا اس سے بھی خطا کا صدور ممکن نہیں۔ یہ ایک لطیف رمز ہے۔" (طبع سمرقند ۱۲۱)

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

## نکاح

"قید از دواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی البتہ ایک مقام پر آپ بھی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے، پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان ہے اتنا مجمل کہ تفصیلات کا کچھ پتا نہیں چلتا، لکھا ہے:

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم بقدیروی بفتنہ اندر افتادم وظاہر و باطنم اسیر وی شد کہ با من کہ دندلی آنکہ رویت بودہ ویک سال مستغرق بودم، چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ مرا بکمال لطف وتمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بے چارۂ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمدللہ علی جزیل نعماۂ۔" (ص ۳۶۶)

پروفیسر نکلسن نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

"ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔"

(دیباچہ انگریزی ترجمہ از نکلسن ص ۱۰)

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

"شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ خوش آئند ثابت نہ ہوا۔"

(نسخہ محمد شفیع ص ۲)

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ "میور (۲۸۹) یہ خیال کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت بغیر شادی کے رہے۔"

Marfat.com

سید صباح الدین عبدالرحمان رقم طراز ہیں:

''تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔'' (بزم صوفیہ)

مگر اسی مجمل عبادت سے جناب محمد دین فوق مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت نے ایک چھوڑ دو شادیاں کیں، لکھتے ہیں:

''حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی، کہاں ہوئی، جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا، مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا، اور میں عیال کی محبت اور دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔'' یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی۔''

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

''چنانچہ (داتا صاحب) لکھتے ہیں: ''ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی۔'' یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے تادم وصال نکاح کا نام نہیں لیا.....''

فوق صاحب نے اس عبارت کا ٹھیک ترجمہ نقل نہیں کیا اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی درست نہیں لہٰذا زیر بحث اقتباس کا ترجمہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا، مگر بتقدیر الٰہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہو گیا اور میرا ظاہر و باطن اسی (کسی عورت)

Marfat.com

کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہو گیا اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا...... چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف اور فضل تمام سے عصمت (گناہ سے بچنے کی قوت) کو میرے بے چارہ دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے (اس فتنہ سے) نجات دلائی۔''

اس عبارت پر غور کیا جائے تو حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(الف) حضرت نے نکاح کیا تھا، مگر اہلیہ جوان کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں، پھر گیارہ سال تک تزویج کے تصور و خیال سے بھی نا آشنا رہے۔

(ب) گیارہ سال بعد ایک عورت، جسے انہوں نے دیکھا بھی نہیں تھا، محض دوسروں سے اس کی خوبیاں معلوم ہونے پر اس کی محبت میں اسیر ہو گئے اور ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا رہے۔

(ج) صوفیہ کے نزدیک عشق مجازی میں گرفتار رہنا، ابتلاء میں مبتلا رہنا ہے۔ یہ حضرات مجاز میں گرفتاری کو مصیبت و آفت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ منزل نہیں ہے قدرت الٰہی نے انہیں مجاز سے نکال کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا اور جو لوگ صورت ظاہری اور ظاہر محسوسہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں، وہ برباد ہو جاتے ہیں۔

شیخ عطار فرماتے ہیں

ہر کہ شد در عشق صورت مبتلا
ہم ازاں صورت فتد در صد بلا

حاصل کلام یہ کہ حضرت نے ایک شادی کی تھی۔ اہلیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے جسے انہوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرما دیا۔ لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔

## تصانیف

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نوادر تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں، مگران میں سے ایک بھی دستیاب نہیں، بعض کے سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے۔

بہرحال ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) دیوان: اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کرلیا مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعہ اشعار عربی میں تھا یا فارسی میں اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا۔ اس کے باوجود کشف الاسرار کے واضع نے ان کا علی تخلص گھڑ کر ایک غیر معیاری غزل اور چند اشعار بھی شامل کردیئے ہیں۔

(۲) کتاب فنا و بقا: مسئلہ فنا و بقا میں۔

(۳) اسرار الخرق والمؤنات: ظاہری اور باطنی مرقع کے آداب میں اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں اسرار الخرق موالملونات درج ہے۔

(۴) الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ: مسائل توحید پر اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہ متوفی ۲۴۰ھ کی بھی ہے، جو کشف المحجوب کے ماخذوں میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسی (م ۲۴۳ھ) کی تصنیف بھی ہے جو لندن سے چھپ چکی ہے۔

(۵) کتاب البیان لاہل العیان: در معنی جمع و تفرقہ۔

(۶) نحو القلوب: مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے۔

(۷) منہاج الدین: طریقت تصوف اور مناقب اصحاب صفہ میں ہے اور حسین بن منصور حلاج کا حال بھی بیان کیا ہے۔ دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کرلیا۔

Marfat.com

(۸) ایمان: ایمان اور اثبات اعتقاد مشائخ پر ایک رسالہ لکھا، جس کا نام نہیں بتایا۔

(۹) شرح کلام منصور: حسین بن منصور حلاج کے کلام کی شرح ژوکوفسکی کا سہو...... فاضل موصوف نے حضرت شیخ کی تصانیف میں ایک نام فرق فرق دیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کشف المحجوب کے ایک باب کا نام ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب نے بغداد شریف کے نواح میں ملاحدہ کا ایک ایسا گروہ دیکھا جو حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کا مدعی تھا اور ان کے کلام سے اپنی زندیقیت کو سہارا دیتا تھا اور حلاج کے معاملہ میں مبالغہ کرتا تھا، جس طرح کہ روافض حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت میں غلو کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''اندر رد کلمات ایشاں بابی بیاورم اندر فرق فرق انشاء اللہ عزوجل۔''

''بابی بیاورم'' سے ژوکوفسکی کا ذہن ایک مستقل تصنیف کی طرف منتقل ہو گیا حالانکہ اس کی مصححہ ومحشی کشف المحجوب کا تیرھواں اور مطبوعہ سمرقند کا یہ چودھواں باب ہے۔

## کشف الاسرار

آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحب کی طرف منسوب ہے جو غالباً پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا۔ پھر اس کے متعدد اردو تراجم شائع ہوئے۔ طرفہ یہ کہ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحب کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استفادہ کرتے رہے حالانکہ یہ رسالہ بزبان حال اپنے وضعی ہونے کی خود شہادت دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں سیر حاصل مقالہ پھر کبھی لکھا جائے گا۔ سردست اس کی صرف نقاب کشائی کرنا مقصود ہے۔

(الف)۔ کشف الاسرار کے جعلی ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ یہ سبک ہندی میں ہے اور کشف المحجوب کی نثر دور اول یعنی دور سامانیاں کی ہے اور ان دونوں کی زبان میں

Marfat.com

فرق کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(ب)۔اس کا مؤلف اپنے پراگندہ خیالات کو ایک مشہور و معروف بزرگ کے نام سے مشتہر دیکھنے کا خواہاں تھا یا اپنے کسی بڑے (جیسا کہ حسام الدین کا نام لیا ہے) کو داتا صاحب سے پہلے کا بزرگ ثابت کر کے اپنی دکان چمکانا چاہتا تھا۔علمی اعتبار سے بھی بے مایہ ہے۔

(ج)۔یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے یعنی حضرت داتا صاحب کے کئی سو سال بعد......مگر کشف الاسرار کا واضع لکھتا ہے:

''وفہم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد مشت گرد ہستی۔'' (ص:۴)

ہفت ہزاری کی بات تو کچھ ایسی ہی ہے کہ آج کوئی صاحب اپنے اباجان کا تذکرہ لکھنے بیٹھیں تو یہ بیان فرمائیں کہ وائسرائے ہند نے انہیں اعلیٰ خدمات کے صلے میں ستارۂ خدمت کا خطاب عطا کیا تھا۔

(د)۔لکھا ہے:

''......پسری تولد شد امام بخش نام نہادند......'' (ص:۲)

ظاہر ہے کہ داتا صاحب کے زمانے میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

(ہ)۔آخر رسالہ میں تحریر ہے:

''از گفتہ من رنجی نہ کنی و غصہ نہ کنی کہ من راست گفتہ ام ع''

بر رسولاں بلاغ باشد و بس (ص:۸)

سعدی کا مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

(و)۔لکھا ہے:

''اے علی! ترا خلق می گوید گنج بخش و انہ پیش خود نہ داری در دل خود جا مدہ کہ پندار است گنج بخش و رنج بخش حق است۔'' (ص:۵)

Marfat.com

کشف الاسرار پر اعتماد کرنے والے مؤلفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شیخ علی ہجویری اپنی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب ہوگئے تھے مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے۔ مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ نے انہیں گنج بخش کہا، قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(ز)۔ اس وضاع (مؤلف کشف الاسرار) کی دین سے خبرداری ملاحظہ ہو:

''در تفسیر آمدہ است واز حسام الدین لاہوری شنیدم اگر مروی بر گور مادر و پدر سجود کند کافر می شود۔'' (ص:۳)

کشف الاسرار فارسی کے دو ایڈیشن اور متعدد اردو ترجمے پیش نظر ہیں، ان سب میں لفظ سجود موجود ہے مگر حال ہی میں ایک عالم نے اس کا ترجمہ شائع کرایا ہے جس میں ''سجود'' کا ترجمہ ''بوسہ'' دیا ہے۔ موصوف کو کسی تفسیر میں یہ مسئلہ ملتا تو تحریف کے مرتکب نہ ہوتے۔

اب کشف الاسرار اور کشف المحجوب کے بیانات میں تضاد ملاحظہ ہو:

کشف الاسرار

از قبلہ خود شنیدہ بودم زادمن ہجویر است۔ (ص:۴)

کشف المحجوب

علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری۔

یعنی ہجویر ان کا دوسرا مسکن تھا۔

کشف الاسرار۔

''معشوق بگریں و جان خود را فدای او کن و بگو کہ اگر جان در راہ او فدا شود بہ است...... (ص:۲)

Marfat.com

## کشف المحجوب

''من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از بس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم بہ تقدیر وی بفتنہ اندر افتادم وظاہر و باطنم اسیر وی شد کہ بامن کردند بی آن کہ رویت بودہ و یک سال مستغرق بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ مرا بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارۂ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمد للہ علی جزیل نعمائہ۔'' (طبع سمرقند ۴۲۷)

حضرت داتا صاحب عشق مجازی سے نجات پر خدا کا شکر بجالا رہے ہیں۔اس لئے کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کا خطرہ تھا مگر صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کر رہا ہے۔اگر اس سے عشق حقیقی مراد ہو تو بھی یہ داتا صاحب کا انداز بیان نہیں ہے۔

''صاحب کشف المحجوب گوید......'' (لطائف اشرفی دہلی جلد دوم ص:۱۹)

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ تعالیٰ (م۸۲۲ھ) نے اپنی مایہ ناز فصل الخطاب کی متعدد فصول اور مختلف مقامات پر کشف المحجوب کی عبارتیں نقل کی ہیں اور نہایت تعظیم وتکریم سے حضرت داتا گنج بخش کا ذکر کیا ہے۔ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''شیخ عالم، عارف، زاہد، مجاہد شیخ الشیوخ الطریقۃ کاشف اسرار الحقیقت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الغزنوی رحمۃ اللہ کہ از اقران سلطان طریقت و برہان حقیقت شیخ ابوسعید بن ابی الخیر فضل اللہ بن محمد بن احمد المیہنی است قدس اللہ تعالیٰ روحہ، واقتدائی ہر دو بزرگوار در طریقت بزین اوتاد و شیخ عباد ابوالفضل محمد بن الحسن الزحسی است قدس اللہ روحہ، در کتاب کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است...... (فصل الخطاب خطی ص:۶)

حضرت خواجہ پارسا رحمۃ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری اور حضرت

Marfat.com

ابوسعید بن ابی الخیر (رحمۃ اللہ) حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن سرخسی رحمۃ اللہ کے مرید تھے، صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے پیران طریقت کا ایک ہی نام تھا مگر مسکن علیحدہ علیحدہ...... محض ہم نامی کی وجہ سے انہیں یہ اشتباہ ہوگیا۔ حضرت ابوسعید کے حالات کے سلسلہ میں کشف المحجوب میں بتایا گیا ہے کہ ان کے مرشد سرخس میں رہتے تھے:

''دران وقت والی سرخس شیخ ابوالفضل حسن بود۔'' (طبع تہران ص:۲۰۶)

مولانا جامی قدس سرہٗ نے شیخ ابوالفضل بن حسن الرخسی قدس سرہٗ کے حالات کے شروع میں لکھا ہے:

''شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہٗ نام وی محمد بن الحسن است، وی مرید ابونصر سراج است، پیر شیخ ابوسعید ابوالخیر۔''

پھر شیخ ابوسعید کے حالات میں رقم فرمایا ہے:

''پیروی درطریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔'' (ص:۲۹۰)

ہم نامی کی وجہ سے جو التباس واشتباہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت جامی نے حضرت داتا صاحب کے مرشد ارشد کے حالات لکھتے وقت شروع ہی میں وضاحت کردی ہے:

''ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہٗ وی غیر ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔''

(مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۷۷۴(۲))

معلوم ہوتا ہے کہ فصل الخطاب، حضرت خواجہ یعقوب چرخی غزنی صاحب رسالہ ابدالیہ کے پیش نظر تھی، لہٰذا انہوں نے فصل الخطاب کے اس بیان پر اعتبار کرتے ہوئے لکھ دیا کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر اور حضرت علی ہجویری دونوں بھائی (پیر بھائی) تھے۔ اور خواجہ پارسا کے تتبع میں کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کا اضافہ بھی روا رکھا۔ کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کے اضافے پر بحث آگے آئے

Marfat.com

گی۔ انشاءاللہ۔

حضرت ابوفتح سید محمد حسینی گیسودراز قدس اللہ سرہ العزیز (م ۸۲۵ھ) نے اپنی بے مثل تصانیف میں کشف المحجوب کے حوالے دیئے ہیں۔ ان کے مکتوبات شریف کا مجموعہ پیش نظر ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آں محقق و مدقق آں شیخ برحق آ صوفی معنوی و صوری ابوعلی عثمان (علی بن عثمان) ہجویری قدسی نقل کردہ است۔'' (ص: ۸۰)

''معروف ترین کتب دی است و ہیچ کس رابروی جائے سخن نی، بلکہ پیش ازیں در کتب تصوف ہیچ کتابی بہ زبان فارسی تصنیف نہ شدہ بود۔''

محمد بن عبدالوہاب قزوینی (ایران) مقدمہ تذکرۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں:

''ولی زبان فارسی آں چہ در نظر است دو کتاب است کہ قبل از تذکرۃ الاولیاء تالیف شدہ، یکی کشف المحجوب الارباب القلوب الابی الحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی المتوفی سن ۴۶۵...... و دیگر ترجمہ طبقات الصوفیہ...... للسلمی کہ آں را شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الخزرجی المتوفی ۴۸۱ در مجالس وعظ و تذکیر املا نمودہ۔''

## کشف المحجوب...... بحیثیت ماخذ کتب تصوف

کشف المحجوب کو صوفیہ کرام کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں کا ماخذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ) نے تذکرۃ اولیاء میں کشف المحجوب سے صوفیہ متقدمین کے حالات اوران کے اقوال معمولی سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ نقل کیے ہیں۔ ملک الشعراء بہار نے لکھا ہے:

''عطار ظاہراً از کتاب کشف المحجوب استفادہ کردہ است و غالباً عبارات آں بدوں ذکر خود کتاب یا مؤلف با اندک تصرفی کہ تبدیل کہنہ بہ نو باشد نقل نمودہ است۔'' (سبک شناسی یا تاریخ تطور فارسی جلد دوم ص: ۲۶۰)

Marfat.com

ملک الشعراء بہار نے سبک شناسی (ص:۲۰۹-۲۰۶) میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش کی ہیں۔روسی مستشرق ژوکوفسکی کی تحقیق یہ ہے:۔

''شیخ عطادر تذکرۃ الاولیاء خودمکرراز کشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی استفادہ کردہ در موارد متعدد بدون ذکر ماخذ ازاواقتباساتی کردہ است و دراغلب ایں موارد فقط بذکر عبادت (قلست) اکتفاورزیدہ۔''

(طبع تہران ص:۶۰)

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیاء میں صرف دو مقام پر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ، کا اسم گرامی تحریر کر کے ان کے اقوال نقل کیے ہیں اول: سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م۱۵۰ھ) کے حالات میں۔ دوم: نفحات الانس میں مولانا جامی نے کشف المحجوب سے چند بزرگوں کے حالات لئے ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ ختلی قدس سرہٗ کے حالات کشف المحجوب ہی سے ماخوذ ہیں۔اسی طرح دیگر مقامات پر بھی اخذ و استفادہ کیا ہے۔اس موقع پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ زمانہ قدیم میں اخذ و ''استفادہ'' کا یہی طریقہ تھا لہٰذا اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ (م۷۸۲ھ) اپنے مکاتیب شریفہ میں کشف المحجوب کی عبارات بطور سند نقل کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

''صاحب کشف المحجوب کہ مقتدائی عصر خود بودہ است۔''

(سہ صدی مکتوبات طبع لاہور جلد دوم ص:۵۸)

حضرت مخدوم سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ (م بعد از ۸۲۵ھ) کے مجموعہ ملفوظات لطائف اشرفی مرتبہ حضرت نظام غریب یمنی میں متعدد مقامات پر کشف المحجوب کے حوالے ملتے ہیں۔ مثلاً:

''می فرمودند کہ صاحب کشف المحجوب را...... (ص:۱۵)

Marfat.com

## کشف المحجوب......صوفیہ کرام اور مورخین کی نظر میں

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرۂ (م ۷۲۵ھ) کی نہایت اہم رائے ان کے ملفوظات درر نظامی (خطی) مرتبہ شیخ علی محمود جاندار میں درج ہے۔

''وی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسے را پیری نہ باشد، چوں ایں را مطالعہ کند اورا پیدا شود...... من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ۔''

چنانچہ حلقہ بگوشاں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، جن کتب تصوف کے مطالعہ کے شائق تھے، ان میں کشف المحجوب شامل تھی، برنی لکھتا ہے:

''اشراف واکابر کہ بخدمت شیخ پیوستہ بودند در مطالعہ کتب سلوک وصحائف احکام طریقت مشاہدہ می شد و کتاب قوت القلوب واحیاء العلوم وترجمہ احیاء العلوم وعوارف وکشف المحجوب وشرح تعرف ورسالہ قشیری ومرصا والعباد ومکتوبات عین القضاۃ ولوائح والوامع قاضی حمید الدین ناگوری وفوائد الفواد امیر حسن رابواسطہ ملفوظات شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند ومردمان پیشتر از کتابیان از کتب سلوک وحقائق باز پرس کردند۔''

(تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ایڈیشن ص:۳۴۶)

سلطان التارکین حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ (م ۷۳۷ھ) خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد ارشد (حضرت رکن الدین) کی شان میں متعدد مدحیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایک نظم میں اپنے مرشد کے کمالات کو تمیں معتبر کتب کے اسماء سے بیان کیا ہے۔ کشاف اور کشف المحجوب کی بندش ملاحظہ ہو:

گشت کشاف کشف ہم محجوب
فہم تو اے فہیم ذوالاقدار

شہزادہ دارالشکوہ (م ۱۰۶۹ھ) نے لکھا ہے:

''حضرت پیر علی ہجویری راتصانیف بسیاراست اما کشف المحجوب مشہور ومعروف است وہیچ کس رابران سخن نیست ومرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں درزبان فارسی کتابی تصنیف نہ شدہ۔

(سفینۃ الاولیاء ص:۱۶۴)

شیخ محمد اکرم براسوی صابری علیہ الرحمۃ (م ۱۱۵۹ھ) اپنی مشہور تصنیف اقتباس الانوار جو ۱۱۴۲ھ میں لکھی گئی، میں رقم طراز ہیں:

''صوفیہ کے طبقہ اول میں علوم واسرار مشائخ، طالبوں کو رموز واشارات میں تعلیم کئے جاتے تھے اوران پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور چند تصانیف بھی ان کی تھیں جنہیں عوام پر ظاہر نہیں کرتے تھے مگر طبقہ ثانی میں جب سیّد الطائفہ جنید بغدادی، خواجہ ابوالحسن نوری، خواجہ ابوسعید خراز اور خواجہ ابوبکر شبلی کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے رموز واشارات یعنی اخفا کے طریقہ کو ترک کرکے طالبوں کو ان علوم کا علانیہ درس دینا شروع کردیا۔ اس وقت سے ہر سلسلہ کے مشائخ نے تصوف پر کتابیں لکھنا شروع کردیں، جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی لہٰذا اس موقع پر صرف ان چند معتبر کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن کا مطالعہ جمیع مشائخ کا معمول ہے۔ پہلی کتاب جو خانوادہ جنیدیہ میں لکھی گئی طبقات صوفیہ تصنیف ابوعبدالرحمان سلمی ہے اور اس کے بعد شیخ علی بن عثمان ہجویری، غزنوی، جنیدی نے کشف المحجوب لکھی......'' (ص:۲۹)

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

''شیخ علی ہجویری راتصانیف بسیارات اما کشف المحجوب از مشہور واستفادہ کیا اور طالبان حق کو اس سے مستفید ہونے کی تلقین فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں ناقصوں اور کاملوں کے لئے سامان ہدایت موجود ہے اور اس کے برعکس بعض کتب تصوف فصوص الحکم وغیرہ میں صرف خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے رہنمائی ہے اور ناقصین کے لئے

Marfat.com

حیرانی و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

## وجہ تسمیہ و کیفیت کشف المحجوب

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے جو انہوں نے جناب ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ کی درخواست پر لکھی اور ان کے سوالات کی اساس پر یہ نورانی صحیفہ تیار ہوا۔ اس مبارک کتاب کی وجہ تسمیہ اور غایت تصنیف حضرت شیخ کے قلم اعجاز رقم نے یہ لکھی ہے:

''یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کو کشف المحجوب (پنہاں کو عیاں کرنے والی) کے نام سے موسوم کیا ہے، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے موضوع اور مطالبہ کو عیاں کر دے اور اہل بصیرت اس کا نام سنتے ہی جان لیں کہ اس میں کیا ہے اور یہ واضح رہے کہ اولیاء اللہ اور عزیزان بارگاہ خداوندی کے سوا تمام عالم (وعالمیاں) رموز اسرار خداوندی کے حقائق کو سمجھنے سے محجوب و مستور ہیں، چونکہ یہ کتاب سیدھی راہ بتانے اور عارفانہ کلمات کی تشریح و توضیح اور بشریت کے حجاب رفع کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لہٰذا اسے کسی اور نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حجاب کا اٹھنا محجوب (پوشیدہ) کی موت ہوتا ہے اسی طرح حجاب کا آنا مکاشف (ظاہر شدہ) کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے......'' (طبع تہران ص:۴)

حضرت نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تحریر فرمائی اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔ وہ ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں:

''اس وقت اس سے زیادہ ممکن نہیں، اس لئے کہ میری کتابیں غزنی (حرسا اللہ) میں رہ گئی ہیں اور میں ہند کے شہر لاہور میں جو مضافات ملتان سے ہے، ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔'' (طبع سمرقند ص:۱۱۵)

Marfat.com

حضرت نے اپنی کتابوں کے غزنی رہ جانے کا جو ذکر کیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان کے پاس کتابیں بالکل نہیں تھیں بلکہ وہ شاکی اس کے ہیں کہ ایک متجر عالم اور فاضل مصنف کو جس بہتات سے کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہاں پوری نہیں ہوسکتی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''امام قشیری کی طرح شیخ ہجویری نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیخ کے خیالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گہرائی ہے۔ تصوف کی کتابیں اب تک عربی میں تھیں اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا، یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی، حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے۔'' (تاریخ مشائخ چشت ص:۹۸)

پھر لکھتے ہیں:

''شیخ ہجویری کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔''

(ص:۹۹)

''شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویری نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچایا۔''

چوں در ہندوستان آمدم نواحی۔۔۔راجنت شال یافم......

(کشف الاسرار ص:۳)

من اندر دریا ہندر بلدہ مہانور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم (طبع سرمد ص:۱۱۵)

Marfat.com

کشف المحجوب کی عبارت تو یہ واضح کر رہی ہے کہ حضرت داتا صاحب لاہور میں اپنے آپ کو ناجنسوں میں قید سمجھ رہے ہیں اور کشف الاسرار ان کے لئے اس ماحول کو جنت مثال قرار دے رہی ہے اور داتا صاحب کے زمانے میں لاہور کو لہانور یا لہاور وغیرہ لکھا جاتا تھا۔ لاہور اس وقت نہیں لکھا جاتا تھا۔

کشف الاسرار سے واضح ہے کہ یہ انداز بیان اور طرز زندگی صاحب صحو داتا صاحب کا نہیں ہے اور انہوں نے اپنے دیوان کے سرقہ کا ذکر بڑے دکھ کے ساتھ کیا ہے۔ نیز پوری کشف المحجوب میں اپنا کوئی شعر درج نہیں کیا مگر اس وضاع نے ایک غیر معیاری غزل اور دو شعر بھی ان کے سر منڈھ دیئے ہیں۔

## کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف میں کشف المحجوب، جو انہوں نے آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے، مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیائے متقدین کے حالات بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ کشف المحجوب کاملین کے لئے رہنما ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے اور شک و شبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس نادر و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی، وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ اکابر اولیاء کے ان مکاتیب شریفہ کا متن اغلاط سے پر ہے۔ مصحح نے تصحیح کی امکانی کوشش کی ہے مگر پھر بھی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ حضرت داتا صاحب کے اسم گرامی کو جو "ابو علی عثمانی"

Marfat.com

لکھا ہے یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

شیخ محمد اکرم صابری رحمۃ اللہ نے اقتباس الانوار کے مانندوں کی فہرست اس کے صفحہ ۳ پر دی ہے جس میں کشف المحجوب کا نام درج ہے۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے:

"در تالیف وتدوین ہیبۃ الاولیاء خزینۃ الاصفیاء، نامہ دانشوران وطرائق الحقائق نیز از کشف المحجوب استفادہ ہای بسیار اقتباسات مکرر ومتعدی شدہ است۔"

## مراجع ومنابع کشف المحجوب

کشف المحجوب سے استفادہ استفاضہ کرنے والے اولیاء کرام اور مورخین کے ذکر کے بعد حضرت گنج بخش قدس سرہٗ کی اس نورانی تصنیف کے مراجع ومنابع کا بیان اشد ضروری ہے۔

(الف) فیض عالم قدس...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت عطا کرے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔" (الانعام ع ۱۵)

**افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه** یعنی جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو، وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہوتا ہے...... اور جسے حق تعالیٰ شرح صدر کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اسے اپنے انوار وتجلیات سے نوازتا ہے اور عالم قدس سے جو انوار اس کے قلب پر وارد ہوتے ہیں، ان کی برکات سے کشف حقائق ہوتا ہے اور رموز حقیقت واسرار معرفت منکشف ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کا صحیح فہم وادراک حاصل ہوتا ہے۔ غرض کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف میں کا منبع اول یہی فیض عالم قدس ہے۔

(ب) قرآن مجید۔

(ج) احادیث نبوی: (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

Marfat.com

پروفیسر ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کے دقیق مطالعہ کے بعد اس کے منابع و ماخذ تلاش کئے ہیں اور اپنے محققانہ مقدمہ کشف المحجوب میں اس کے نام درج کئے ہیں۔

۱۔ تاریخ اہل صفہ: تالیف حضرت ابوعبدالرحمان سلمی متوفی ۴۱۲ھ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس تالیف کا نام نہیں لکھا مگر تاریخ اہل الصفوۃ کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ زیر بحث کتاب ہی ہو۔

۲۔ کتاب سلمی: جو بعد میں طبقات الصوفیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

۳۔ کتاب قشیری: جو الرسالۃ اشیریہ کے نام سے معروف ہے۔

۴۔ کتاب محبت: تالیف عمر بن عثمان متوفی ۲۹۷۔۲۹۶ھ شیخ عطار نے بھی تذکرۃ الااولیاء میں اس سے استفادہ کیا ہے۔

۵۔ لمع: (فی التصوف) تالیف ابونصر سراج (یافعی نے مراۃ الجنان میں لکھا ہے کہ اس کا سال اتمام تصنیف ۳۸۷ھ ہے۔)

۶۔ تاریخ المشا: تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی۔

۷۔ کتاب مقدسی: ممکن ہے کہ یہ وہی رسائل اخوان الصفا ہوں جن کے مؤلفین میں سے ایک ابوسلیمان البتی المقدسی ہے۔

۸۔ حکایات عراقیاں: از تصانیف شیوخ صوفیہ عراق۔

۹۔ حکایات: حضرت علی ہجویری قدس سرہ نے کشف المحجوب میں بار بار فرمایا ہے: ''اندر حکایات یافہم''...... بنابریں یہ واضح ہے کہ یہ کتاب کشف المحجوب کے ماخذوں میں سے ہے۔

## منابع درجہ اول

مشہور اور اہم کتابیں جو کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت دوسرے درجہ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر ہیں ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ تصانیف حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ، کشف المحجوب کے بیان کے مطابق ان

Marfat.com

کی تعداد پچاس اور اقطار و اکناف خوزستان، فارس اور خراسان میں منتشر ہو چکی ہیں۔

۲۔ تالیف ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی......

۳۔ رسائل ابوالعباس سیاری: حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ نے ان کے پیروؤں کو مرو اور نساء میں دیکھا، لہٰذا یہ رسائل بھی ان ہی شہروں میں دیکھے ہوں گے۔

۴۔ رسائل حکیم ترمذی: یہ رسائل حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی توجہ کا مرکز رہے اور ان کے نام یہ ہیں: بیان آداب المریدین، ختم الولایت، کتاب النہج، نوادر الاصول (فی معرفت اخبار الرسول)

۵۔ کتاب سماع: از عبدالرحمان سلمی۔

۶۔ روایات: از ابوالفضل ختلی مرشد ہجویری رحمۃ اللہ۔

۷۔ غلط الواجدین: از تصانیف ابو محمد رویمی۔

اب ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مستقلاً حضرت ہجویری قدس سرہٗ کا مراجع نہیں رہیں بلکہ کبھی کبھی ان کی طرف رجوع کیا گیا:

۱۔ تصحیح الارادو: از تصانیف حضرت جنید بغدادی قدس سرہ۔

۲۔ الرعایہ حقوق اللہ: از تالیف احمد بن خضرویہ۔

۳۔ کتاب اندر اباحت سماع: مؤلف نامعلوم۔

۴۔ کتاب اندر مرقع: از تصانیف ابو معمار اصفہانی۔

۵۔ کتاب رغایب: از تصانیف ابوعبداللہ الحارف بن اسد المحاسی، در اصولی تصوف (کشف، ص ۱۳۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۶۔ مراۃ الحکماء: از تصانیف شاہ شجاع کرمانی۔

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مذکورۃ الصدر کتب و رسائل کے علاوہ اور تصانیف (توالیف بھی صاحب کشف المحجوب کے زیر نظر رہی ہیں جن کے مصنفین و مؤلفین کے صرف اسماء گرامی تحریر کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ مثلاً تصانیف یحییٰ رازی

Marfat.com

(کشف، ص ۱۵۳) تالیف ابوبکر وراق۔ آثار سہل بن عبداللہ۔ (کشف، ص ۴۳۹) کتب مشائخ اورابوحمدون قصار وصوفیہ قصاریان کے اقوال مکرر نقل کئے ہیں۔

## رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب

حضرت امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہ، (م ۴۶۵ھ) حضرت شیخ علی ہجویری کے معاصر ہیں اور حضرت مخدوم ہجویری نے ان سے ملاقات بھی کی ہے اور کشف المحجوب میں ان کی جلالت شان کے معترف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت داتا صاحب کے استاد بھی ہیں مگر کشف المحجوب سے اس خیال کی تائید وتصدیق نہیں ہوتی۔ امام قشیری نے الرسالہ اثیریہ ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اوائل ۴۳۸ھ میں مکمل کرلیا تھا، اور رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت حضرت داتا صاحب کے پیش نظر تھا۔ یہ دونوں کتابیں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ہم عصر بزرگوں کی تصانیف ہیں۔ ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے اسے سمجھنے کے لئے درج ذیل آراء مفید ثابت ہوں گی:

ڈاکٹر پیر محمد حسن مترجم ومحشی رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں:

"ہجویری نے اس کتاب (کشف المحجوب) میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں۔"

(مقدمہ رسالہ قشیریہ)

مخدومی پیر صاحب نے حضرت داتا صاحب کو امام قشیری کا متبع لکھنے کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ شیخ ہجویری نے "بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں"، مگر کشف المحجوب کا مصحح اور مقدمہ نگار ژوکوفسکی حضرت داتا صاحب کو امام قشیری کے شیوخ صحبت میں شمار کرنے کے باوجود یہ تسلیم نہیں کرتا کہ ہجویری نے اپنے تصنیف میں قشیری کا تتبع کیا ہے، لکھتا ہے:

"الرسالۃ الشیریہ فی علم التصوف الامام العالم ابی القاسم عبدالکریم بن ہازان اشیری وکشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی، اولی تبازی و رومی بپارسی،

ہر دو از کتب طراز اول تصوف، و ہر دو در حدود واسطہ قرن پنجم ہجری تالیف شدہ است، باوجود وحدت کامل موضوع، ہر بحث، نہ در کیفیت وکیت مسائل مورد نظر، و نہ در تعبیر وتفسیر مطالب مطروحہ ہیچ گونہ وجہ اشتراکی بین ایں دو اثر نفیس واصیل مشاہدہ نمی شود، فقط گاہ گاہی در بعضی اصطلاحات فنی اندک مشابہتی بین آں دو ملاحظہ می گردو (فی المثل قشیری می گوید: المحو والاثبات، ص ۴۶، رسالہ) وہجویری می نوید: النفی والاثبات (ص ۴۹۴ کشف، لاغیر۔" (ترجمہ مقدمہ کشف المحجوب لاسی بغاری طبع تہران ص ۵۷)

عبدالماجد دریابادی، جو رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب میں سے کسی کے بھی دیباچہ نگار نہیں ہیں۔ان کی رائے یہ ہے:

"اس کتاب کی تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ اشیریہ ہے۔ موضوع اس کا بھی تصوف ہے، دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدین کے اقوال وحکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، بہ خلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ، مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں اور مباحث سلوک پر ردوقدح کرنے میں تامل نہیں کرتے، اسی لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات وحکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔" (تصوف اسلام)

## سبک کشف المحجوب

ملک الشعراء بہار نے کشف المحجوب کی نثر کو دور اول یعنی دور نارسامانیاں میں شامل کیا ہے، لکھتے ہیں:

"ایں کتاب از حیث سبک بالاتر واصیل تر وبہ دورہ اول نزدیک تر است، تا سائر کتب صوفیہ، ومی تواں آں را یکی از کتب طرز اول شمرو کہ ہر چند در

Marfat.com

قرن پنجم تالیف شدہ وبیش از کتب قدیمہ دست خوش تازی ولغت ہای آں
زمان ست ، امابازنمونہ سبک قدیم را از دست نہ وادہ درو بیہم رفتہ وارای
سبک کہنہ است۔ افعال ولغات کہنہ وغریب واستعمالات دورہ اول تمہامہا
مہاورین کتاب دیدہ می شودوازیں گزشتہ اصطلاحات خاصی نیز ازخودوارد
کہ غالب آن بابعدازیں درکتب تصوف مصطلح گردیدہ است۔''
اس کے بعد ملک الشعراء نے ذیل کے عنوانات کے تحت دادتحقیق دی ہے:
''لغات فارسی نے اصطلاحات وکلمات تازہ عربی۔ موازنہ وسجع...... حذف افعال
لقرینہ۔''

## کشف المحجوب کے نام اور نام کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ

کشف المحجوب کے تمام قدیمی خطی نسخوں میں اس کا پورا نام کشف المحجوب ہی لکھا ہے اور قدیم ترین مصنفین نے بھی اس کا یہی نام تحریر کیا ہے، مگر بعض مصنفین نے اس کا پورا نام کشف المحجوب لارباب القلوب سمجھا ہے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصل الخطاب میں یوں لکھا ہے:

''درکشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است۔ (ص ۱۸۷۔۱۹۷)

چونکہ کشف المحجوب حاجی خلیفہ کے پیش نظر نہ تھی، اس لئے انہوں نے کشف الظنون میں اس کا نام اور کیفیت فصل الخطاب سے نقل کی۔ ژوکوفسکی لکھتا ہے:

''داریں مورومی توان گفت کومشارٌ الیہ ( حاجی خلیفہ ) اصلاً خودمتن کتاب
کشف المحجوب راندیدہ بودہ است، زیرمعمولاً حاجی خلیفہ ہنگام بحث از
کتابہائی کہ شخصاً برای العین ویدہ، آغاز وانجام نسخہ نیز نقل می کندولی
درمورد کشف المحجوب چنیں چیزی نیاوردہ است۔''

لہٰذا کشف الظنون پر اعتماد کرتے ہوئے متاخرین نے اس کا نام کشف المحجوب لارباب القلوب لکھنا شروع کردیا۔ پھر لکھا ہے:

Marfat.com

''خواجہ محمد پارسا از عرفای طریقہ نقشبندیہ متوفی ہشت صد و بیست و دو ہجری قمری، کہ در حدود دو قرن قبل از حاجی خلیفہ می زیستہ، در تالیف خود بنام فصل الخطاب لوصل الاحباب اظہار داشتہ کہ کشف المحجوب عنوان اختصاری کتاب ہجویری است و نام کامل آں چنیں می باشد: کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب۔''

اور حاشیہ میں لکھا ہے:

''درفہرست آغاز نسخہ بدین عنوان آمدہ: کتاب کشف سرالمحجوب لارباب القلوب با اضافت کلمہ ''سر'' ۲ (نسخہ خطی دانش گاہ۔ لینن گراڈ)

اس اقتباس میں ژوکوفسکی کی دو باتیں محل نظر ہیں:

اول یہ کہ فصل الخطاب کے نام کے ساتھ لوصل الاحباب کا اضافہ غلط ہے۔ اس کتاب کا جو قلمی نسخہ راقم السطور کے پیش نظر ہے اس سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔

دوم حاجی خلیفہ نے اس کا نام فصل الخطاب فی المحاضرات لکھا ہے۔

پھر آگے چل کر ایک اور کتاب کا تعارف کرایا ہے جس کا نام فصل الخطاب الوصل الاحباب ہے۔ کشف الظنون کو عبارت ملاحظہ ہو:

''فصل الخطاب لوصل الاحباب...... منظومہ فی اثنی عشرت الف بیت فلشیخ بدرالدین محمد بن المعروف بابن رضی الدین الغزنوی'' (م ۹۸۴)

معلوم ہوتا ہے کہ ژوکوفسکی کو کشف الظنون دیکھتے وقت غلطی لگی ہے۔ دوسرے جو یہ لکھا ہے:

''فصل الخطاب میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشف المحجوب اختصاری نام ہے اور پورا نام کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب ہے۔''

عجیب بات ہے...... ۱۱۷ صفحات پر مشتمل فصل الخطاب پیش نظر ہے، اس میں ہمیں تو ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ملا۔ اس کتاب میں ساٹھ ستر جگہ کشف المحجوب کے اقتباسات

Marfat.com

صرف کشف المحجوب کے نام سے نقل ہوئے ہیں، بلا کسی وضاحت کے اور صرف دو مقام پر اس طرح کی نام نظر آتے ہیں:

۱۔ ''کشف المحجوب لارباب القلوب۔''

۲۔ ''کشف حجب المجب لارباب القلوب۔''

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ پارسا جوش عقیدت اور کتاب کے موضوع کی مزید وضاحت کی خاطر اپنی طرف سے الفاظ بڑھاتے رہے ہیں جیسا کہ نسخہ مخزونہ دانش گاہ لینن گراڈ کی فہرست میں ایک تیسرا اضافہ یہ ہے:

''کشف سرالمحجوب لارباب القلوب۔''

غرض کہ فصل الخطاب کے مطالعہ ہی سے رسالہ ابدالیہ اور کشف الظنون کے مؤلفین کو اشتباہ ہوا ہے وگرنہ حضرت داتا صاحب کی کتاب کا نام صرف اور صرف کشف المحجوب ہی ہے۔

پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ یونیورسٹی) ۱۹۳۱ء میں کابل گئے تو بقول ان کے حضرت نور المشائخ ملا صاحب شور بازار رحمۃ اللہ نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا۔ عربی اصل ضائع ہوگئی، فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس رائے کو قبول کرلیا اور آخر تک اس پر قائم رہے۔

خدا جانے حضرت نور المشائخ نے کیا فرمایا اور انہوں نے کیا سمجھا۔ بہر حال یہ رائے بالکل غلط ہے۔ اس کتاب کی نثر سبک قدیم میں ہے، جو بعد میں نہیں لکھی جا سکتی تھی۔ نیز قدیم کتابوں میں جو اس کے اقتباسات ملتے ہیں وہ بالکل اس کے مطابق ہیں۔

## کشف المحجوب فارسی کے مطبوعہ نسخے

اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کی خطی نسخے بہت جلد اطراف واکناف

Marfat.com

عالم میں پھیل گئے تھے جیسا کہ تذکرۃ اولیاء میں اس کے حوالے سے ملتے ہیں اور اس کے قلمی نسخے دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں اور بعض لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں مگر بخوف طوالت اس وقت ان کی تعداد اور ضروری کوائف بیان نہیں کیے جاسکتے۔ صرف مطبوعہ فارسی نسخوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ کشف المحجوب: مطبوعہ پنجابی لاہور، صفحات ۲۶۷ راقم الحروف کے سامنے اس کا جو نسخہ (مملوکہ میاں محمد الدین کلیم) ہے۔ اس کا پہلا صفحہ بوسیدہ ہونے کے باعث سن طباعت بچشم خود پڑھ نہیں سکا۔ ڈیوگن نے اپنے مضمون میں اس کا سن طباعت ۱۸۷۴ء دیا ہے۔ (جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ جلد ۸۔ ۱۹۴۲ء)

۲۔ مطبوعہ بہاولپور پریس لاہور سن طباعت ندارد، صفحات ۳۲۸۔ اس نسخہ میں مطبع پنجابی کے نسخہ کے حواشی من وعن درج ہیں گویا یہ اسی کی نقل ہے۔ یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے اس پر سن طباعت درج نہیں، مگر ڈیوگن نے اس کا سن طباعت ۱۹۰۳ء دیا ہے۔ خدا جانے اس نے یہ کیسے جانا۔ بہر حال یہ نسخہ ہے خاصا قدیم۔

۳۔ مطبعہ مطبع نامی کرامی حرمت مند سلیانوف (سمرقند) سن طباعت ۱۳۳۰/ ۱۹۱۲ء، یہ نسخہ بہت شوق سے چھاپا گیا ہے اور آخر میں مصنف کے سوانح داراشکوہ کی ہیبت الاولیاء سے نقل کر دیے گئے ہیں۔

۴۔ مطبوعہ مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء، صفحات ۳۲۹ یہ نسخہ نمبر ا اور ۲ کی نقل ہے اور اس کے مصحح ہیں۔ مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔ آخر میں مصنف کے مختصر سوانح بزبان فارسی مرقومہ منشی حبیب اللہ درج ہیں اور یہ نسخہ سن مذکورہ میں دوبار طبع ہوا۔

۵۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت ۱۹۳۱ء، صفحات ۳۲۸۔

۶۔ نسخہ ژوکوفسکی مطبوعہ لینن گراڈ (روس) سن اشاعت ۱۳۴۴ھ /۱۹۲۶ء صفحات

Marfat.com

مع فہارس ۷، ۶ یہ سکہ اس کے مرتب پروفیسر اتیسن ژوکوفسکی (م ۱۹۱۸ء) کی تصحیح، مقدمہ بزبان روسی اور ضمیمہ ہشت فہارس کے لحاظ سے سب نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ چونکہ اس کے صرف اڑھائی سو نسخے طبع ہوئے تھے، اس لئے نایاب کے حکم میں داخل ہے۔ راقم نے بھی اس کی زیارت نہیں کی۔

۷۔ نسخہ ژوکوفسکی طبع تہران۔ ژوکوفسکی کا تصحیح کردہ نسخہ ادارہ انتشارات امیر کبیر تہران نے ۱۳۳۶ شمسی / ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ ژوکوفسکی کے مقدمہ کو فارسی میں منتقل کر کے شامل کیا گیا ہے۔ فاضل محمد لوی عباسی نے اس کے ابتداء میں دو مقالے ''تجلیات تصوف ایرانی'' اور ''تحقیقات نوین راجع بکشف المحجوب'' شامل کر کے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ محمد لوی عباسی کے پہلے دو مقالے اور ژوکوفسکی کا مقدمہ ۶۲ صفحات کو محیط ہیں اور متن کتاب کے ۵۴۶ صفحات ہیں۔ آخری آٹھ فہرستوں کے ۶۱ صفحے ہیں، غرض کہ یہ بہترین نسخہ ہے۔

۸۔ مطبوعہ نامی پریس لاہور۔ سن اشاعت ندارد، صفحات ۲۳۸، کاغذ اور صحت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔ اس پر سن اشاعت تحریر نہیں۔ لیکن راقم کو معلوم ہے کہ قریباً ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کے آخر میں ۲۸ صفحات پر مشتمل فصول و ابواب کی وضاحتی فہرست موجود ہے۔

۹۔ نسخہ مولوی محمد شفیع۔ مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز، لاہور۔ سن طباعت ۱۹۶۸ء صفحات ۴۸۱، ناشر احمد ربانی۔ اس کے شروع میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی نشری تقریریں بطور پیش لفظ اور مقدمہ دے دی گئی ہیں۔ چونکہ یہ نسخہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبہ نسخے کی نقل بتایا جاتا ہے اس لئے حضرت زکریا قدس سرہ کے حالات زندگی مرقومہ مولوی صاحب موصوف بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ مگر اہل علم اس خطی نسخے کا حضرت زکریا سے انتساب صحیح نہیں سمجھتے۔ مولانا نور احمد خاں فریدی مؤلف تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا و مؤلف کتب کثیرہ رقم فرماتے ہیں:

Marfat.com

"العزیز بہاولپور کے شمارہ فروری ۱۹۴۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں صاحب مضمون نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے سیّد علی ہجویری کی مشہور عالم تصنیف کشف المحجوب کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا۔ یہ قیمتی نسخہ جیسا کہ صاحب مضمون نے تحریر کیا، پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔اے مترجم عجائب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا، خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی، لیکن اس گنج شائیگاں کا پتا نہیں چل سکا۔ حال ہی میں جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے کشف المحجوب کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی۔ انہوں نے اس نسخے کا پہلے اور آخری صفحے کا عکس بھی دیا ہے مگر اسے حضرت شیخ الاسلام سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام ۶۶۴ھ درج ہے، حالانکہ حضرت کا سن وصال بالاتفاق ۶۶۱ھ ہے۔ دوسرے یہ کہ دستخط کی عبارت بہاء الدین زکریا پر مشتمل ہے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام کا نام صرف زکریا ہے، ابو محمد کنیت اور بہاؤ الدین لقب ہے۔ کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ اپنے قلم سے لقب نہیں لکھا کرتا چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام جیسی منکسر المزاج شخصیت اپنے نام سے پہلے شہرت پانے کے لیے بہاؤ الدین لکھنا پسند کرتی۔ لہٰذا اس قلمی نسخے کا حضرت سے انتساب صحیح نہیں۔" (تاریخ ملتان جلد اول ص ۱۸۶۔۱۸۵) مولانا فریدی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت کا سن وصال ۶۶۱ھ ہے" صحیح نہیں اختلاف ہے، کسی نے ۶۶۱ھ تو کسی نے ۶۶۶ھ لکھا ہے۔ اگر ۶۶۶ھ ہی کو صحیح قرار دے دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹۵ برس سے کچھ اوپر ہوگی۔ کیا اس عمر میں وہ اتنی ضخیم کتاب کی نقل کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے؟ نیز طرفہ یہ کہ ترقیمہ میں بہاؤ الدین کو بہاؤ الدین واؤ کے اضافہ کے ساتھ اور زکریا کو ذال کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ہرگز ہرگز اس طرح کی غلطیاں نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا اس نسخے کا حضرت شیخ الاسلام کی طرف انتساب کاتب کا جعلی ہے۔

Marfat.com

بہر حال یہ نسخہ صحت کے اعتبار سے سمرقندی نسخہ سے بہتر ہے۔

## تراجم

پروفیسر نکلسن (م ۱۹۵۶ء) نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۱۱ء میں گب میموریل لندن نے شائع کیا۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن چھپا۔ پھر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۷ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی چار بار چھپ چکا ہے۔

بیس سے زائد اردو تراجم چھپ چکے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بارہا شائع ہوئے، اس وقت ان سب تراجم کی تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔

## سیاحت

مردان خدا کی زیارت اور مزارات اولیاء اللہ سے استفادہ کی غرض سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ جو مشاہدہ کی دولت سے نوازتا ہے۔ حضرت داتا صاحب نے یہ مجاہدہ بھی حد کمال کو پہنچا دیا، قریباً تمام عالم اسلام کی سیاحی اور وقت کے اعاظم مشائخ وصوفیہ سے اکتساب فیض کیا۔ انہوں نے جن جن ملکوں اور شہروں کے بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، اس کا ذکر کشف المحجوب میں کیا ہے۔ ان اماکن کی نامکمل فہرست درج ذیل ہے:

ماوراء النہر، آذربائیجان، بسطام، خراسان، کمش، کمند، نیشاپور، بخارا، سمرقند، سرخس، طوس، فرغانہ، شلاتک، اوزکند، مینہ، مرو، ترکستان، پاک وہند۔

کشف المحجوب حضرت داتا صاحب کا سفرنامہ نہیں ہے۔ اس میں ان کے سفر وسیاحت کا ذکر ضمناً ہوتا چلا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے اتنے ہی ملکوں اور شہروں کی سیاحی کی جن کے نام ان کی کتاب میں مذکور ہوئے ہیں۔ ان کا سفر پاک وہند بھی صرف اسی حد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ غزنی سے چل کر لاہور پہنچ

گئے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاک وہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی۔ یہاں کے علماء سے ملے تھے یہاں کی تہذیب وتمدن، رسم ورواج اور ہندوؤں کے عقائد سے گہری واقفیت حاصل کی تھی۔ فنا وبقاء کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں میرا ایک عالم سے مناظرہ ہوا تھا:

''ہندوستان کے اندر میں نے ایک شخص دیکھا جو تفسیر وتذکیر اور علم کا مدعی تھا اس نے مجھ سے فنا وبقاء کے مسئلہ پر مناظرہ کیا، جب میں نے اس کی تقریر سنی تو معلوم ہوا کہ یہ خود فنا وبقاء کو بالکل نہیں سمجھتا اور قدیم ومحدث کے فرق کو بھی نہیں جانتا۔'' (کشف، تہران)

حلولیہ کے عقائد باطلہ کے بیان میں روح کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...... اور جملہ اہل ہندوتبت اور چین وماچین یہی عقیدہ رکھتے ہوں۔ شیعوں، قرامطیوں اور باطیوں کا بھی اسی پر اجماع ہے۔......''

محبت کی شہرت اور تعریف کی بحث کے دوران سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ سے ہنود کی قلبی ناراضی اور ان کی بے بسی کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا ہے:

''ہندوؤں کے نزدیک محبت کی قید محمود کی قید سے بھی زیادہ مشہور ہے...... اور محبت کا زخم اور داغ ہندوؤں کے نزدیک اس زخم سے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے جو محمود نے انہیں لگایا تھا۔''

باب سماع الاصوات والالحان میں رقم طراز ہیں:

''مشہور ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں، جو جنگل میں جا کر گاتے اور سریلی آوازیں نکالتے ہیں۔ ہرن جب ان کے غنا اور لحن کو سنتے ہیں تو وہ ان کی طرف آجاتے ہیں اور (شکاری) ان کے گرد گھوم کر گاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہرن گانے کی لذت

سے مست ہو کر آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور وہ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔"

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

"میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا تھا اور اس کی زندگی اسی زہر پر موقوف تھی۔"

غرضیکہ انہوں نے بے سرو سامانی میں پاپیادہ اس قدر سفر کیے کہ آج کے ذرائع میں ایک بے سرو سامان فقیر کے لئے ان کا تصور بھی ناممکن ہے، چنانچہ لعل بیگ لعلی لکھتا ہے:

"مسافرت بسیار نمودہ و ریاضت و مجاہدات شاقہ کہ از طاقت بشری بیرون بود، کشیدہ۔" (ثمرات القدس خطی مملوکہ نصرت نوشاہی شرقپور شریف)

## لاہور میں ورود مسعود

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

داراشکوہ نے لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے تجرید و توکل کی بنیاد پر بارہا طویل سفر کیے اور بہت زیادہ سیاحی کے بعد دارالسلطنت لاہور میں اقامت گزیں ہوئے اور اس شہر کے تمام باشندے ان کے مرید و معتقد ہو گئے: ("سفینۃ الاولیا") لاہور تشریف لا کر اسی مقام پر قیام پذیر ہوئے جہاں ان کا مزار پرانوار ہے۔ مرزا لعل لعلی لکھتا ہے:

"اکنوں قبرش در خطہ لاہور، در ہمان سرزمین است کہ روح پاکش از جسد مظہر وی مفارقت کردہ۔" (ثمرات)

## لاہور کب تشریف لائے؟

اس باب میں مختلف آراء ہونے کے سبب یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ لالہ سجان

Marfat.com

رائے بٹالوی رقم طراز ہے:

''محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح ان ہی کی توجہ سے ہوئی۔'' (خلاصۃ التواریخ مترجم ناظر احسن زیدی ص ۱۰۶) یہ روایت واضح طور پر غلط ہے، اس لیے کہ بقول سیّد محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور سلطان محمود غزنوی نے لاہور ۲۹۲ھ میں فتح کیا اور بقول لین پول سلطان محمود ۳۹۲ھ میں پہلی بار پاک و ہند کی طرف متوجہ ہوا، گویا اس وقت تک حضرت داتا صاحب کی اس جہان رنگ و بو میں تشریف آوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

''فوائد الفواد'' میں ایک ایسی روایت درج ہے جو بعض غلط فہمیوں کا باعث ہوئی۔ لہٰذا وہ آج تک ہدف تنقید بنتی چلی آ رہی ہے وہ اس طرح سے ہے:

''شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما دونوں ایک پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے عہد کے قطب وقت تھے۔ شیخ حسین زنجانی (شیخ علی ہجویری سے) پہلے ہی لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ علی سے فرمایا کہ لاہور جاؤ اور وہیں مقیم ہو جاؤ۔ شیخ علی ہجویری نے عرض کی کہ وہاں حسین زنجانی موجود ہیں، پیر نے فرمایا: تم جاؤ! اور جب علی ہجویری ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا، صبح ہوئی تو دیکھا کہ لوگ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے ہیں۔'' (فوائد الفوائد فارسی طبع لاہور ص ۵۷) اس روایت کی تکذیب و تردید میں راقم احقر اس قسم کی گرما گرم بحث نہیں کر سکتا، جس طرح کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن اور پروفیسر محمد اسلم نے کی ہے، اس لئے کہ یہ ان ہی فضلاء کا حق ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت شیخ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ، جن کا مزار مبارک چاہ میراں لاہور میں مرجع خلائق ہے۔ ان کا سال وفات خزینۃ الاصفیا میں ۶۰۰ھ اور تحقیقات چشتی میں ۶۰۶ھ درج ہے اور ان کی لاہور میں آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سیّد یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے۔ اور سیّد یعقوب زنجانی کے حالات میں بیان ہے کہ وہ ۵۳۵ھ میں وارد لاہور ہوئے۔ حضرت سیّد محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ساکن چک سادہ شریف

Marfat.com

گجرات (م ۱۳۸۸ھ) نے ایک دفعہ فرمایا کہ "میں نے شیخ زنجانی کے مزار پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا سن وصال ۶۰۰ھ کندہ تھا جو مزار کی مرمت کے وقت اتار دیا گیا۔" عجیب بات یہ ہے کہ مفتی غلام سرور اور مولوی نور احمد چشتی نے ان کا سن وصال ۶۰۰ھ اور ۶۰۶ھ اپنی اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود، فوائد الفواد کی اس روایت کو حضرت داتا صاحب کی لاہور میں آمد کے سلسلے میں درج کر کے اسے حضرت حسین زنجانی مدفون چاہ میراں پر منطبق کر دیا۔ بہر حال یہ ایک تاریخ حقیقت ہے کہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ سے قریباً ایک سو تیس سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسن سجزی (س، ج، ز، ی) چشتی اجمیری قدس سرہ (م ۶۳۳ھ) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور تذکرہ نویس اور صوفی بزرگ حضرت شیخ جمالی (م ۹۴۲ھ) نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی، جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ کے پیر ہیں، ان دنوں بقید حیات تھے، حضرت زبدۃ المشائخ والاولیاء معین الحق والدین قدس سرہ اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان حد سے زیادہ ربط و محبت کا اظہار ہوا۔" (سیر العارفین قلمی نسخہ۔ یونیورسٹی لائبریری بحوالہ "تاریخی مقالات" از پروفیسر محمد اسلم) ابوالفضل آئین اکبری میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"شیخ حسن (حسین) زنجانی فراواں آگہی داشت، خواجہ معین الدین در لاہور بہ صحبت او رسید، و خواب گاہ او در انجاست۔"

مولانا محمد غوث شطاری رقم طراز ہیں:

"جب خواجہ معین الدین اولیاء چشتی اجمیری ہند تشریف لائے تو اس وقت چند روز لاہور میں پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا، باہم رازداری اور خداشناسی کی

Marfat.com

باتیں ہوا کرتی تھیں۔'' (اذکار ابرار)

ملا محمد صالح کنبوہ بھی ان بیانات کی تائید کرتا ہے:

''بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ زانجا توجہ جانب دہلی اختیار فرمود۔'' (عمل صالح جلد اول)

داراشکوہ کی تائید مزید بھی ملاحظہ ہو:

''......شیخ حسین زنجانی واردلاہور دیدہ اند۔'' (سفینۃ الاولیاء)

اس مقام پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ لاہور کب تشریف لائے؟ مولانا سیّد عبدالباری معنی اجمیری اپنی تنقیدی تالیف تاریخ السلف میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ ۵۸۸ھ میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۵۸۹ھ میں اجمیر شریف پہنچ گئے۔ (تاریخ اسلاف طبع آگرہ ص ۹۷،۸)

اندریں صورت فوائد الفواد کی اس روایت کو الحاق سمجھ لینا کوئی گناہ نہیں مگر جب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں کی تاریخ نے سب بزرگوں کے حالات کو محفوظ کر لیا ہے تو عنان فکر کو اس طرف بھی موڑا جاسکتا ہے کہ حضرت داتا صاحب سے پہلے لاہور تشریف لانے والے حسین زنجانی ان سے مختلف ہوں گے اور ان کا مزار اور حالات محفوظ نہیں رہ سکے، مگر ہم نامی کی وجہ سے پہلے حسین زنجانی سے متعلق روایت کو بعد والے حسین زنجانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ہم نام بزرگوں کے حالات کے سلسلے میں اکثر ایسا ہوا ہے اور اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت خواجہ پارسا قدس سرہ کے تسامح کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے کہ انہوں نے حضرت داتا صاحب اور حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو ایک ہی پیر کا مرید قرار دے دیا یا جس طرح کہ جامی لاہوری کے قطعہ تاریخ وفات حضرت داتا صاحب کو حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے لہٰذا اس معاملہ میں بھی التباس واشتباہ کا قوی امکان ہے۔

اندریں حالات حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ سے متعلق روایت مندرجہ فوائد

Marfat.com

الفواد اس مسئلے کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیتی ہے۔

بہر حال جس طرح حضرت کی تاریخ ولادت اور دیگر حالات زندگی کے باب میں قدیم تاریخیں کوئی رہنمائی نہیں کرتیں، اسی طرح ان کے لاہور میں ورود مسعود کے سلسلے میں بھی کوئی نشان دہی نہیں کرتیں لہٰذا اس کے متعلق بھی صرف قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے۔

رائے بہادر کنہیا لال نے بسال ۱۸۸۴ء کسی ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے:

''یہ بزرگ سلطان مسعود، سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آیا۔'' (تاریخ لاہور) سیّد محمد لطیف نے بسال ۱۸۹۲ء سن ورود کا تعین بھی کر دیا:

''آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے۔''

(تاریخ لاہور انگریزی بحوالہ سوانح داتا گنج بخش از محمد الدین فوق ص ۲۸)

سید محمد لطیف نے سن کا تعین کر کے اس قیاسی سن کو مزید مشکوک بنا دیا ہے اس لیے کہ ۴۳۱ھ میں سلطان مسعود دور ابتلاء میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سال ترکمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کر کے اسے شکست دے دی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خزائن کو لے کر لاہور آ رہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اپنے بھائی محمد کا قیدی بن گیا۔ (تاریخ بیہقی)

اس کے باوجود ۴۳۱ھ پر اکثر مورخین مطمئن نظر آتے ہیں مگر رائے بہادر کنہیا لال کی تاریخ لاہور سے ۲۳ سال قبل لکھی جانے والی کتاب چہار باغ پنجاب مؤلفہ گنیش داس میں ان کی تشریف آوری کا سال ۴۵۱ھ تحریر ہے۔

''در ۴۵۱ھ چہار صد و پنجاہ و یک ہجری در لاہر تشریف آوردند...... بعد چہار دہ سال در سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی بتاریخ ۴۶۵ھ چہار صد و شصت و پنجم ہجری در لاہور ودیعت حیات سپردند۔'' جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا صاحب نے اپنی عمر کے

Marfat.com

آخری سال لاہور میں گزارے، تو پھر گنیش داس وڈیرہ نے جو سن (۴۵۱ھ) دیا ہے۔ اسے ترجیح دینا چاہیے۔ ۴۵۱ھ کو قرین قیاس قرار دے لیا جائے تو حضرت داتا صاحب، سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ بن مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ لین پول نے ابراہیم کے سریر آرائے سلطنت ہونے کا سال ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ لکھا ہے۔

مگر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب کے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کی تاریخ وصال خزینۃ الاصفیاء میں ۴۵۳ھ درج ہے اور بقول ذہبی وہ ۴۶۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے اور ان کے وصال کے وقت حضرت داتا صاحب بیت الجن (دمشق) میں مقیم تھے اور پیر نے مرید کی گود میں جان جاں آفریں کے سپرد کی تھی۔ ڈاکٹر محمد شفیع نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے:

''وہ یا تو لاہور ۴۶۰ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے۔''

## حق زاحرف او بلند آوازہ شد

اس نائب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قیام لاہور کے دوران ہزارہا بت پرست کفار کو کلمہ توحید پڑھا کر ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور کیا اور سینکڑوں خداؤں کو پوجنے والوں کو صرف ایک خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے پر مائل کیا اور لاتعداد گم گشتگان بادیہ ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور کتنے ہی خوش نصیبوں کو اپنی نظر کیمیا اثر کی بدولت ولایت کے بلند پایہ مراتب پر فائز کیا۔

یہ درست ہے کہ محمود کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی یہاں، مسلمان ایک ''حاکم قوم'' کی حیثیت سے رہنے لگے تھے اور یہاں کے کفار مسلم عوام سے بظاہر مرعوب ضرور تھے، لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے اور وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے، مگر یہاں تشریف لانے والے صوفیہ کرام بالخصوص حضرت داتا صاحب کے ورود مسعود کے بعد یہاں کی مقامی آبادی میں سے لاتعداد لوگ ان کی تبلیغ کے سبب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ چنانچہ یہاں کے باشندوں میں سے ایک کثیر گروہ کی دلی

Marfat.com

ہمدردیاں فاتحین کے ساتھ ہو گئیں۔ "نظریہ وطنیت، خاک میں مل گیا اور دو قومی نظریہ کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور بعد میں آنے والے صوفیہ کرام کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمانوں کی حکومت استحکام پکڑتی گئی۔ فاتحین نے کفار کو تیر وسناں سے زیر کیا تو ان نائبین مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں تیر نظر سے خدائے واحد کا مطیع ومنقاد بنایا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حضرت داتا قدس سرہ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند شعروں میں جو خراج عقیدت پیش کیا ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے، ذیل میں ان کے وجد آفریں اشعار ملاحظہ ہوں۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر راحرم
بندہای کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد طیار عشق
از جبینش آشکار اسرار عشق

اہل تحقیق کے نزدیک سنجر لکھنا صحیح ہے۔ استاد سعید نفیسی نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے شعر میں "پیر سنجر" غلط چھپ گیا ہے اصل میں یہ

Marfat.com

شعر یوں ہونا چاہیے۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجری زا حرم

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ نے لاہور کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا ہے، اصل میں یہ اسی قطب الاقطاب (علی ہجویری) کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر و برکت تمام بلدو ہندستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔'' (مکتوبات دختر اول) حضرت نے اپنی روحانی قوت سے کفرستان ہند میں جو ''تخم سجدہ کی کاشت'' کی تھی، رائے بہادر کنہیا لال نے بدیں الفاظ اس کا اعتراف کیا ہے:

''مسلمانی دین پھیلانے میں بڑی بڑی کوشش کی۔''

اور گنیش داس وڈیرہ رقم طراز ہے:

''دراں عہد اکثر قوم گوجران ہندو مشرب درلاہور وطن گاہ واشتند اوشدہ اسلام قبول کروند۔''

مولوی نور احمد چشتی نقل کرتے ہیں:

''جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نائب حاکم پنجاب، حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہوا، اور اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا، اس کی اولاد تا حال خادم ومجاد ہے۔'' (تحقیقات چشتی)

## تعمیر مسجد اور ایک کرامت

حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی دارا شکوہ لکھتا ہے:

''انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جس کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت

Marfat.com

جنوب کی طرف مائل ہے، کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے، اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز حضرت نے ان سب علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے۔" (سفینۃ الاولیاء)

## سال وصال

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے سال وصال میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں اور شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ان کے سن وفات ۴۵۶ھ اور ۴۶۴ھ رقم کیے ہیں۔ عہد جہانگیر کے ایک عالم و عارف مولانا علی آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں گنیش داس وڈیرہ نے چہار باغ پنجاب میں، سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں ۴۶۵ھ ہی لکھا ہے اور دیگر متعدد مؤلفین نے بھی یہی سن نقل کیا ہے۔ نکلسن نے ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ کا کوئی سا سال کہا ہے۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے تاریخ تصوف در اسلام جلد دوم میں در حدود ۴۷۰ھ تجویز کیا ہے۔

مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور عبدالحیٔ حبیبی قندھاری (کابل) ان سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے ۴۷۹ھ اور حبیبی صاحب نے ۵۰۰ھ تک کا تعین کیا ہے۔ ان فاضلوں نے کشف المحجوب کے چند ایک مختلف ایڈیشن سامنے رکھ کر اس قسم کی داخلی شہادتیں فراہم کی ہیں کہ داتا صاحب نے فلاں فلاں بزرگ کے ساتھ "رحمۃ اللہ" یا "رضی اللہ عنہ لکھا ہے اور فلاں کا ذکر بہ صیغہ ماضی کیا ہے لہٰذا یہ کتاب بقول مولوی محمد شفیع ۴۷۹ھ اور بقول حبیبی ۴۸۱ھ کے بعد تک لکھی جا رہی تھی۔ حبیبی صاحب نے اپنی طویل بحث کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

Marfat.com

''لازمی طور پر ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی۔'' (مقالات منتخبہ ۱۱ پنجاب یونیورسٹی)

بلیغ بحث کا یہ مقام نہیں، مختصر یہ کہ بیشتر مقامات پر ''رحمۃ اللہ'' اور ''رضی اللہ عنہ'' کاتبوں کے خودساختہ اضافے ہیں اور اسی طرح ''ہست کو'' ''بود'' بھی بنایا ہوا ہے۔ ایسی تحقیق کی بنیاد مصنف کا اپنا مکتوبہ نسخہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو قدیم ترین متعدد خطی نسخے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ کاتبوں کی کمی بیشی تحقیق کا مدار نہیں بن سکتی۔ اس جدید تحقیق کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ فاضل حبیبی نے کشف المحجوب نسخہ سمرقند سے ذیل کا اقتباس پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب زیر تسوید تھی کہ حضرت امام قشیری قدس سرہ ۴۶۵ھ میں وفات پا گئے تھے۔''

''استاد امام زین الاسلام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رضی اللہ عنہ اندر زمانہ خود بدیع بود و قدرش رفیع و منزلش بزرگ''۔

مگر یہی عبارت ژوکوفسکی ایڈیشن میں اس طرح ہے:

''استاد امام زین الاسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن اثیری اندر زمانہ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ۔'' (کشف المحجوب، تہران)

پنجاب پبلک لائبریری میں کشف المحجوب کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۰۸ھ موجود ہے اس میں بھی:

''اندر زمانہ خود بدیع ست......'' (فہرست مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور) تحریر ہے...... گویا اس بحث برائے بحث یا تحقیق کی بنیاد محض اختلاف نسخ اور کاتبوں کے اضافات پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ ''رحمۃ اللہ'' وغیرہ حضرت نے خود ہی لکھا ہے۔ پھر ان کے اپنے اسم گرامی کے ساتھ شروع کتاب ہی میں ''رضی اللہ عنہ'' بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور اگر انہوں نے اپنے لیے یہ دعائیہ کلمہ خود تحریر کیا ہے تو وہ دوسرے زندہ بزرگوں

Marfat.com

کے لیے بھی کر سکتے تھے۔ بہر حال حضرت کا صحیح وصال کسی معاصر نے نہیں لکھا لہٰذا ۴۵۶ھ قطعاً غلط ہے، ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ ہی قرین صحت سمجھا جا سکتا ہے۔

## مزار پر انوار

یوں تو جملہ ارباب یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار ہیں مگر جہاں وہ محو استراحت ہیں وہ مقام بوسہ گاہ عالم، قبلہ اہل صفا اور کعبہ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقامات مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے جہاں سب سے زیادہ ذکر خدا اور ذکر محبوب خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا ہے اور یہ تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے جہاں ہر وقت حاجت مند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا (سخی) کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت کا مزار فائض الانوار زمانہ قدیم سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور سرخیل اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔ مولانا جامی لاہوری لکھتے ہیں:

خانقاہ علی ہجویری است
خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدہ حق بیں
تا شوی واقف در اسرار
چوں کہ سردار ملک معنی بود
سال وصلش برآید از سردار

Marfat.com

میر عبدالعزیز زنجانی جو غالباً شاہ جہان کے زمانے کا شاعر ہے، نے عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ لکھا، اس میں حضرت داتا صاحب کے روضہ انوار واطہر پر جو زائرین کا ہجوم رہتا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

مزار رہرو نثار شاہ ہجویری ندیدستی
کہ محل آسا بہ پیرا مونس جوش انس وجان بینی
گدای در گہش از منزلت شاہ جہاں یابی
غلام خادمش از رتبہ مخدوم جہاں بینی

دارا شکوہ لکھتا ہے:

''ہر جمعرات کو خلقت انبوہ در انبوہ روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعراتیں یا چالیس دن متواتر ان کے روضہ شریف کا طواف کرے اس کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے..... فقیر (دارا شکوہ) نے بھی ان کے روضہ منورہ کی زیارت کی ہے۔'' (سفینۃ الاولیاء)

مفتی علی الدین رقم طراز ہیں:

''ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہزار ہا مردم برائے زیارت ایشاں مع نذرات می روند، مرادات دلی رامستدعی شوند۔'' (عبرتنامہ)

دارا شکوہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں لکھتا ہے:

''قبر درمیان شہر لاہور مغربی قلعہ۔ واقع شدہ۔''

''ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے مغرب کی جانب واقع ہے۔''

اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے:

''مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔'' (ترجمہ سفینۃ الاولیاء طبع کانپور) لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب دارا شکوہ کی یہ تحریر مبہم ہوگئی ہے۔

دارا شکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے۔

Marfat.com

''داراشکوہ نے یہ کہا ہے کہ ''قبر شہر لاہور کے درمیان، قلعہ کے مغرب میں واقع ہے۔'' یہ کچھ عجیب سا بیان ہے۔ اس لیے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کے بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نامی نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا، اسی ترتیب سے ان مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے۔''

(مقدمہ کشف المحجوب از مولوی شفیع ص ۱۰۷)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے اور اسی سلطان نے حضرت کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں وہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابو سعید ہجویری کی ہیں۔

## کچھ مترجم کے بارے میں

حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری خلف اکبر حضرت مولانا سیّد محمد دیدار علی شاہ الوری (رحمۃ اللہ علیہ) متنوع علوم وفنون کے ماہر اور بے مثل خطیب طبیب اور قاری تھے۔ تحریک پاکستان پھر تعمیر پاکستان اور دستور اسلامی کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ جہاد کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ کی خدمات جلیلہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جائے۔ اس وقت حضرت مولانا کے صاحبزادے مکرمی مولانا حکیم سیّد خلیل احمد قادری کی صرف ایک روایت کو نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے جس روز کشف المحجوب کا ترجمہ جس کا تاریخی نام ''کلام المرغوب'' ہے، مکمل کیا تو اسی رات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی وہ اس طرح کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند مقام پر تخت پر رونق افروز ہیں اور چاروں طرف بہت زیادہ روشنی ہے لوگوں کی قطاریں بندھی ہوئی ہیں۔ حضرت داتا صاحب کچھ تقسیم فرما رہے ہیں اور لوگ لے لے کر ایک طرف ہوتے جا رہے ہیں، اسی قطار میں علامہ ابوالحسنات بھی شامل ہیں، تو جس وقت وہ حضرت داتا صاحب کے سامنے ہوئے تو حضرت نے مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے دائیں طرف بٹھالیا۔ اس کے بعد علامہ ابوالحسنات بیدار ہوگئے۔''

علامہ ابوالحسنات علیہ الرحمتہ نے یہ خواب اپنے صاحبزادے مولانا سیّد خلیل احمد قادری کو سنایا اور اس انعام پر بے حد مسرور تھے۔ چند سال بعد مولانا بیمار ہوگئے اور علالت نے طول کھینچا اور مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ انتقال سے آٹھ روز قبل رات کے آخری حصے میں سیّد خلیل احمد صاحب کو آواز دی اور جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا میرے کاندھے دباؤ اور دعائیہ الفاظ کے بعد فرمایا مولانا غلام محمد ترنم علیہ الرحمتہ آج میانی کے قبرستان کے کسی کونے میں لیٹے ہوئے ہیں۔ عنقریب ہم بھی ان کے کسی حصے میں لیٹے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرمایا:

''ابوالحسنات، ابوالحسنات کیا ہے ابوالحسنات؟ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔
ہاں خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حضرت داتا صاحب کے جوار میں آسودہ ہیں۔''

شعبان ۱۳۸۰ھ بروز جمعہ صبح کے وقت اپنے وظائف سے فارغ ہوئے اور یہ شعر زبان پر لائے۔

حافظ رند زندہ باش مرگ کجا و تو کجا
تو شدہ فنائے حمد، حمد بود بقائے تو

Marfat.com

اس کے بعد یہ شعر کہا

کائنات عشق بس اتنی مریض غم کی تھی
ایک ہچکی میں طلسم آرزو باطل ہوا

اس کے بعد حزب البحر کا ورد شروع کر دیا اور سید خلیل احمد صاحب کو فرمایا کہ مجھے خوشبو لگا دو اور نئے کپڑے پہنا دو۔ جناب سید خلیل نے عرض کیا: کیا بات ہے؟ فرمایا: جمعہ پڑھنے جانا ہے اور پھر ذکر میں مشغول ہو گئے اور اسی حال میں ایک ہچکی آئی اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا سیّد خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی خواہش کے مطابق میں نے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا تو بہ تصرف حضرت داتا صاحب قدس سرہ بلاوقت حضرت داتا صاحب کے احاطہ مزار میں مولانا کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر راقم السطور نے چند تاریخی مادے نکالے تھے ان میں سے دو (۱) ''مشہور زمان مفسر قرآن'' (۲) ''جلیل المراتب سیّد ابوالحسنات'' ان کی مرقد پر کندہ ہیں۔ ''لقد دخل الجنتہ مولانا۔'' بھی ان کی تاریخ راقم ہی نے کہی تھی۔

(جناب محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ، کی یہ عظیم محققانہ تحریر مکمل حوالہ جات کے ساتھ کشف المحجوب مترجم مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔)

Marfat.com

# حسن عمل کا اعجاز

﴿جسٹس (ر) محبوب احمد﴾

سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اس خطہ ارضی میں اسلام کی اولین مبلغین میں سے ہیں۔ یہ آپ ہی کے پاکیزہ انفاس کا فیضان ہے کہ آج ہم اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اس لحاظ سے بھی قابل صد تکریم ہے کہ جہاں آپ نے اپنے ہم عصر لوگوں کے لئے علم، خلوص اور تربیت کے جوہر بکھیرے، وہیں آنے والی نسلوں کے لئے اپنی زندہ جاوید کتاب ''کشف المحجوب'' کا ارمغان محبت وحکمت بھی چھوڑ گئے۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اسلام کی تبلیغ کا تصوف کی روایت سے وہی رشتہ ہے جو قلب کا روح کے ساتھ ہے۔ جب تک تصوف اپنی تمام تر علمی تابناکیوں اور فکری بصیرتوں کے ساتھ توانا رہا، تبلیغ اسلام کا سلسلہ بھی بھرپور انداز میں جاری رہا، اور جب تصوف کی اس تحریک میں ضعف کے آثار نمودار ہوئے اور محض نام ونمود اور رسم پرستی باقی رہ گئی تو تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں بھی انقطاع پیدا ہوا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں حضرت ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ کا معنی خیز قول نقل کیا ہے:

''تصوف آج ایک نام ہے بغیر حقیقت کے۔ جب کہ کسی زمانے میں یہ ایک حقیقت تھی بغیر نام کے۔''

Marfat.com

تصوف کے ساتھ ایک المیہ یہ بھی ہوا ہے کہ ہم تصوف کو محض ترک دنیا، گوشہ نشینی اور مافوق العادات، کمالات یا کرامات کے حوالے سے ہی پہچانتے ہیں۔ حالانکہ عرصہ فقر وروحانیت کے حقیقی شہسواروں اور اموران کو کبھی قابل التفات نہیں سمجھا۔ خود حضرت شیخ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

''فقیر وہ نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ متاع اور توشہ سے خالی ہو۔ بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبیعت مراد سے خالی ہو۔''

گویا فقیر محض فاقہ کشی کا نام نہیں بلکہ دینوی اغراض، لالچ اور حرص وہوس کو اپنے قلب کے قریب بھٹکنے نہ دینے کا نام ہے۔ اسی بات کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ یوں لکھتے ہیں

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

''دلیل العارفین'' میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعلیم بڑی وضاحت سے درج ہے کہ فقر کے سو درجے ہیں، جن میں سے کشف وکرامات کا سترھواں درجہ ہے اور جس نے خود کو اس درجہ پر ظاہر کر دیا، وہ تکمیل کی منزلوں تک نہ پہنچ سکا۔

سلسلہ نقشبند کے سرخیل، حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''کشف بر سر کشف''

یعنی کشف وکرامت کو نظر انداز کردو۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کشف المحجوب کا مطالعہ ہمارے سامنے تصوف کے کچھ ایسے روشن پہلوؤں کا اظہار کرتا ہے، جن کی جانب عموماً ہماری توجہ نہیں جاتی۔ حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ بن ابی طالب کا فرمان ہے:

''تصوف خلق کو کہا جاتا ہے جو اخلاقیات میں سبقت لے گیا، وہ تصوف میں بھی دوسروں سے بڑھ گیا۔''

Marfat.com

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تشریح فرمائی ہے کہ خلق کی دو اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی رضا اور قضا پر راضی رہنا اور دوسرا یہ کہ مخلوق کی خدمت کا بار اپنے سر لینا۔ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''تصوف خصائل حمیدہ کا نام ہے اور یہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ مکارم الٰہیہ ادا کرنے میں کسی قسم کا ریا اور دکھلاوا نہ ہو اور اپنے رب کی رضا جوئی میں فرائض حق ادا کیے جائیں۔ دوسری یہ کہ عوام کے ساتھ نیک رویہ ہو۔ بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر رحم کیا جائے۔ ہر معاملہ میں انصاف پسندی کا شعار بنایا جائے اور ان امور سے کسی قسم کا معاوضہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ اپنے آپ کو ہوائے شیطانی کی متابعت سے مجتنب رکھا جائے اور ہر قسم کی حرص و ہوس اور خواہش نفسانی سے بچایا جائے۔''

مشہور صوفی حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔ ایک غافل عالم سے، دوسرے مکار فقیر سے اور تیسرے جاہل صوفی سے۔''

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

''تصوف نہ رسوم ہیں، نہ علوم بلکہ یہ اخلاق ہیں۔''

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب احیاء العلوم میں خلق کی بڑی خوبصورت اور جامع تعریف نقل کی ہے:

''خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کے ظاہر کرنے کے لئے کسی سوچ بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔''

انہی اعلیٰ وارفع تعلیمات، حسن عمل اور قول و فعل کے حسن امتزاج کا یہ اعجاز تھا کہ ایک قلیل عرصہ میں ان اولیائے کرام نے قلوب کے اندر ایک انقلاب برپا کر دیا اور

Marfat.com

لوگوں کی نگاہوں کے زاویے بدل گئے۔ان کی حیات کی صحبتیں اور شامیں بدل گئیں۔ ان کی زندگی کے دن اور راتیں بدل گئیں۔ یہ توحید کی ایسی مے تھی جو پیمانوں سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی تھی اور پھر ان سے وابستہ لوگوں کے قدم کوئے صنم نہیں سوئے حرم اٹھتے تھے۔ان کی ہر بات سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمے ابلتے تھے۔ان کی نگاہوں سے معصومیت ٹپکتی تھی۔ان کی زبانیں خدا اور رسول کے نغموں سے زمزمہ منج ہو جاتی تھیں۔ یہ لوگ مملکتیں، ملک اور شہر فتح نہیں کرتے تھے۔ یہ فاتحین قلوب تھے اور ان کا سب سے بڑا ہتھیار ان کا حسن عمل، جذبے کی صداقت اور ان کی محبت فاتح عالم ہوتی تھی۔

آج یہ سب حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان ہے کہ ہر وقت یہاں عشاق کا ہجوم رہتا ہے اور لوگ یہاں سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا فیضان لوٹتے ہیں۔اس کے ساتھ آج اس بات کی انتہائی ضرورت ہے کہ سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کو عام کیا جائے اور وہ لوگ جنہیں تصوف کا علم ہے یا صوفیا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے عمل سے ان کی زندگیاں کشف المحجوب کے ابواب وفصول نظر آئیں۔آخر میں اپنی بات کو ان اشعار میں ختم کرتا ہوں

ہیں خاک پاک میں کچھ نقش پا ان رہ نوردوں کے
ادب سے چومتے جن کو ہیں دشت و کوہسار اب تک
کوئی تھا گنج بخش ان میں، کوئی گنج شکر ان میں
خزانے معرفت کے ہیں نہاں زیر مار اب تک
ہوا پاکستان جنت نشاں جن کی فضاؤں سے
نہ آئی جا کے ان باغوں میں پھر فصل بہار اب تک

Marfat.com

# سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ تصوف

﴿ڈاکٹر عنوان چشتی﴾

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان اولیاء اللہ میں شامل ہیں، جنہوں نے انسانوں کی عملی تربیت کے ساتھ تصوف کی علمی بنیادوں کو مضبوط کیا ہے۔ ان کی مشہور اور ممتاز کتاب ''کشف المحجوب'' ہندوستان میں لکھی جانے والی فارسی زبان میں تصوف کی اولین کتاب ہے۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''جس کا کوئی مرشد نہ ہو اسے اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا۔'' اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر نکلسن نے انگریزی میں ترجمہ کر کے اس سے اہل یورپ کو روشناس کرایا اور پروفیسر ژوکوفسکی نے متعدد نسخوں کی مدد سے اس کتاب کا بنیادی متن تیار کر کے شائع کیا۔ دنیا کی بہت سی زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ تصوف اپنی پوری رعنائی اور توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تصوف محض نظریہ ہی نہیں بلکہ رویہ بھی ہے۔

تصوف کیا ہے؟ یہ ایک سیدھا سادہ سوال ہے لیکن بنیادی طور پر بہت مشکل اور پیچیدہ ہے۔ میں اس کے تاریخی تناظر سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف علمی پہلو پر اکتفا

Marfat.com

کروں گا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی وہ تعبیر جس میں ''اعمال ظاہری'' سے سروکار ہوتا ہے لیکن ''اعمال باطنی'' کی نفی نہیں کی جاتی ''فقہ'' کہلاتا ہے اور اسلام کی وہ تعبیر جس میں ''اعمال باطنی'' پر زور دیا جاتا لیکن ''اعمال ظاہری'' کی نفی نہیں کی جاتی۔ ''تصوف'' کہلاتا ہے۔ گویا فقہ میں اعمال باطنی پر اعمال ظاہری کو اور تصوف میں اعمال باطنی کو اعمال ظاہری پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی نفی نہیں، بلکہ اثبات کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ تتمہ ہیں اور ایک دوسرے کا تکملہ کرتے ہیں۔ اسلام ان دونوں دائروں پر محیط ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے متعدد ماخذ سے عالمانہ بحث کی ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ ''صفا'' کے علاوہ دوسرے ماخذ ثانوی درجہ رکھتے ہیں اور اس پر اصرار کیا ہے کہ ''تصوف'' کا تعلق صفائے قلب سے ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''صفا کدورت کی ضد ہے اور کدورت بشری صفات میں سے ہے اور حقیقتاً صوفی وہ ہے جو بشری کدورتوں سے گزر جائے۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کا سنگ بنیاد صفائے قلب کو قرار دیا ہے اور صفائے قلب کی ضد کے طور پر ''کدورتوں'' کو پیش کیا ہے۔ بشری کدورتوں سے خواہشات نفسانی اور عیوب اخلاقی مراد ہیں۔ جن سے آئینہ دل پر غبار چھا جاتا ہے اور صفا و جلا ماند پڑ جاتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے فقہ اور تصوف پر خیال انگیز بحث کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ابتدا میں شریعت کا دائرہ اعمال ظاہری و اعمال باطنی دونوں پر محیط تھا لیکن رفتہ رفتہ دونوں ذیلی دائرے آزاد اور خود مکتفی تصور کئے جانے لگے۔ یہاں سے فقہ کا تعلق شریعت سے اور تصوف کا تعلق طریقت اور معرفت سے وابستہ ہو گیا لیکن یہ تقسیم اصولی نہیں، اضافی ہے۔ کسی چیز کے ظاہر و باطن میں جو تعلق ہے، وہی فقہ اور تصوف میں ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے تصوف کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اعمال

Marfat.com

باطنی'' کے طریقوں کو طریقت کا نام دیا جاتا ہے، پھر ان اعمال باطنی کی درستی سے قلب میں جو ''صفا'' اور ''جلا'' پیدا ہوتا ہے اور جس سے انسان حقائق الٰہیہ اور حقائق کونیہ سے آگاہ ہوتا ہے نیز اس پر عبد و معبود کے رشتہ کے اسرار کھلتے ہیں۔ اس انکشاف حقیقت کو ''معرفت'' کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت پہلے اسی مفہوم میں ''صفائے قلب'' کو تصوف کا سنگ بنیاد قرار دیا تھا۔ انہوں نے دل کو مکروہات دنیا سے خالی کرنے اور اس میں صفا پیدا کرنے پر یونہی زور نہیں دیا، بلکہ ''مصفا اور مجلا سینہ کو روحانی ارتقاء کا زینہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''بندہ جب مقامات کی بندشوں سے نکل جاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی اور تغیر و تلون سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ احوال محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے اور اپنی (یعنی بشری) تمام صفات سے جدا ہو جاتا ہے۔''

اس وضاحت سے یہ ظاہر ہے کہ احوال محمودہ یعنی مکارم اخلاق اور روحانی اقدار سے متصف ہونے کے لئے ''بشری کدورتوں'' کو دور کرنا ہوگا۔ انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ''صوفی وہ ہے جو ''بشری کدورتوں'' سے گزر جائے۔''

بشری کدورتوں کو قرآن کریم نے ''سینہ کے امراض'' سے تعبیر کیا ہے اور اس مقام پر سینہ دل کا قائم مقام ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے جس طرح تاریکی کا اژدہام روشنی کو دھندلا کر دیتا ہے، اسی طرح بشری کدورتیں مخرب اخلاق افکار واقدار، نیز اعمال واقدام اور ضابطے ونظریے ''صفائے قلب'' پر گہرے اور منفی اثرات مرتب کرتے ہیں اور آئینہ دل کو مکدر کر دیتے ہیں۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''صفائے باطن کی اصل اور فرع ہے چنانچہ اس کی اصل اغیار سے دل کو جدا کرنا ہے اور اس کی فرع مکر و فریب سے بھرپور دنیا سے دل کو خالی کرنا ہے۔''

اس وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ "صفائے باطن" مثبت اور منفی رویوں پر مشتمل ہے۔ ایک طرف اغیار کے تصور اور مکروہات دنیا سے دل کو خالی کرنا ہے اور دوسری طرف "انوار الہیہ" سے دل کو پر کرنا ہے۔ "اغیار" سے دل کو خالی کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ یعنی "ماسوا" کو دل سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ وحدت الوجودی انداز کی اصطلاح مستعار لی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ دل سے "وہم غیریت" مٹا دیا جائے اور فنا فی اللہ کی کیفیت سے گزرا جائے۔ یہی اصل صفا ہے۔ جہاں تک مکر و فریب، حسد اور کینہ، بغض و نفرت، استحصال کا تعلق ہے اور جن کو حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے "فرع" قرار دیا ہے یہ انسان کے اخلاقی، تہذیبی اور سماجی جرائم ہیں۔ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

**ونزعنا مافی صدور هم من غل اخوانا علی سرر متقابلین**

"اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کینہ تھا، اس کو نکال دیا۔ وہ بھائی بن کر آمنے سامنے آ بیٹھے ہیں۔"

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ صفائے قلب قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کینہ سے دل کا صاف ہونا ایک ایسی عطا ہے جس سے انسان بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھتا ہے یعنی ایک اخلاقی انسان کی تشکیل ایک اجتماعی اور معاشرتی احساس کی تشکیل ہے جہاں سے تعصب کی فضا ختم ہوتی ہے اور تعاون و اشتراک کا عالم شروع ہوتا ہے۔ احادیث نبوی بھی "وحی الہٰی" کی ایک قسم ہے چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بھی تکملہ اخلاق ہی قرار دیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

**انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**

"میں اس واسطے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کا تکملہ کروں"

اس انداز فکر سے ثابت ہے کہ صفائے قلب کا نظریہ اور دل سے بشری کدورتوں کو

Marfat.com

دور کرنے کا رویہ ایک اخلاقی اور روحانی انسان کے وجود کی تشکیل اور تکمیل کا نظریہ ہے۔ یہی تصوف ہے۔ اخلاق کا ذکر آ ہی گیا ہے تو ایک حکایت بیان کرتا چلوں۔ کسی زمانے میں ایک شخص جادوگر کے لقب سے مشہور تھا۔ جادو کا اثر یہ تھا کہ جو اس سے ملتا، اس کا گرویدہ ہو جاتا چنانچہ عام خیال یہی تھا کہ وہ جادو کے زور سے یا عمل تسخیر سے ہر شخص کا دل موہ لیتا ہے۔ اس کے شاگرد نے اس نام نہاد جادوگر کی بہت خدمت کی اور استاد کے دل میں جگہ بنالی۔ جب استاد (جادوگر) کا وقت وصال آیا تو اس نے اپنے شاگرد کو خلوت میں طلب کیا اور کہا تم نے میری بہت خدمت کی ہے اب میرا وقت وصال قریب ہے۔ چاہتا ہوں کہ تمہاری خدمت کا کچھ صلہ دوں۔ شاگرد، جو پہلے سے موقع کی تلاش میں تھا، نہایت ادب وانکسار سے لب کشا ہوا اور کہنے لگا کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے اور آپ کی قربت وعنایت کا فیض بھی حاصل ہے، پھر بھی دل میں ایک آرزو ہے اگر آنجناب اس کو پورا فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔ استاد نے کہا بسم اللہ، کہئے کیا آرزو ہے۔ شاگرد نے استاد کو سارا احوال سنایا اور کہا کہ عوام وخواص کا خیال ہے کہ یا تو آپ کے پاس جادو ہے یا عمل تسخیر۔ جس سے آپ ہر آدمی کو، جو آپ سے ملتا ہے، مسخر کر لیتے ہیں۔ کاش! آپ مجھے اس جادو یا عمل کی تلقین فرمائیں تاکہ میں آپ کا سچا جانشین بن کر لوگوں کے دلوں کو فتح کرسکوں۔ استاد نے شاگرد سے سرگوشی کے لہجے میں ایک لفظ ادا کیا۔ ''اخلاق'' واقعہ یہ ہے کہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نیز مادی اور افادی فلسفوں نے دنیا کو بہت کچھ دیا ہے لیکن انسان اور انسان کے درمیان خلیج کو اور وسیع کردیا ہے۔ اس سے اخلاقی اور روحانی بصیرت کو چھین لیا ہے۔ اس لئے نتیجہ تعصب، تصادم، تنگ نظری، ایذا رسانی، تشدد اور استحصال کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے اور بین الاقوامی سطح پر انتشار، عدم اعتماد اور اضطراب کی لہریں انسانی ذہن کو بری طرح متاثر کر رہی ہیں۔ قومی سطح پر جہالت کا ناگ علم کے زر خالص کو چاٹ رہا ہے۔ بڑھتے ہوئے افلاس کے دھندلکے خوشحالی کے خواب کو جھٹلا رہے ہیں اور تعصب وتشدد کا عفریت اتحاد

Marfat.com

کی چادر کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔ اس کے برعکس تصوف وحدت وجود کے ساتھ وحدت انسان اور وحدت کائنات پر زور دیتا ہے اور انسان کے اخلاقی اور روحانی وجود کی تشکیل کر کے اس کے سر پر شرافت اقدار انسانی کا تاج رکھتا ہے۔ تصوف کائنات میں انسانی عظمت اور کائنات کی تقدیس پر زور دیتا ہے۔ طاقت اور استحصال کے خلاف تقویٰ اور شرافت کی تہذیب پر اصرار کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

**ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینك وبینه عداوه کانهٗ ولی حمیم وما یلقها الاالذین صبروا ۔**

''تم اچھے طریقے (دشمن کی دشمنی کی طرح) سے مدافعت کرو (تاکہ) جس سے تمہاری دشمنی ہے (وہ) تمہارے دوست کی طرح ہو جائے اور یہ طریقہ وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو صابر ہیں۔''

قرآن حکیم کی اس آیت میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچا کر یا ذلیل کر کے دوست نہ بنائے بلکہ ان کی دشمنی پر ''صبر'' کے ہتھیار سے اپنی مدافعت کرے۔ اخلاص اور اخلاق سے کام لے کر دشمنوں کے دلوں کو فتح کیجئے۔ ''جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ'' مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نظریہ تصوف میں جس ''صفائے قلب'' پر زور دیا ہے اور بشری کدورتوں سے دل کو خالی کرنے پر اصرار کیا ہے وہ نظریہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ماخوذ اور انہی پر مبنی ہے جو ایک اخلاقی اور روحانی انسان کی تشکیل پر زور دیتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہے:

''ایسا شخص جو کلام کرتا ہے وہ خدا کی حکمت، عمل اور اسرار سے کرتا ہے۔ اللہ کے دوستوں میں اس کا نام پکارا جاتا ہے۔ خدا کے خاص بندوں میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ اس کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ اسرار الٰہیہ سے واقف ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اس لئے وہ اس کام کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ اسرار محض اللہ تعالیٰ کی حضوری سے ہی ظاہر ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس شخص کا سننا، دیکھنا، بولنا، اللہ تعالیٰ کا سننا، دیکھنا اور بولنا ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے طاقت حاصل کرتا ہے۔''

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیوں کے احوال پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ انہوں نے اس موقع پر بھی قرآن کریم کو معیار بنایا ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

**الله یجتبی الیه من یشا و یهدی الیه من ینیبه** (سورہ شوریٰ)

''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کرتا ہے اور جس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔''

اس آیت شریف سے ظاہر ہے کہ اہل اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جنہیں خدا خود انتخاب کر کے اپنی صفات سے متصف کرتا اور برگزیدہ بنا دیتا ہے۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو اپنی محنت اور ریاضت سے قرب خدا حاصل کرتے اور ہدایت پاتے ہیں۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ باقی ہو جائے اور طبائع یعنی خواہشات نفسانیہ سے نکل کر حقیقت سے پیوست ہو جائے۔ متصوف وہ ہے جو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے اس مقام کی جستجو کرے اور اس مقام کے حصول اور طلب میں راست باز اور صادق ہو۔ متوصف وہ ہے جو دنیاوی عزت و منزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو ایسا بنا لے اور اسے ایسے مذکورہ بالا مقامات کی کچھ خبر نہ ہو۔''

مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ صوفی، خدا کا وہ برگزیدہ بندہ ہے جس کو خدا نے از خود بزرگی اور عظمت عطا کی ہے۔ متصوف وہ ہے جس نے اخلاص نیت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کر کے ہدایت اور بلندی پائی ہے اور جو ان دونوں دائروں سے باہر ہے وہ مستصوف ہے۔ یعنی گندم نما جو فروش ہے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جو کسوٹی فراہم کی ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک مستصوف کا تعلق ہے

Marfat.com

وہ صوفی نہیں تصوف سے اس کا تعلق نہیں وہ محض دنیاوی مفادات کے حصول کے لئے صوفیوں جیسی وضع قطع بنالیتا ہے۔ اس قسم کی گندم نما جوفروشوں کے بارے میں حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"نقلی صوفی مکھیوں کی مانند حقیر و ذلیل ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے محض نفسانی خواہش کے لئے کرتا ہے اور دوسروں کے نزدیک بے لگام بھیڑیے کی مانند ہے کہ جس طرح بھیڑیا اپنی تمام طاقت وقوت مردار کے حصول کے لئے صرف کرتا ہے۔ یہی حال اس نقلی صوفی کا ہے۔"

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نقلی صوفی کو مکھی اور بھیڑیا نیز مردار خور قرار دیا ہے۔ اس مقام پر وہ متصوف کے بے رحم نقاد بن کر سامنے آتے ہیں۔ ایسی ہی سخت تنقید اس مقام پر روا رکھی گئی ہے جہاں انہوں نے صوفیوں کے گمراہ فرقوں اور بعض گروہوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس سے یہ نکتہ بھی واضح ہوتا ہے کہ صوفیاء نے محض درباری مولویوں یا علمائے سو سے ہی برات کا اظہار نہیں کیا، بلکہ جعلی صوفیوں کو بھی ہدف طنز بنایا ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کے مطابق متصوف اور صوفی دونوں دائرہ تصوف میں شامل ہیں۔ متصوف اور صوفی میں درجات اور عطائے الٰہی کا فرق ہے چونکہ متصوف سچائی اور نیک نیتی کے ساتھ عبادت اور ریاضت کو وسیلہ وصال ربانی اور ذریعہ حصول منشائے ربانی بناتا ہے اس لئے اس کو صوفی تو قرار دیا ہے مگر کسبی صوفی تصور کیا ہے۔ حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کے تین احوال کا ذکر کیا ہے جو اول فقر و افتقار سے کام لیتا ہے، دوم بذل وایثار اختیار کرتا ہے اور سوم تعرض اور اختیار کو ترک کرتا ہے لیکن صوفی متصوف سے زیادہ بلند مقام پر فائز ہے۔ یہ بنیادی طور پر عطائے الٰہی سے معمور ہوتا ہے اور خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے۔ اس میں تصوف کی وہبی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہ نے قرآن

Marfat.com

کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

**وعبادالرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما**

''وہی بندے اللہ (رحمان) کے (خاص بندے) ہیں جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں اور جب انہیں جاہل لوگ (جاہلانہ انداز سے) پکارتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اخلاق حسنہ کا عملی معیار پیش کیا گیا ہے جو ایک طرف فرد کو روحانی واخلاقی انسان بناتا ہے اور دوسری طرف ایسے افراد پر مشتمل ایک مہذب معاشرے اور اخلاقی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے:

''صوفی زمین کی مثال ہے اس پر ہر بری چیز ڈال دیتے ہیں لیکن اس میں سے جو چیز نکلتی ہے وہ اچھی ہوتی ہے اور صوفی اس زمین کی مانند ہے جسے ہر شخص روندتا ہے (مگر وہ تعرض نہیں کرتی) وہ ابر کی مانند ہے کہ ہر ایک پر سایہ فگن ہے اور بارش کی طرح ہے کہ ہر ایک کو سیراب کرتی ہے۔''

حضرت جنید بغدادی کی وضاحت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صوفی بنیادی طور پر ''پیکر خلق'' ہوتا ہے اور پھر روحانی اسرار ورموز کی منزل پر گامزن ہوتا ہے۔ روحانی منزل طے کرنے کے لئے حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دو اہم شرطیں عائد کی ہیں: ایک یہ کہ صوفی ''خواہشات نفسانیہ'' سے نکل کر حقیقت سے پیوست ہو جائے اور دوسری یہ کہ خود کو فنا کر کے حقیقت کے ساتھ باقی ہو جائے۔ پہلی منزل میں صوفی تزکیہ باطن اور تہذیب ذات کرتا ہے۔ اپنا دل گرد کدورت، مکروہات دنیا اور ماسوا سے خالی کرتا ہے اور حقیقی معنی میں ''صفائے قلب'' کا مصداق بن جاتا ہے۔ دوسری منزل میں دل سے وہم غیریت مٹا دیتا ہے اور فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صوفیوں کی اقسام پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے متصوف اور صوفی کے ساتھ

Marfat.com

متشبہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کی نگاہ میں متشبہ پر متصوف کو اور متصوف پر صوفی کو فضیلت حاصل ہے۔ حضرت شیخ کا ارشاد ہے:

''متشبہ صاحب ایمان'' اور متصوف صاحب علم ہے کیونکہ اس نے ایمان لانے کے بعد صوفیاء کے طریقہ کے مطابق مزید علم حاصل کر لیا ہے۔ جس کے باعث اس کی معلومات اور صلاحیت میں اضافہ ہو گیا اور مزید علم سے اس کے اتمام و کمال پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور صوفی صاحب ذوق ہے۔ پس جو صادق متصوف ہے وہ صوفی کے حال سے کسی حد تک بہرہ مند ہے۔ اسی طرح متشبہ کو بھی صوفی کے حال سے کچھ حصہ ملا ہے۔''

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی اور متصوف کا امتیاز ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

''ایک متصوف صوفی کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا کہ زاہد کے مقابلہ میں متزہد ہے۔ اس کے عمل میں کوشش اور تکلف کو دخل ہے۔ صوفی مفردین کے مقام پر ہیں اور متصوف سائرین اور سالکین کے درجہ پر۔''

اس وضاحت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ متصوف کوشش اور تکلف، ریاضت اور عبادت سے روحانی مدارج طے کرتا ہے۔ یہ درجہ اہم ہے لیکن صوفی کے درجے سے کم تر ہے جو مفردین کے درجہ پر فائز ہے اور جو فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرت سیدعلی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ''مشائخ طریقت'' اور ''عارفان راہ حق'' کو صوفی کہتے ہیں اور مستعلین اور سالکین معرفت کو متصوف۔ اس لئے صوفی کا مقام، زاہد، عابد، عالم، فقیر اور فقیہہ سب سے بلند ہے لیکن تصوف کا دائرہ زہد، عبدیت، علم، فقر اور فقہ سب پر محیط ہے۔ صوفی ان دریاؤں کا شناور ہوتا ہے اور روحانیت کا پیکر بھی۔

حضرت سیدعلی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کہا ہے۔ اس مقام پر فنا کے تصورات پر غور کر لینا چاہیے۔ فنا کا ایک تصور تو یہ ہے کہ صوفی منزل عرفان و

Marfat.com

تصوف میں اپنی اَنا، خودی اور ذات سب کچھ فنا کر دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات یا شخصیت کو حجاب درمیاں سمجھ کر اس کو اٹھا دیتا ہے۔ اپنی اَنا کو غیر تصور کر کے اس سے گزر جاتا ہے۔ یہاں انا اور ذات غیر اور کثیف کے مترادف ہیں جو راہ سلوک و معرفت میں حارج ہوتے ہیں۔ اس لئے صوفی ''فنا'' ہو کر ان سے کلیتاً برات حاصل کر لیتا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ صوفی دل سے ''وہم غیریت'' کو مٹا دیتا ہے یعنی وہ اس خیال کو مٹا دیتا ہے کہ وہ دنیا میں خدا کے غیر کی حیثیت سے موجود ہے۔ وہ رشتہ غیریت کو فنا کر کے رشتہ عینیت کا اثبات کرتا ہے۔ اس تبدیلی خیال سے اس کی کیفیات اور واردات بدل جاتی ہیں۔ اس کا دل صحیح معنوں میں تجلی گاہ بن جاتا ہے اور وہ سیر الی اللہ کا مصداق ہو جاتا ہے اور وہم غیریت فنا ہونے سے بقا باللہ کا مصداق ہوتا ہے۔ اقبال نے صحیح کہا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا کارساز

اب تک کے جائزے کا حاصل یہ ہے کہ صوفی پہلی منزل میں پیکر اخلاق حسنہ ہوتا ہے اور دوسری منزل میں پیکر روحانیت یعنی تصوف۔ ایک اخلاقی اور روحانی انسان کے وجود پر اصرار کرتا ہے۔ یہی حضرت سیدؒ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ تصوف ہے۔

حضرت سیدؒ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ تصوف میں علم کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے نزدیک علم سے عرفان حاصل ہوتا ہے۔ یہ قلب سے ''تکدر'' کو دور کرتا اور ''صفا'' پیدا کرتا ہے۔ انہوں نے علم پر اپنی گفتگو کا آغاز اس آیت کریمہ سے کیا ہے۔

انما یخشی اللہ من عبدہ العلماء

''اللہ سے صرف وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔''

اور اس حدیث شریف پر خاص زور دیا ہے کہ ''علم کا حصول مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے'' واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پر علم ودیعت کیا ہے۔ انسان کی فطرت علم سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور ہر انسان میں علم کے حصول کی خاص

Marfat.com

صلاحیت اور استعداد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

**علم الانسان مالم یعلم**

''انسان کو (وہ سب کچھ) سکھا دیا جو کچھ (کہ) وہ نہیں جانتا تھا۔''

علم دو قسم کا ہے۔ وہبی اور کسبی۔ علم ایک روشنی ہے جو انسان کی تاریک راہوں میں اجالا کرتی ہے۔ علم انسان کو زندگی اور زمانے کا شعور عطا کرتا ہے لیکن افادی نقطہ نظر سے علم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک وہ علم ہے جو انسان کے لئے مفید ہے۔ دوسرا وہ علم ہے جو انسانی زندگی اور زمانے کے لئے مضر ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

**اعوذبك من علم لا ينفع**

''اے خدا، میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہیں پہنچاتا۔''

اس میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ علم صحیح اپنی جگہ معتبر ہے لیکن اس کا استعمال بھی انسان اور کائنات کے لئے تعمیری، مفید اور نفع بخش ہونا چاہیے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے اسی مضر استعمال سے دنیا خوفزدہ ہے۔

قرآنی تعلیمات میں علم اور عمل کے رشتہ پر خاص زور دیا گیا ہے۔ علم کو عمل پر اور عمل کو علم پر کوئی فوقیت نہیں، بلکہ علم کے مطابق عمل کرنے پر زور دیا ہے۔ قرآن کریم نے عالم بے عمل کو ایک ایسے جانور سے تشبیہ دی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نظریہ علم کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر رکھی ہے اور اس کی تشریح تصوف کے رنگ میں کی ہے۔ انہوں نے علم کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) ایک مخلوق کا علم جو مخلوق کی صفت ہے اور ناقص و محدود ہے۔

(۲) دوسرے اللہ تعالیٰ کا علم جو اس کی صفت ہے اور اس کے ساتھ قائم اور بے نہایت ہے۔ اسی بنیاد پر علم کے دو چشمے ہیں۔ پہلا عقل اور تجربات انسانی اور دوسرے ''وحی ربانی'' تیسری صورت ان دونوں کے امتزاج کی ہے مگر عقل انسانی بہر حال ''وحی ربانی'' کے تابع ہوتی ہے۔ اقبال نے بھی ''دانش برہانی'' اور دانش روحانی کا ذکر اسی

Marfat.com

ذیل میں کیا ہے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ''علم'' پر ایک اور نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور اس کو ''علم ظاہر'' اور ''علم باطن'' کا نام دیا ہے۔ ''علم ظاہر'' کا رشتہ فقہ سے ملتا ہے۔ علم باطن میں تحقیق معرفت یعنی ''تصوف'' کا علم شامل ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ تصوف کی ابتدا علم اس کا اوسط عمل اور اس کی انتہا عشق او رعطائے الٰہی ہے۔ تصوف کے تصور علم میں تمام علوم ظاہری و باطنی شامل ہیں۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق معرفت پر گفتگو کرتے ہوئے شریعت و طریقت، فقہ و تصوف اور ''ظاہر و باطن'' کی دوئی کے تصور پر کاری ضرب لگاتے ہوئے لکھا ہے:

''ظاہر علم فروع میں لوگوں سے معاملہ کی درستگی اور باطن علم فروع میں نیت کا صحیح و درست ہونا شامل ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا قیام دوسرے کے بغیر محال اور ناممکن ہے کیونکہ ظاہر حال باطنی حقیقت کے بغیر نفاق ہے۔ اسی طرح باطن بغیر ظاہر کے زندقہ ہے۔ ظاہر شریعت باطن کے بغیر ناقص اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے۔''

اس نقطہ نظر میں ظاہر و باطن ارادہ و عمل، شریعت و طریقت، فقہ و تصوف، جسم و روح ایک دوسرے کے ضد نہیں بلکہ ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ ایک کا قیام دوسرے پر موقوف ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کے لئے لازمی، ضروری اور ناگزیر ہیں۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے علم ظاہر کو علم شریعت قرار دیا ہے اور اس کے تین ارکان ''علم کتاب مبین''، ''علم حدیث / سنت'' اور ''اجماع امت'' کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے قیاس اور اجتہاد کو نظر انداز کر دیا ہے۔ غالباً قیاس اور اجتہاد ان کے تصور علم میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے علم باطن کو علم حقیقت کہا ہے اور اس کے تین ارکان ''ذات باری تعالیٰ کا علم''، ''صفات باری تعالیٰ کا علم'' اور ''حکمت الٰہی کے علم'' کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اس مقام پر انہوں نے فلسفہ تصوف کی اصطلاحوں میں گفتگو کی ہے اور ''علم من اللہ''، ''علم مع اللہ'' اور ''علم باللہ'' کی تشریح کی ہے۔ انہوں نے علم ''من اللہ'' کو علم شریعت اور

Marfat.com

''علم باللہ'' کو علم معرفت کہا ہے۔

تصوف میں علم کا تصور بہت وسیع اور ہمہ جہت ہے مگر اس میں ''تصور توحید'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اسی پر تصوف کے نظریاتی دبستانوں یعنی وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا دارومدار ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیات ''قل ھواللہ احد'' اور ''الٰہ واحد'' وغیرہ آیات کے حوالے سے تصور توحید کی وضاحت کی ہے۔ تصور توحید پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بے حد بلیغ گفتگو کی ہے۔ انہوں نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے۔

''دین کی ابتداء اس کی معرفت ہے۔ کمال معرفت اس کی تصدیق ہے۔ کمال تصدیق توحید ہے۔ کمال توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ اور چیز ہے۔ لہٰذا جس نے ذات الٰہی کے علاوہ صفات مانے، اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے ذات کا کوئی دوسرا ساتھی مان لیا اس نے دوئی پیدا کی۔''

باب العلم کے ارشاد گرامی میں مدینۃ العلم کی مکمل روشنی ہے۔ یہ تصور توحید ہے۔ جس کے دامن میں تصور وجود اور تصور شہود دونوں کے امکانات پوشیدہ ہیں۔ تصور توحید کی اس تشریح میں ''وحدت'' پر خاص زور ہے نیز دوئی اور تکثر کے نظریہ کی نفی ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''توحید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو اکیلا جاننا اور اس اکیلے جاننے پر صحیح علم رکھنا۔ اسی کا نام توحید ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے، بے مثل، وہ اپنی ذات میں بے نظیر اور اپنے افعال میں لاشریک ہے۔ موحدین نے اللہ تعالیٰ کو انہی خوبیوں کے ساتھ جانا اور اسی جاننے کو توحید کی یکتائی کہتے ہیں:

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دوئی، ثنویت، تکثر، حلول، اتحاد نیز اسی نوع کے

Marfat.com

دیگر مشرکانہ تصورات کی نفی کر کے توحید کی یکتائی کا تصور پیش کیا ہے لیکن توحید کی یکتائی کا یہ تصور مختصر مجمل اور کسی حد تک مبہم ہے اس لئے سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''توحید کی تین قسمیں ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کی توحید، اسی کے لئے۔ یہ حق تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسرے حق تعالیٰ کی توحید مخلوق کے لئے۔ یہ خدا کا حکم ہے۔ مخلوق کے لئے جو بندوں کی توحید کے ساتھ ہے کہ اس نے بندے کے دل میں توحید پیدا فرمائی۔ تیسرے مخلوق کی توحید خدا کے لئے۔ یہ مخلوق کا علم ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ لہٰذا جب بندہ حق کے ساتھ عارف ہو جاتا ہے تو وہ اس کی وحدانیت پر حکم کرسکتا ہے۔

اس تصور توحید میں اس پراسرار رشتہ پر خاص زور دیا گیا ہے جو عبد و معبود، عالم و معلوم اور خالق و مخلوق کے درمیان ہے یعنی ایک طرف حق تعالیٰ کی توحید مخلوق کے لئے ہے اور دوسری طرف مخلوق کی توحید خدا کے لئے ہے۔ یہ دوطرفہ عمل ہے جو وحدت ہی وحدت ہے۔ یہ تصور انسان اور خدا کے درمیان پراسرار رشتہ کے امکانات سے روشناس کراتا ہے جس کو معرفت حق اور عرفان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صوفی عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ''تصور توحید'' کے چار مراتب کا ذکر کیا ہے جنہیں توحید ایمانی، توحید علمی، توحید حالی اور توحید الٰہی کا نام دیا ہے۔ یہ چاروں مراتب تصور توحید کے سادہ تصور سے لے کر فلسفیانہ تصور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ توحید ایمانی یہ ہے کہ اس میں انسان توحید کی تصدیق زبان سے کرتا ہے اور اسی کو لائق عبادت تصور کرتا ہے۔ تصور علمی میں انسان کو یقین ہوتا ہے کہ مؤثر حقیقی ذات وحدہ لاشریک ہے۔ توحید حالی میں صوفی نور مراقبہ کی منزل میں ہوتا ہے اور توحید موحد کی ذات کا وصف بن جاتی ہے۔ توحید الٰہی اپنے آخری درجہ میں وحدت الوجودی رنگ اختیار کر لیتی ہے اور صوفی

Marfat.com

وجود اور وجود کو ایک سے زیادہ تصور نہیں کرتا۔ دل سے وہم غیریت کو مٹا کر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ انہیں مدارج کو حضرت غوث علی شاہ قلندر نے توحید شریعت، توحید طریقت، توحید معرفت اور توحید حقیقت کا نام دیا ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے محض تین مدارج یا اقسام کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب توحید کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ دراصل حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے نیم فلسفیانہ تصور کو پیش کیا ہے جس کی مکمل فلسفیانہ تعبیر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''علم حق تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) علم ذاتی، اس میں حق تعالیٰ خود ہی عالم، خود ہی معلوم اور خود ہی علم ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ سب کا منشا اور اصل ہے اس لئے جب اس نے خود کو جان لیا تو سب کو جان لیا۔ (۲) علم فعلی، ذات حق سے بدرجہ فیض اقدس تمام اشیاء کے حقائق وصور، قبل خلق علم الٰہی میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر یہ علم نہ ہو تو حق تعالیٰ کے افعال اضطراری اور بے اختیار ہوں گے اور اشیا کو پیدا کرنے کے بعد جاننا لازم آئے گا جو مستلزم جہل حق ہے، جو محال ہے۔ (۳) علم انفعالی تمام اشیاء کو پیدا کرنے کے بعد عالم شہادت میں شہود ہوتا ہے۔ علم ذاتی اور علم فعلی خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔''

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے سادہ تصور کو فلسفیانہ بنیادوں پر استوار کیا ہے لیکن اس کے بکھرے ہوئے عناصر سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے تصور توحید میں بھی ملتے ہیں۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا علمی نقطہ نظر قرآن اور احادیث پر مبنی اور انہی سے ماخوذ ہے جو علم دینی اور علم دنیاوی دونوں پر محیط ہے لیکن ان کی تعبیر کا رنگ متصوفانہ ہے۔ ان کے تصور علم میں فقہ وتصوف کی دوئی نظر نہیں آتی بلکہ علم ظاہر سے علم باطن اور علم باطن سے علم ظاہر استفادہ کرتا ہے۔ ایک کا وجود دوسرے کا تکملہ کرتا ہے لیکن انہوں نے واضح

کیا ہے کہ علوم انسانی اور ربانی کو انسان، زندگی اور زمانے کی تعمیر وتشکیل کا ذریعہ بنانا چاہئے نہ کہ تخریب اور ضرر رسانی کا۔ ان کا علمی نقطہ نظر افادی ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے تصور علم میں توحید کو کلیدی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اپنی ابتدائی شکل میں یہ سادہ اور عام تصور ہے لیکن آگے چل کر نیم فلسفیانہ ہو جاتا ہے اور اس کے ڈانڈے ابن عربی کے تصور وحدت الوجود سے ملنے لگتے ہیں۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سیّد رحمۃ اللہ علیہ کا تصورِ توحید، شہودی اور وجودی تصور توحید کے درمیان الگ اپنی امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس کا کلیتاً انحصار قرآن کریم اور احادیث پر ہے لیکن اس کی تعبیر وتوضیح کا رنگ باطنی یا صوفیانہ ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نظام تصوف میں ''صفائے قلب'' اور ''علم'' وسیلہ درمیانی ہیں۔ اصل مقصد معرفت ہے۔ معرفت کے عالم میں صوفی پر جو کیفیات گزرتی ہیں انہوں نے ان کا بیان بڑی جامعیت اور روحانی حسیت کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں مسامرہ ومحادثہ، نفی واثبات، انس وخوف، قبض وبسط محاضرہ ومکاشفہ، حال ومقام، مشاہدہ ومجاہدہ، فنا وبقا، نبوت وولایت، سکر وصحو اور ایسی ہی دوسری اصطلاحوں کی عارفانہ تشریح کی ہے جس میں گہرے روحانی تجربے کا احساس اور عرفان بھی شامل ہے۔ ان کے ذریعے انہوں نے ان کیفیات اور احوال سے پردہ اٹھایا ہے جن سے ایک سچا صوفی، ذہنی، جذباتی، وجدانی اور روحانی طور پر گزرتا ہے۔ یہ صوفی کی ذاتی اور باطنی کیفیات ہوتی ہیں جو اس پر گزرتی ہیں۔ وہی ان کا سچا احساس اور عرفان رکھتا ہے اور وہی ان کا سچا لذت شناس ہوتا ہے چونکہ تصوف میں روحانیت عرفان یا معرفت حق کا سفر خارج سے باطن کی طرف، مادہ سے روح کی طرف، عالم رنگ وبو سے عالم تجرید کی طرف ہوتا ہے، اس لئے اس سفر میں جو کچھ اس پر گزرتا ہے اور جس کو ''واردات'' کہا جاتا ہے وہ اس کا خالص ذاتی باطنی اور روحانی تجربہ ہوتا ہے۔ یہ فنا فی اللہ کی منزل ہے اور صوفی جب فنا فی اللہ ہو کر باطن سے ظاہر کی طرف روح سے عالم

Marfat.com

رنگ و بو کی طرف اور روحانیت سے مادیت کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ بقا باللہ ہوتا ہے۔ اس لئے صوفی اور ولی شخصیت کے دو رخ ہوتے ہیں۔ فنا فی اللہ کی منزل میں اس کا رخ کائنات سے خدا کی طرف اور بقا باللہ کی شکل میں خدا کی طرف سے انسان اور کائنات کی طرف ہوتا ہے۔ حضرت شیخ المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

"شیخ (صوفی اور ولی) کے لئے ولایت اور ولایت دونوں چاہئیں۔ ولایت یہ ہے کہ جب وہ ثابت ہو اور طاعت کرے تو اسے طاعتوں سے حتما لذت ملے جو معاملہ شیخ اور خلق کے درمیان ہوتا ہے اسے ولایت کہتے ہیں۔ البتہ جو معاملہ شیخ اور حق کے درمیان ہوتا ہے اس کو ولایت کہتے ہیں۔"

حق یہی ہے کہ سچا صوفی صحیح شیخ اور ولی کامل ہوتا ہے' جب وہ بندوں کی طرف رخ کرتا ہے تو حقوق العباد ادا کرتے ہوئے انسانوں کی عظمت اور کائنات کی تقدیس اور دلکشی کو نئی معنویت عطا کرتا ہے اور جب اللہ کی طرف رخ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کا سچا لذت چشیدہ ہوتا ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ تصوف بھی اسی نکتہ کی تفسیر پیش کرتا ہے۔

Marfat.com

# سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

﴿قاضی جاوید﴾

پنجاب کے صوفی دانشوروں میں سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار صف اول میں ہوتا ہے۔ یہ وہ بزرگ ہستی ہیں جنہوں نے برصغیر میں مسلم تخلیقی فکر کی روایت کا آغاز کیا۔ فکری خدمات کے حوالے سے انہیں دنیائے اسلام کے ممتاز صوفیائے متفلسفین میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ وہ نامور صوفی دانشور امام ابوالقاسم قشیری کے ہم عصر تھے۔ ان کے ساتھ سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی مراسم بھی موجود تھے۔ سیّد نے دوران سیاحت ان سے ملاقات کی تفصیل قلمبند کی ہے۔ دنیائے تصوف میں امام قشیری کو اپنی تصنیف ''رسالۃ القشیر یہ'' فی علم التصوف کی بنا پر شہرت حاصل ہے۔ کچھ عرصے پیشتر تک اس رسالے کو تصوف کی قدیم ترین کتاب تصور کیا جاتا تھا۔ رسالہ قشیر یہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے شاہکار کشف المحجوب سے چند سال پہلے لکھا گیا تھا۔ مصنف نے اس میں صوفیانہ ادب کی عمومی روایت کے مطابق متقدمین کے اقوال اور حکایات جمع کرنے پر اکتفا کیا ہے تاہم اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اس زمانے میں صوفیانہ مسائل کے حکیمانہ مطالعے کا رجحان پیدا ہو رہا تھا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اسلامی تصوف کی دنیا تصانیف لیل ونہار کا شکار تھی۔ تصوف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ فرد کے شخصی تعلق کا وسیلہ نہیں رہا تھا بلکہ

Marfat.com

فلسفیانہ موشگافیوں کا منبع بن رہا تھا۔ آزاد خیالی اور ترمیم پسندی کے رجحانات مقبول ہورہے تھے۔ مذہب کے خارجی مظاہر اور مذہبی قانون کی داخلی صداقت کے حوالے سے اہمیت کم کی جارہی تھی۔ صوفیہ کی توجہ کا مرکز وحدت الوجود، فنا و بقا اور صحو و سکر کے مسائل تھے جن کو اسلامی مذہبی قانون میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ بہت سے صوفیہ نے داخلی صداقت کی اساس پر مذہبی قانون کے خلاف علانیہ بغاوت کردی تھی۔ روگردانی کا یہ عمل شیخ ابویزید بسطامی کے فکروعمل سے قوی ہوا تھا۔ وہ واضح طور پر ہندووانہ تصوف کے زیراثر تھے۔ انہوں نے اپنے اصول ویدانتی فکر سے اخذ کئے تھے۔ شیخ تک یہ فکر ان کے ہندی الاصل دانش آموز ابوعلی سندھی کے ذریعے پہنچا تھا۔

پرانے خیال کے دانشور اور مذہبی قانون کے شیدائی اس صورتحال سے بیزار تھے۔ لہٰذا جلد ہی صوفیا میں انحراف پسندی کے خلاف ردعمل پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اس عمل اور ردعمل کی انتہائی صورت کی تجسیم حسین بن منصور حلاج کی شخصیت میں ہوئی۔ وہ بسطامی فکری روایت کی انتہا پسند صورت کی نمائندگی کرتے تھے۔ مقدس روایت کے محافظوں نے انہیں غارت کروادیا۔ یہ المناک واقعہ ۹۲۱ء میں پیش آیا۔ صوفیانہ حلقوں میں اس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ بعض آزاد خیال صوفیہ اپنے خیالات پوشیدہ رکھنے پر زور دینے لگے اور ان کے کھلے بندوں پرچار کو گناہ ٹھہرایا۔ دوسرے گروہ نے اپنے خیالات سے وابستگی کا پرجوش اظہار شروع کردیا۔ یہ ایک مختصر گروہ تھا۔ حلاجی المیہ کے بعد عام طور پر دنیائے تصوف میں درمیانی راہ اور متوازن رویہ اختیار کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ صوفیانہ اعتدال پسندی کی مابعد الطبیعات یوں مرتب کی گئی کہ داخلی صداقت اور مذہبی سچائی ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہے۔ قرون وسطیٰ کی اسلامی دنیا میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فکروجذبہ کی جملہ صلاحیتوں کے ساتھ اس تصور کا پرچار کیا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ دونوں میں یہ

سمبندھ بھی موجود تھا کہ عالی مرتبت امام ہمارے سیّد کے ایک آموزگار شیخ ابوالقاسم گرگانی کے پیرو شیخ ابوعلی فارمدی کے شاگرد تھے۔ قرون وسطیٰ کے صوفیانہ فکر میں سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بنیادی طور پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا جلتا کردار ادا کیا ہے تاہم ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس کا سبب محض یہ نہیں کہ اس زمانے میں اعتدال پسندی کا رجحان مجموعی طور پر مقبول تھا اور سیّد اپنے عہد کی اس روح سے متاثر ہوئے تھے بلکہ وجہ یہ بھی ہے کہ گیارہویں صدی کے پنجاب کی صورت حال بھی اس امر کی متقاضی تھی کہ صوفیانہ انحراف پسندی کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے اور عقیدہ پرست قوتوں کو مضبوط کیا جائے۔ اعتدال پسندوں نے جن صوفیانہ رجحانات کے خلاف اپنی جدوجہد شروع کی تھی۔ وہ زیادہ تر ہندو سریت اور فلسفے سے مستعار تھے۔ گیارہویں صدی کے پنجاب میں ان رجحانات کا فروغ فاتح مسلمانوں کے لیے پسندیدہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ہندو مسلم تضادات شدید تھے۔ یہ ناگزیر تھا کہ زندگی کے ہر پہلو میں مسلمان اپنی انفرادیت اور بالادستی کو برقرار رکھیں۔ مزید برآں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں دنیا کا یہ حصہ اسماعیلی اثرات کی زد میں تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے اسماعیلی اثرات کے علاقوں کو اپنی مہم جوئی کا نشانہ بنایا ہوا تھا۔ اس مہم جوئی کو مذہبی جواز فراہم کرنے کی غرض سے اسماعیلی عقائد پر کڑی نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ آزاد خیال تصوف میں ہندوانہ تصوف کے ساتھ ساتھ اسماعیلی اثرات بھی موجود تھے۔ لہٰذا غزنوی سلطنت میں آزاد خیال تصوف کی اشاعت حکمت عملی کے خلاف تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ حلاجی الیے سے مختلف نہیں ہوسکتا تھا۔ اس فکری اور سیاسی پس منظر نے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور فکر کی تشکیل کی۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا گنج بخش کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کا خاندانی نام سیّد علی بن عثمان ہجویری تھا۔ ان کا تعلق افغانستان کے شہر غزنی سے تھا۔ وہاں ان کے والد گرامی سیّد عثمان ہجویری شاہان غزنہ کے عہد میں آباد ہوئے تھے۔ یہ ان کا

آبائی وطن نہیں تھا۔ مشہور ہے کہ عمومی سیاسی اور سماجی بے چینی سے آل سادات کے حالات ابتر ہونے کی بناء پر سیّد عثمان ہجویری کو اپنے وطن سے نکل کر غزنی میں قیام کرنا پڑا تھا۔ سیّد علی ہجویری کے سن ولادت کا تعین کرنا دشوار ہے۔ پرانے تذکرہ نگار اس معاملے میں مہر بہ لب ہیں۔ بعض جدید محققین نے اس طرف توجہ کی ہے۔ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی (ہجری) کے شروع میں ہوئی ہوگی۔

کشف المحجوب کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّد علی ہجویری کی ابتدائی تعلیم اور پال پوس کی جانب خصوصی توجہ دی گئی تھی۔ طبیعت میں سیاحت پسندی کا مادہ بہت تھا۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوئے تو سیر و سیاحت کو چل نکلے۔ اس کا مقصد مشاہیر علماء اور صوفیائے کرام کی صحبت سے فیض حاصل کرنا تھا۔ گویا یہ صداقت کی جستجو کا سفر تھا۔ سیّد کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پنجاب میں آمد سے قبل افغانستان، ایران، شام، عرب، ترکی اور سوویت یونین کے مسلم علاقوں کی سیاحت کی تھی۔ یہ طویل مسافرت ان کے علم و تجربہ میں اضافے کا سبب بنی۔ کشف المحجوب میں سفر کی یادداشتیں ملتی ہیں۔ اس لیے یہ کتاب گیارہویں صدی کی اسلامی دنیا کے مذہبی اور ثقافتی حالات کے مطالعے کے لیے بہت اہم ہے۔

ہمارے صوفیائے کرام کے نزدیک سفر روحانی آدرش کو پانے کا ایک اہم وسیلہ تھا۔ اس کے باقاعدہ آداب تھے۔ سیّد نے ان آداب کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے ہم اپنے ممدوح کی زندگی کے اس اہم مرحلے کے بارے میں تفصیلات اخذ کر سکے ہیں۔ وہ ہدایت کرتے ہیں:

''جب کوئی درویش سفر اختیار کرے اور اقامت ترک کرے تو اس کے لیے شرط ادب یہ ہے کہ اول وہ سفر خدا کے لیے کرے نہ اتباع خواہش کے لئے جیسے ظاہر میں سفر کرے اور باطن کو بھی خواہش نفسانی سے پاک کرے ہمیشہ باطہارت رہے اور اپنے معمولات و اوراد کو ضائع نہ کرے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس سفر میں حج یا جہاد یا

Marfat.com

طلب علم یا زیارت شیخ یا قبر ولی مد نظر ہو ورنہ اس سفر میں خطا وار ہو گا۔

سفر کرتے وقت اپنے ساتھ کملی، مصلیٰ، کوزہ اور جوتا، رسی، عصا ضرور ساتھ رکھے تا کہ کملی سے ستر عورت کر سکے۔ مصلے پر نماز پڑھ سکے، کوزہ سے طہارت کے قابل پانی لے سکے، عصا کے ذریعے آفات سے محفوظ رہے۔ مسافر کے اس میں اور بھی مقصد ہوتے ہیں۔ جوتا اور پاتابہ تو اس لیے کہ وضو کر کے مصلے تک آ سکے اور اگر اس سے زیادہ چیزیں اس نیت سے رکھے کہ سنت کامل ادا کر سکے جیسے کنگھی، ناخن چیر، سوئی دھاگہ، سرمہ دانی، مسواک تو بھی بہتر ہے۔

پھر اگر کوئی اس سے زیادہ چیزیں اپنی آرائش کے لیے رکھے تو بس دیکھنا چاہیے کہ وہ کس مقام پر ہے۔ اگر وہ اس اشیاء کی محبت رکھتا ہے تو ہر ایک چیز اس کے لئے گرفتاری کا موجب ہے اور یہ مثل بت اور دیوار اور حجاب کے ہے اور اس سے رعونت نفس پیدا ہو گا اور اگر تمکین و استقامت کے مقام میں ہے تو اس کے لئے یہ اور اس کے علاوہ اور بھی درست ہے۔" (ترجمہ ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ)

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں بہت سے درویشوں، صوفیوں اور عالموں کے حالات اور حکایات درج کیے ہیں۔ اپنی سیاحت کے دوران انہیں ان بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ سیّد نے ان میں سے راست بازوں کا ذکر عزت اور احترام کے ساتھ کیا ہے اور ان سے حاصل شدہ روحانی فیوض کے ذکر میں کشادہ دلی سے کام لیا ہے۔ ان بزرگوں میں سے شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی، شیخ ابوسعید ابوالخیر، شیخ ابوالعباس بن محمد شقانی اور شیخ ابوالقاسم قشیری بہت اہم ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن سے ہمارے صوفی دانشور نے دین و دنیا کا علم حاصل کیا۔ ان بزرگوں میں سے اول الذکر کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے سیّد نے لکھا تھا:

"ایک روز میں شیخ گرگان کی خدمت میں حاضر تھا اور اپنے لطائف جو مجھ پر

Marfat.com

منکشف ہوئے تھے، عرض کر رہا تھا تا کہ اپنا حال ان کی ہدایت کے مطابق درست کروں کیونکہ آپ ناقدِ وقت تھے۔ حضرت علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ میرا حال تمام احترام کے ساتھ سنتے رہے۔

میرا لڑکپن اور بچپن کا نخوت اور جوش جوانی مجھے اپنے حال کی ترجمانی پر حرص بڑھا رہا تھا اور دل میں یہ خیال سکہ زن ہوا کہ جو لطائف مجھ پر منکشف ہیں شاید اس قدر لطائف ان پر منکشف نہیں ہوئے یہی وجہ ہے کہ آپ اتنے غور وخوض سے سن رہے ہیں۔ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے فراست ولایت سے میرے ضمیر کی آواز خیال کو سمجھ لیا اور فرمایا۔ ''اے جان پدر، میری یہ فروتنی اور نیازمندی تیرے لئے نہیں ہے بلکہ ہر مبتدی سے جو اپنے حالات لطائف مجھے سناتا ہے، ایسے ہی سنتا ہوں۔ یہ تمہارے لئے ہی خاص نہیں ہے۔ جب میں نے آپ سے یہ الفاظ سنے تو میں خاموش ہو گیا۔''

سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے معلمین کا ذکر شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا۔ وہ ہمارے ممدوح کے مرشد تھے۔ جب ہجویری روحانی رہنما کی ڈھونڈ ڈھانڈ میں سرگرداں تھے تو شام کے دور افتادہ علاقے کوہ لکام میں شیخ ختلی سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ شیخ تارک الدنیا تھے، گوشہ نشین تھے۔ دنیاوی پابندیوں سے بے نیاز تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ''دنیا مثل ایک دن کے ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔'' ہجویری ان سے ملے تو دل وجان سے گرویدہ ہو گئے۔ ایک مدت تک ان کی خدمت کی، بہت سے روحانی فیوض حاصل کئے۔ انہوں نے ایک دن کی داستان یوں رقم کی ہے:

''ایک دن حضور کے ہاتھ پر وضو کے لئے پانی ڈال رہا تھا تو میرے دل میں گمان پیدا ہوا کہ جب تمام نظام عالم اور کاروبار دنیا قسمت پر موقوف ہے تو کس لئے اچھے خاصے آزاد لوگ امید کرامت وفیوض پر اپنے آپ کو پیروں فقیروں کا غلام اور بندۂ حکم بناتے ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال گزر اہی تھا کہ حضور فرمانے لگے۔ صاحبزادے! جو وسوسہ تمہارے دل میں پیدا ہوا ہمیں معلوم ہے، یاد رکھو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا وقدر

Marfat.com

کے ہر حکم کے لئے اللہ تعالیٰ نے سبب رکھے ہیں۔ جب ظالم بچہ یعنی سپاہی زادہ کو اللہ تعالیٰ تاج عرفان و مملکت عشق سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے توفیق توبہ دے کر اپنے کسی مقرب دوست کی خدمت میں مشغول فرما دیتا ہے تاکہ وہ خدمت گزاری اس کی عزت و کرامت کے لئے سبب بنے اور مثل اس کے بہت سے لطائف ہر روز میرے اوپر ظاہر ہوتے رہتے تھے۔''

شیخ ختلی تفسیر دان اور روایات کے جید عالم تھے۔ ان کا صوفیانہ نقطہ نظر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے مستعار تھا، جو صوفیانہ انحراف پسندی اور تصوف میں غیر اسلامی عناصر کے دخول کے خلاف پیدا ہونے والے ردعمل کا مظہر تھے۔ راسخ الاعتقادیت کو مستحکم اساس فراہم کرنے کی غرض سے انہوں نے طریقت کو شریعت کے ماتحت رکھنے کی تعلیم دی تھی۔ وہ سکر پر صحو کی برتری کے قائل تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ: ''سکر محل آفت ہے کیونکہ وہ احوال تشویش اور زباب صحت خود ہے اور اپنے سر رشتہ کا گم کر دینا ہے اور طالب کے ہر پہلو میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ فنا ہو یا برائے بقا رہے۔ محو ہو یا برائے اثبات قائم ہو۔ جب وہ صحیح الحال ہی نہیں رہا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ دل اہل حق مجرو ہونا چاہئے۔ تمام موجودات سے اور بینائی کی بنیاد قید اشیاء میں کبھی راحت نہیں پاتی اور آقا سے رستکاری نہیں ملتی اور مخلوق کا ماسوائے اللہ میں پھنسا رہنا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں، نہیں دیکھ سکتے اور اشیاء کا ملاحظہ جیسی کہ وہ ہیں دو طرح کا ہوتا ہے، ایک یہ کہ دیکھنے والا ہر شے کو بچشم بقاء دیکھے دوسرے یہ کہ اس شے کو بچشم فنا دیکھے۔ اگر وہ بچشم بقا دیکھے گا تو کل اشیاء اپنی بقاء میں ناقص نظر آئیں گی کیونکہ اشیاء باقی رہنے کے حال میں اپنے سے باقی نہیں پاتا اور اگر بہ چشم فنا دیکھے گا تو کل اشیاء پہلوئے بقاواجب تعالیٰ میں فانی نظر آئیں گی تو یہ دونوں نظریں موجودات کے دیکھنے والے کو اعراض پر مجبور کر دیتی ہیں۔ یہ تمام کیفیت صحو میں آئے بغیر درست نہیں ہوتی۔''

Marfat.com

شیخ ختلی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تعلیمات پر پوری طرح کاربند تھے۔ان کا قول تھا کہ سکر بازی گاہ کودکان ہے اور صحو فناہ گاہ مردان۔سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو روحانی وراثت میں یہی نقطہ نظر ملا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''اپنے شیخ کی موافقت پر کمال صاحب سکر صحو ہے کمترین درجہ صحو کا یہ ہے کہ صاحب صحو صفات بشریہ کے دیکھنے سے دور ہو جاتا ہے تو وہ صحو جو آفت دکھاتا ہے، اس سکر سے بہتر ہے جو عین آفات ہے۔'' اپنی رائے کی وضاحت کرنے کے لئے سیّد نے ایک حکایت بیان کی ہے۔

''حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے کہ آپ نے ابتداء حال میں بیس سال عزلت نشینی فرمائی اور ایسے جنگلات میں رہے جہاں انسان کا حس بھی نہ ہوحتیٰ کہ بوجہ مشقت ومجاہدہ آپ کا جسم گھل گیا اور چشم ہائے مبارک سوئی کے ناکہ کی رہ گئیں اور شبیہ انسانی بدل گئی۔بیس سال کے بعد حکم آیا کہ اب انسانوں میں صحبت کرو۔ آپ نے دل میں کہا کہ ابتداء صحبت اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اس کے محبوبوں سے کرنی چاہئے تاکہ برکت حاصل ہو۔آپ نے مکہ معظمہ کا قصد کرلیا۔مشائخ مکہ کو اپنے کشف سے آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوگیا۔استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے۔ آپ کو بالکل مبدل پایا سوائے اس کے کہ رمق جان نظر آتی تھی اور کچھ نہیں۔سب نے کہا ابوعثمان! آپ بیس سال اس حال میں جئے ہیں کہ آدم اور اس کی ذریت اس زندگی سے عاجز ہے۔ہمیں بتاؤ کہ تم کیوں گئے اور وہاں کیا دیکھا اور اس مدت میں کیا حاصل کیا اور اب کس لئے واپس آئے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں سکر میں گیا تھا اور آفات سکر دیکھ کر ناامید ہوا اور عاجز آکر واپس آیا۔مشائخ کرام نے کہا کہ ابوعثمان آپ کے اب سب مجردوں پر حرام ہے کہ وہ صحو وشکر کی عبادت پر آئیں۔اس لئے کہ آپ نے اس کا انصاف پورا کردیا اور آفات سکر کو واضح طور پر دکھادیا۔''

جب تک ختلی بقید حیات رہے، سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت کرتے

Marfat.com

رہے۔ مرشد کے وصال کے بعد انہوں نے وطن کا رخ کیا لیکن زیادہ دیر غزنی میں نہ رہ سکے۔ کچھ مدت بعد انہیں دوبارہ اپنے شہر سے نکلنا پڑا۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنے قیام کے لئے لاہور کو منتخب کیا۔ یہ شہر غزنوی سلطنت کا حصہ تھا مگر ابھی یہاں اسلام کا زیادہ بول بالا نہیں ہوا تھا۔

بعض تذکرہ نگاروں کے بقول ہجویری اپنے مرشد کی ہدایت پر لاہور آئے تھے۔ اس اطلاع کا منبع امیر حسن سنجری کی تالیف فوائد الفوائد ہے، جس میں شیخ نظام الدین اولیاء کے حوالہ سے یہ روایت درج کی گئی ہے کہ شیخ ختلیؒ نے اپنے ایک مرید شیخ حسین زنجانی کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور جانے کا حکم دیا تھا۔ ابوالفضل کے آئین اکبری اور بعض قدیم تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ حسین زنجانی خواجہ معین الدین چشتی کے ہمعصر تھے اور دونوں بزرگوں میں ذاتی مراسم موجود تھے۔ اس بنا پر بعض جدید محققین، میر حسن سنجری کی درج کردہ روایت کو مبالغہ آمیز قرار دیتے ہیں۔ یہ فیصلہ درست نہیں۔ امیر حسن سنجری اور ابوالفضل کی فراہم کردہ اطلاعات میں ارتباک غالباً اس لئے ہے کہ شیخ حسین زنجانی نام کی دو بزرگ ہستیاں گزری ہیں۔ ایک سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے اور دوسرے ان کے کم وبیش ایک صدی بعد لاہور میں موجود تھے۔

سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اپنے لاہور آنے کے بارے میں کوئی تفصیل درج نہیں کی تاہم اس میں ایک جگہ ایسا اشارہ ملتا ہے جس سے یہ خیال گزرتا ہے کہ اس شہر میں ان کی آمد باقاعدہ منصوبہ بندی اور شخصی انتخاب کا نتیجہ نہ تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ لاہور میں وہ اس عالم میں پہنچے تھے کہ ان کی کتابیں بھی غزنی میں رہ گئی تھیں۔ اس بیان سے سیّد کے ایک جدید سوانح نگار پروفیسر مسعود الحسن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غزنی میں ہمارے ممدوح کو عشق مجازی کا ایک ناکام تجربہ ہوا تھا اس کے تلخ اور منفی اثرات کو زائل کرنے کے لیے مرشد نے انہیں لاہور جانے کی ہدایت کی۔ یہ واقعہ سلطان

Marfat.com

مسعود کے عہد میں ۱۰۳۴ء، ۱۰۳۵ء میں پیش آیا۔ (حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، ایک روحانی سوانح عمری، انگریزی)

خود سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عشق مجازی کے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ دلجمعی سے وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک بار وہ کسی پری صفت، کے بغیر دیکھے ہی شیفتہ و مقید ہو گئے تھے۔ اس پری جمال کا ذکر انہوں نے دوسروں کی زبانی سنا تھا۔ اس پر وہ مسلسل ایک برس تک اس کی طلب و جستجو میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ جذبے کی شدت انہیں راہ حق سے بھی ہٹانے لگی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے پاکدامنی کو مجھ بے چارے کی پیشوائی کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے خلاصی عطا فرمائی۔'' خارجی طور پر دیکھا جائے تو ہمارے ممدوح کے لئے یہ ایک ناکام تجربہ تھا۔ اس کے اثرات نے سیّد کی شخصیت پر اپنے نقوش مرتسم کئے ہیں۔ چنانچہ جب وہ صنف نازک کا ذکر کرتے ہیں تو خفگی، رمیدگی اور جھنجھلاہٹ چھپائے نہیں چھپتی۔ اس معاملے میں ان کی اعتدال پسندی کا سکہ نہیں چلتا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''غرضیکہ پہلے فساد کا فتنہ سر آدم علیہ السلام پر جو آیا، اس کا سبب عورت تھی۔ اور پہلا فساد جو دنیا میں ہوا، اس کا سبب بھی عورت تھی۔ یعنی فتنہ ہابیل و قابیل۔ یہ بھی عورت کی وجہ سے ہوا اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو عذاب دینا چاہا اس کی بنا بھی عورت ہوئی اور ہماری اس دنیا میں آج تک دین و دنیا کے سب فسادوں کی باعث عورتیں ہی ہیں۔''

جنس لطیف کے بارے میں اس رویے نے ہمارے دانشوروں کو تجرد پسند بنا دیا ہوگا۔ لہٰذا گمان غالب یہ ہے کہ انہوں نے مسیحی راہبوں کی طرح زندگی حالت تجرد میں بسر کی تھی۔ سیّد کے بیشتر سوانح نگار یہی خیال کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کے نزدیک انہوں نے نہ صرف ایک بلکہ دو بیاہ رچائے تھے۔ اس اختلاف رائے کا سبب خود سیّد کی تحریر کا ابہام ہے۔ جہاں تک عمومی رویے کا تعلق ہے، ہجویری نہایت واضح الفاظ میں

Marfat.com

کہتے ہیں کہ تجرونکاح سے بہتر ہے۔شادی بیاہ سے حتیٰ الوسع دور رہنا چاہئے۔اپنی بات پر زور دینے کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیم خواص کی ایک دلچسپ روایت بھی رقم کی ہے۔

''حضرت ابراہیم خواص کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ایک گاؤں میں ایک بزرگ کی زیارت کو گیا۔جب وہاں پہنچا اور اس کا گھر دیکھا تو اولیاء اللہ کے گھروں کی طرح ستھرا تھا۔اس میں دومحراب بنے ہوئے تھے۔ایک محراب میں پاکیزہ اور منور چہرہ بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔دونوں ریاضت کی وجہ سے ضعیف ہو چکے تھے۔میری حاضری سے بہت خوش ہوئے۔تین روز میں وہاں رہا۔جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو چلتے ہوئے میں نے پوچھا کہ یہ پاکدامن آپ سے کیا تعلق رکھتی ہے۔آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک جہت سے تو چچا کی بیٹی ہیں اور ایک جہت سے میری بیوی ہیں۔

میں نے کہا تین دن سے تمہیں آپس میں بہت بیگانہ دیکھا انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پینسٹھ سال سے ہم دونوں اس حال میں ہیں۔میں نے اس کی وجہ دریافت کی۔فرمایا ہم بچپن میں باہمی عاشق تھے۔ان کے والد مجھ سے ان کا نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے اور انہیں ہماری محبت معلوم ہو چکی تھی۔ایک مدت تک میں رنجیدہ رہا۔حتیٰ کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔آخر میرے والد نے ان کے ساتھ میرا عقد کر دیا۔جب پہلی رات ہم دونوں یکجا ہوئے تو انہوں نے مجھ سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا انعام فرمایا کہ ہمیں اور تمہیں ملا دیا اور ہمارے دلوں کو خوف وغم سے صاف کیا۔میں نے کہا بے شک یہ ہم پر بڑا فضل ہوا ہے تو بیوی نے کہا اب ہمیں چاہیے کہ اپنے کو خواہش نفسانی سے روکیں اور آج رات میں سب سے پہلے اپنے نفس کو روک کر اپنی خواہش کو زیر پا روندتی ہوں اور اس نعمت کے شکریہ میں عبادت کرتی ہوں۔میں نے کہا بہت اچھا دوسری رات جب آئی تو اس نے یہی کہا اور ویسے ہی رات عبادت میں گزاری۔تیسری شب میں نے کہا کہ دو راتیں تمہاری خاطر سے گزریں۔آج کی شب میری خاطر شب

Marfat.com

بیداری ہونی چاہئے۔آج پینسٹھ سال گزر گئے ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں اور لمس بھی نہیں کیا اور تمام عمر اس نعمت کے شکر میں گزار رہے ہیں۔''

ان مسرتوں کے بارے میں رویہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف کا لازمی جزو تھا تاہم ان کی شخصیت کا خلقی جزو نہیں تھا۔اگرچہ اب بعض اہل نظر انہیں یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے۔لیکن خود ہمارے ممدوح نے اپنے جو حالات درج کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عنفوان شباب کا زمانہ بڑی ٹھاٹھ سے بسر کیا تھا۔عراق میں قیام کے موقع پر ایک مرتبہ وہ دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے لٹا دینے میں ازحد مشغول ہو گئے تھے۔البتہ یہ ماننا چاہئے کہ زندگی کا یہ ڈھنگ عارضی ثابت ہوا اور انہوں نے اپنے تئیں اعلیٰ روحانی مقاصد کے لئے وقف کر دیا اور کامران ہوئے۔

ان مقاصد کو پانے کے لئے ہجویری لاہور آئے تھے۔اس شہر میں ابھی اسلامی اثرات زیادہ گہرے نہیں ہوئے تھے۔شہر کے باشندے اجنبی حکمرانوں سے فطری طور پر مغائرت رکھتے تھے۔ظاہر ہے کہ اس معروضی صورت حال میں ہمارے صوفی دانشور کو اپنے مقصد کے حصول میں بہت سی رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ان کی کامیابی کے بارے میں یہ شبہ محال ہے۔عظیم حاصلات کی بناء پر وہ گنج بخش ٹھہرے۔یہ لقب ان کی روحانی و مادی عظمت،مقبولیت اور عوام کی ان سے عقیدت کا نشان ہے۔اس لقب کے بارے میں بہت سی توجیہات پیش کی گئی ہیں۔کہا گیا ہے کہ یہ ایسا نام ہے جو ''بلا تحقیق غیر معمولی اثر و نفوذ کی شخصیت کو دیا جاتا تھا۔'' چنانچہ پنجاب کے بعض دیگر اولیاء بھی اس نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ان میں شیخ حامد قادری،شاہ ولایت شاہ دولہ دریائی اور حضرت نوشہ شامل ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اول اول خواجہ معین الدین چشتی نے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو گنج بخش کے نام سے یاد کیا تھا۔مولوی نور احمد چشتی نے یہ روایت یوں بیان کی ہے:

''اور وجہ شہرت حضرت کی باسم مبارک گنج بخش یہ ہے کہ عقائد اہل اسلام میں یہ دستور مروج ہے کہ ہر ملک و ہر شہر کا ایک فقیر بہر حال ہر وقت حاکم و محافظ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت ظاہری تو سپرد حاکمان ظاہری ہوتی ہے اور حکومت باطنی فقیروں کے سپرد ہوتی ہے۔ چنانچہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ کوئی شہر اور کوئی ملک بغیر حکومت قطب نہیں ہوتے۔ چنانچہ جو حکم الٰہی ہوتا ہے وہ ان بارگاہوں کی معرفت جاری ہوتا ہے اور تقرر و تبدل سلطنت ظاہری کا بھی انہیں کی تفویض ہوتا ہے۔

اور چونکہ یہ حضرت بڑے اہل اور شہنشاہ اولیاء ہیں اس واسطے اب تک جو کوئی فقیر حاکم باطنی ہند و پنجاب مقرر ہوتا ہے۔ سوائے حکم ان کے تقرر ان کا نہیں ہوتا۔ چنانچہ سن پانچ سو ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس اللہ سرہ العزیز ان حضرت کے مزار پر آئے اور چلہ ادا کیا۔ چنانچہ حضرت کے مزار کے جنوب رویہ، اندرون چار دیواری، مکان چلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا اب تک موجود ہے۔ حضرت موصوف اس عبادت خانہ میں مدت بھر تشریف فرما رہے اور پھر حضرت کو حکومت ہندوستان جنت نشان کی عطا ہوئی اور مزار پرانوار ان کی اجمیر شریف میں مشہور و معروف ہے۔ اور ہزار ہا خلقت دور و نزدیک سے وہاں حاضر ہوتی ہے مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو بھی حاضری دیتے ہیں اور کروڑ ہا روپیہ کا اسباب ان کے مزار پر موجود ہے

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں راہ پیر کامل، ناقصاں را رہنما

اس روز سے نام مبارک حضرت کا گنج بخش مشہور ہوا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری ایام اور وفات کے بارے میں کوئی واضح اطلاع موجود نہیں۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان کی وفات پانچویں صدی کے نصف آخر میں ہوئی۔

سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ایسے دور میں بسر ہوئی جب کہ کرۂ ارض کے کم

Marfat.com

وبیش ایک تہائی حصے پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ تاہم یہ عظیم الشان سلطنت سیاسی اور فکری مرکزیت سے محروم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے کئی سیاسی اور مذہبی ثانوی گروہ وجود میں آچکے تھے۔ بسا اوقات بین الگروہی تضادات اس قدر شدید ہو جاتے تھے کہ ایک ہی مذہب سے وابستگی کا احساس بھی ختم ہو جاتا تھا۔ شیعہ سنی تضادات بہت شدید ہو چکے تھے۔ اس کے دور رس سیاسی، تہذیبی اور سماجی اثرات پیدا ہوئے تھے۔ یورپ کے اسلامی مقبوضات مرکز سے انحراف کر چکے تھے۔ مصر اور شام فاطمی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اس میں عراق کے بعض حصے بھی شامل تھے۔ مغربی ایران اور شمالی عراق پر بویہ حکومت قائم تھی۔ سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں غزنویوں کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بڑی سلطنت کے مالک بن گئے۔ اس سلطنت میں افغانستان، خراسان اور پنجاب کے علاقے شامل تھے۔ غزنویوں کے عروج کے کچھ عرصہ بعد سلجوق تاریخ کے منظر پر ابھرے۔ غزنویوں کے ساتھ ان کا تضاد شروع ہوا یہاں تک کہ انہوں نے غزنوی سلطنت کے بہت سے علاقے چھین لئے۔ اس تمام زمانے میں خلافت کا مرکزی ادارہ مجہول اور بے بس ہو چکا تھا۔ اس کا محض روایتی احترام باقی تھا۔ سیاسی انتشار کے اس دور میں جب سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پنجاب پہنچے تو اس علاقے کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں اپنے حقیقی فریضہ کا آغاز کیا۔

سیدعلی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی اہمیت محض اسلام کی اشاعت کے حوالے سے نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے تبلیغی امور کی جانب توجہ کی تھی اور بہت سے لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے میں کامیاب بھی رہے تھے۔ تاہم ان کا حقیقی کارنامہ فکری سرگرمیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ قاموسی انشا پرداز تھے۔ کشف المحجوب کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تصانیف میں ایک شعری دیوان کے علاوہ کتاب فنا و بقاء، محو القلوب شرح کلام منصور، الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ، اسرار الخرق والموفات،

کتاب البیان لاہل العیاع اور منہاج الدین شامل تھیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے ایمان اور اثبات اعتقاد مشائخ کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ یہ تمام تصانیف اب زمانے کی خورد برد کا شکار ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بعض کو مصنف کی زندگی ہی میں دوسرے لوگوں نے اپنے نام سے جعلی طور پر شائع کروالیا تھا۔ مصنف کو اس کا بہت دکھ ہوا۔ اس نے اپنے شاہکار کشف المحجوب میں جابجا اپنا نام درج کر دیا تا کہ اس کا حشر بھی پہلی نگارشات جیسا نہ ہو۔ وہ وضاحت کرتے ہیں:

''ابتداء کتاب (کشف المحجوب) میں جو میں نے اپنا نام لکھا، اس سے دو باتیں مطلوب ہیں۔ ایک خواص کے لئے دوسری عوام کے لئے۔ عوام کے لئے تو یہ کہ جب جاہل بے عمل کوئی نئی کتاب دیکھتا ہے اور اس پر مصنف کے نام کا پتہ نہیں ملتا وہ اس کتاب کو اپنے نام پر شائع کر لیتا ہے اور اس رویہ سے مصنف کا جو مقصد ہوتا ہے، وہ ضائع ہو جاتا ہے اور مصنف جو کتاب تالیف وتصنیف کرتا ہے، اس سے اس کا پہلا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے ذریعے اس کا نام زندہ رہے اور اس کتاب کے پڑھنے والے مصنف کو دعائے خیر سے یاد کرتے رہیں۔ مجھے یہ تلخ تجربہ دو بار ہوا۔ ایک بار کسی نے میرے اشعار کا دیوان عاریۃً لیا اور چونکہ صرف وہی ایک نسخہ میرے پاس تھا، اس نے میرے تمام دیوان میں میرے نام کی جگہ اپنا تخلص لگا کر شائع کر دیا اور میری تمام محنت ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطا کو معاف فرمائے۔ دوسری بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے ایک کتاب فن تصوف میں تالیف کر کے اس کا نام منہاج الدین رکھا۔ ایک متصوف نے اسے لے کر اپنے نام پر شائع کر دیا۔ خدا کرے وہ گمنام ہو۔ اس نے عوام میں اس کتاب کو اپنی تالیف ظاہر کر کے شائع کیا، حالانکہ جاننے والے اس کی اس حرکت پر استہزا کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرکت ناموزوں کی وجہ سے برکت سلب فرمالی اور اپنی بارگاہ کے طالبوں میں سے اس کا نام محو فرما دیا۔''

اس میں شبہ نہیں کہ تاریخ کی بارگاہ سے اس متصوف کا نام محو ہو گیا ہے اور سید علی

Marfat.com

ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ہی خواہش بھی پوری ہوگئی ہے کہ ان کی تحریریں ان کی ابدی شہرت کا سبب بنیں۔ حالانکہ ان کی صرف ایک تصنیف کشف المحجوب ہم تک پہنچی ہے۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ کشف الاسرار بھی ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ بعض قدیم تذکروں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں پیش کیے گئے خیالات کو کشف المحجوب کا خلاصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ تاہم دونوں میں اختلافات بھی موجود ہیں۔ انداز بیان کا فرق بھی موجود ہے۔ اس بنا پر سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے تین ممتاز جدید نقادوں اور تذکرہ نگاروں، پروفیسر شیخ عبدالرشید، ڈاکٹر ظہور الدین احمد اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے کشف الاسرار کو غیر مستند قرار دیا ہے۔ اس نتیجے کی تردید کرنے والوں میں شریف کنجاہی اور نسیم چودھری قابل ذکر ہیں۔ بہرطور اگر کشف المحجوب کو معیار قرار دیا جائے تو کشف الاسرار کو مستند تصور کرنا محال ہو جاتا ہے۔

موجودہ صورت میں کشف المحجوب کو ہی سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا واحد اور قابل اعتبار ماخذ تصور کیا جانا چاہیے۔ ہماری صوفیانہ اور فکری روایت میں اس کتاب کو نہایت ممتاز مقام حاصل ہے۔ یقینی طور پر یہ کتاب برصغیر میں اسلامی تصوف پر لکھی جانے والی اولین تصنیف ہے۔ مصنف نے اس میں ایک مکمل صوفیانہ نظام فکر پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی تصوف کے منبع، تاریخ اور اس کی مختلف صورتوں کا بیانیہ تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ مختلف صوفیہ کے حالات درج کیے گئے ہیں اور مصنف نے اپنے بارے میں بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ تاہم اصل کتاب کے زمانہ تصنیف کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ زیادہ قدیم نہیں ہیں۔ وی آنا اور پیرس کے کتب خانوں میں پندرہویں صدی عیسوی کے نسخے موجود ہیں۔ ۱۶۰۲ء کا ایک نسخہ سینٹ پیٹرس برگ کے کتب خانے کی زینت ہے۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں قدیم ترین نسخہ ۱۶۱۰ء سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک اور معروف بولڈین نسخہ ہے جو ۱۵۰۰ء سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کشف المحجوب کے ایک نسخے کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ شیخ بہاؤ

Marfat.com

الدین زکریا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ ۶۶۴ھ میں لکھا گیا تھا اور اب ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے کتب خانے کی زینت ہے۔ حال ہی میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ خود سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دستیاب ہوا ہے جو ان کے سابق مجاورین کے پاس محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر نے اس نسخے کے معائنہ کے بعد اسے غیر مستند قرار دیا ہے۔

مختلف علاقوں میں کشف المحجوب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی اور اردو زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ سیّد ہجویری کی آخری قیامہ گاہ کی طرح اس کتاب کی اولین اشاعت کا اعزاز بھی لاہور کو حاصل ہے۔ جہاں اول اول ۱۸۷۴ء میں یہ کتاب مطبع پنجابی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد پاکستان، بھارت، ایران، برطانیہ اور سوویت یونین سے اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں۔ یوں یہ کتاب دنیا بھر کے اہل نظر سے داد حاصل کر چکی ہے۔

برصغیر کے صوفی دانشوروں نے ہمیشہ اس کتاب سے تخلیقی تحریک حاصل کی ہے۔ ان میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ بندہ گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ شرف الدین یحییٰ منبری رحمۃ اللہ علیہ نمایاں ہیں۔ بہت سے معروف تذکرہ نگاروں نے اس کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کے سوویت یونین مرتب پروفیسر ژوکوفسکی نے روسی ایڈیشن کے آغاز میں ایک طویل محققانہ دیباچہ رقم کیا ہے۔ اس میں اس نے دیگر امور کے علاوہ ایسی کتب کی ایک فہرست بھی دی ہے جن سے صاحب کشف المحجوب نے استفادہ کیا ہے۔ اس فہرست کی نمایاں کتب میں رسالۃ القشیریہ، طبقات الصوفیہ، تاریخ المشائخ، کتب سلمیٰ، تاریخ اہل صفہ، کتاب مقدس حکایات عراقیات اور کتاب محبت شامل ہیں۔ ان کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ رسائل حکیم ترمذی، غلط الواجدین اور حسین بن منصور حلاج کی تصانیف بھی ہمارے ممدوح کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

Marfat.com

مصنف نے خود اعتمادی کے ساتھ کشف المحجوب کا آغاز کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کتاب کا یہ عنوان اس لئے منتخب کیا گیا تا کہ جو کچھ کتاب میں ہے اس کی ترجمانی اس کا نام ظاہر کر دے۔ جس کی چشم باطن کھلی ہو وہ جب کتاب کا نام سنتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اس میں کیا کیا مضامین درج ہیں اور واضح رہے کہ سوائے مقربین بارگاہ کے عوام حقیقت آشنائی سے محجوب ہیں اور مخفی بے خبر چونکہ یہ کتاب یہاں راہ حق میں ہے اور کلمات تحقیق کی شرح اور کشف حجاب شریعت کے موجب ہیں اس لئے ایسی کتاب کا نام اس کے سوا اور کوئی موزوں نہ تھا اور در حقیقت کشف محجوب کے لئے ہلاکت ہے جیسے کشف میں حجاب، یعنی جس طرح قرب متحمل بعد نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعد متحمل قرب نہیں۔ یا یوں سمجھنا چاہئے کہ جو کیڑا سرکہ میں پیدا ہوتا ہے وہ جس چیز میں پڑے گا مر جائے گا اور جو کیڑا دوسری چیزوں میں پیدا ہوا وہ اگر سرکہ میں ڈالا جائے تو مر جائے گا۔

اس تمہید کے بعد مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے کشف المحجوب اپنے ایک رفیق ابوسعید ہجویری کے بہت استفسارات کے جواب میں لکھی تھی۔ ابوسعید ہجویری نے ان سے یہ درخواست کی تھی:

> ''اہل طریقت و تصوف کی کیفیت اور ان کے مقامات و مذاہب بیان کر۔ اور ارباب تصوف کے رموز و اشارات ظاہر کر اور یہ بھی واضح کر کہ اللہ جل مجدہ کی ذات و صفات کے ساتھ ربط محبت کیونکر ہوتا ہے اور اس کا لطف بے کیف قلوب صوفیہ پر کس طرح متکیف ہوتا ہے اور اس کے ماہیت معلوم ہونے سے عقول کا حجاب اور اس کی حقیقت آشنائی سے نفس کی منافرت اور اس کی ضیاء و صفا سے روح کو آرام کیونکر ہے؟'' (ص ۲۷ تا ۳۷)

مسؤل نے جواب کا آغاز گردش زمانہ کے گلے شکوے سے کیا ہے۔ مذہبی قنوطیت پسندی کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ کہتا ہے:

''ہمارے اس زمانے میں علم حقیقت و معرفت نہ رس اور معدوم جیسا ہو گیا ہے۔

Marfat.com

خاص کران ممالک میں جہاں کے عوام خواہشات نفسانیہ کے پیرو بن گئے ہیں اور راہ رضا واستقامت سے منحرف!......اور مدعی تصوف وعرفان اپنے دعویٰ میں اس قدر محو ہو گئے کہ معانی حقیقی حل کرنے میں عاجز ہیں۔ پیرو مرید دونوں نے مجاہدہ چھوڑ دیا اور محض اپنے وہم کا نام مشاہدہ رکھ لیا۔ مدعیان کاذب نے لوگوں کو دام تزویہ میں پھانسنے کے لیے چند الفاظ صوفیہ کے یاد کر لئے ہیں اور اصل مفہوم نیساً منیسا کر ڈالا اور دل میں انکار کے سوا کچھ نہیں اور اسے وہ نعمت جانتے ہیں۔ ایک گروہ اس علم کے حاصل کرنے کو آمادہ ہو کر بیٹھا مگر کچھ حاصل نہ کر سکا۔ دوسرے گروہ نے فن پڑھا مگر اس کے معانی پر عبور نہ کر سکا اور عبادت یاد کر کے ظاہر کرتا پھرا کہ ہم فن تصوف اور علم عرفان جانتے ہیں اور حقیقۃً یہ انکار خالص ہے۔ علم تصوف سے جاہل لوگوں نے بزرگان سلف کی کتابوں کو لے کر بغیر سمجھے ان کی یہ عزت کی۔ اسرار الٰہیہ کے خزانہ کلاہ فروشوں اور جلد سازوں کے ہاتھ بیچ کر ضائع کر دیا۔ انہوں نے ان کے اوراق پھاڑ کر ٹوپیوں کے استروں میں لگا دیئے اور جلد سازوں نے ابونواس کے دیوان اور جاحظ کی ہزلیات کی جلدوں میں چپکا دیئے۔

''......رب العزت جل جلالہٗ نے ہمیں بھی ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا کہ اہلیان زمانہ حظوظ حرص وہوا کو شریعت بنا بیٹھے اور طلب جاہ اور ریاست وتکبر کو عزت وعلم سمجھا۔ اور ریاکاری ونمائش کو طوف الٰہی قرار دے دیا۔ اور بغض حسد وکینہ کو علم وبردباری بنالیا۔ مجادلہ کا نام مناظرہ ودین رکھ لیا۔ لڑائی جھگڑا، کمینہ پن کا نام غیرت رکھ لیا۔ نفاق کے معانی زہد کر لئے اور عنا کو ارادت بنانے لگ گئے۔ ہذیان وبکواس کا نام معرفت رکھ لیا۔ حرکت دل بڑھ جانے کو قلب جاری ہونا کہہ دیا۔ دل میں جو خطرات اور اوہام پیدا ہوتے ہیں، اس کا نام الہام وحدیث بنالیا۔ الحاد خالص کو فقر کہہ دیا۔ جحود وحق سے یعنی سہل انگاری کو صفوت کہہ ڈالا۔ زندقہ کا نام فانی اللہ رکھ لیا۔ ترک احکام شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام کو عین طریقت بنا بیٹھے اور خس وخاشاک بے فکر دنیا وآخرت زمانہ کا نام

Marfat.com

معاملہ فہمی بنالیا۔ ہم ایسے زمانے کے لئے امتحان ہیں جس کے اندر نہ آداب اسلامی ہیں، زمانہ جاہلیت ہے۔ اخلاق ہیں نہ مردم شناسی باقی ہے۔ (ص ۷۳۔۷۵)

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا الفاظ میں دسویں صدی عیسوی کی اسلامی دنیا کی ثقافتی صورتحال کی تصویر کشی کی ہے۔ وہ اپنے زمانے سے مطمئن نہیں تھے۔ خاص طور پر اس بات سے نالاں تھے کہ لوگوں نے مذہبی قانون کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا ہے اور ان میں انحرافی نظریات مقبول ہو رہے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں لوگوں کی ملامت کا ہدف بننے کے لئے یہی کافی ہے کہ کوئی شخص انہیں مذہبی شعار کی ادائیگی کی تلقین کرنے لگے۔

بلاشبہ گردوپیش کے حالات سے مغائرت اور بے اطمینانی مذہبی نفسیات کا لازمی جزو ہے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں تاہم یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ ہمارے ممدوح نے اپنے عہد کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اس کے پس پردہ محض نفسیاتی عوامل ہی کارفرما ہیں۔ خارجی حقیقت میں اس کا جواز موجود تھا۔ سیّد کے زمانہ میں صوفیانہ انحراف پسندی اور آزاد خیالی کا رجحان عام طور پر مقبول تھا۔ مختلف ثقافتی، فکری، تاریخی اور سیاسی اسباب کی بنا پر دنیائے تصوف میں ایسے خیالات نشوونما پا رہے تھے۔ جن کا اسلام کی مذہبی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اس بنا پر راسخ العقیدہ حلقوں میں تصوف سے بیزاری پیدا ہو رہی تھی۔ صوفیہ کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ نئے صوفیانہ خیالات کی تجسیم حسین بن منصور کی صورت میں ہوئی تھی۔

عنفوان شباب میں سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہم پسند نوجوانوں کی طرح منصور حلاج کے مداح رہے تھے۔ انہوں نے منصور کی شاعری کی شرح لکھی تھی۔ منہاج الدین میں اس کا حال قلمبند کیا تھا اور خیال کیا جاسکتا ہے کہ سیّد نے اپنی جس تصنیف میں ''فنا وبقاء'' کا ذکر کیا ہے وہ بھی منصور کے ہی افکار کے بارے میں ہوگی۔ منصور کی روحانی شخصیت کے اثرات کشف المحجوب میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں جس میں اس کا ذکر عزت

Marfat.com

واحترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کتاب میں ہمارے ممدوح نے مصور پر کیے گئے بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ منصور کا دفاع کرتے ہوئے اسے ''سرمستان بادہ وحدت اور مشتاق جمال احدیث'' قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ مصنف کے اساتذہ کے زمانے کے لوگ منصور کو صاحب سر تسلیم کرتے تھے اور عارف کامل بزرگ سمجھتے تھے۔ سیّد نے منصور کے دفاع میں شبلی کا یہ قول بھی درج کیا ہے:

''میں اور حسین بن منصور حلاج ایک ہی طریق پر ہیں مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کرادیا۔ اور حسین بن منصور حلاج کو اس کی عقلمندی نے ہلاک کرادیا۔''

اس کے بعد ہمیں بتایا جاتا ہے کہ بعض لوگ منصور حلاج پر اس لئے نکتہ چینی کرتے تھے کہ ان کے بعض کلمات سے امتزاج واتحاد مذاہب کا مفہوم نکلتا ہے۔ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اعتراض حقیقت مبنی معنی پر نہیں بلکہ محض عبارت پر ہے۔ یہاں نکتہ چینیوں نے اس حقیقت کو فراموش کردیا ہے کہ غلبہ حال میں صوفی اس قدر مغلوب ہوتا ہے کہ اوائے عبادت پر اسے اختیار نہیں رہتا چنانچہ اہل نظر نے ہمیشہ منصور حلاج کی عظمت وشان کا اعتراف کیا ہے اور ان کے کمال فضل، صفائی حال اور کثرت اجتہاد و ریاضت کو تسلیم کیا ہے۔ اس باب میں علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

''حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ اپنی مدت العمر میں لباس صلاحیت کے ساتھ مزین رہے۔ نماز کے پابند، ذکر ومناجات میں لیل ونہار گزارنے والے، روزہ کے پابند اور آپ کی حمد نہایت مہذب تھی اور توحید میں نہایت لطیف نکتہ بیان فرماتے تھے۔ اگر وہ جادو کا کام کرنے والے ہوتے تو صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور ذکر اذکار میں سرگرمی ان سے محال تھی۔ تو صحیح طور پر ثابت ہوا کہ ان سے جو امور خارق عادات ظہور میں آئے وہ کرامت تھی اور کرامت سوائے ولی کے نہیں ہوسکتی۔'' (ص ۲۰۷۔۳۰۸)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بالآخر ایک باغی کو ولی کا

درجہ دے دیا۔ حقائق کی اس موضوعی تاویل کے پیچھے کئی عوامل کارفرما تھے۔ خود ان کا تعلق تصوف کے جنیدی مکتبہ فکر سے تھا، جو واضح طور پر انتہا پسند صوفیانہ انحراف پسندی کے خلاف ردعمل کے طور پر وجود میں آیا تھا۔ لیکن حلاج کی شخصیت اس قدر متاثر کن، پراسرار اور پرکشش تھی کہ اس کے اثرات سے محفوظ رہنا محال ہو گیا تھا۔ ہمارے ممدوح بھی اس شخصیت کے زیر اثر تھے۔ جہاں تک حلاجی فکر کا تعلق ہے وہ اسے قبول کرنے پر ہرگز تیار نہیں تھے۔ چنانچہ منصور حلاج کا دفاع کرنے اور اسے ولی قرار دینے کے باوجود انہیں کہنا پڑا:

''تو اس امر کا خیال رہے کہ اس قسم کے مغلوب الحال صوفیوں کے کلام کا ہرگز اتباع نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ وہ اپنے حال میں اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ ان میں استقامت قطعی نہیں ہوتی اور صوفیائے کرام میں ان کی پیروی کرنی چاہئے جو صاحب استقامت ہیں۔ میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو بحمد اللہ تعالیٰ اپنے دل میں عزیز رکھتا ہوں اور ان کی عظمت میرے دل میں ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ ان کی حالت مستقیم نہ تھی بلکہ وہ طریقت میں مغلوک الحال تھے اور ہر مغلوب احال کا کلام فتنہ سے خالی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاج کے کلام سے بہت زیادہ خوف فتنہ ہے بلکہ میرے ساتھ بھی یہی ابتداء زمانہ میں ایسی کیفیت حالیہ گزر چکی ہے۔'' (ص ۳۰۸)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ممدوح نے حلاجی فکر اور شخصیت میں تفریق پیدا کر کے فکر سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے لیکن یہ لاتعلقی مکمل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے باغی عناصر میں سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کشش موجود تھی اور وہ توجیہہ و تاویل سے ان کی ایسی صورت گری کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے جو عقیدہ پرست حلقوں کے لئے کسی نہ کسی حد تک قابل قبول ہو۔ صوفیانہ انحراف پسندی کے ایک اور مظہر فرقہ علامتہ کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ کشف المحجوب میں اس فرقے

Marfat.com

کے بارے میں ایک دلچسپ باب موجود ہے۔ اس باب میں مصنف نے اہل ملامت کے نقطہ نظر کا الہیاتی دفاع پیش کیا ہے۔ وہ پرانے خیال کے لوگوں کی اس توجیہہ کو قبول کرتے ہیں کہ اہل ملامت عوام الناس کی نظروں سے اپنی حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے اپنا سوانگ بھرتے ہیں۔ ملامتی فکر پر بحث کرتے ہوئے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ، جسے اللہ پسند فرماتا ہے، عوام اسے پسند نہیں کرتے اور جسے اپنا وجود پسند آیا، اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا۔ (ص ۳۰۸)

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ملامت کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔ راست روی، قصد کرنا اور ترک کرنا۔ راست روی میں صورت ملامت یہ ہے کہ کسی کی پرواہ کئے بغیر فرد احکام کی پیروی کرتا رہے اور لوگ اس کی روش کو طعن وطنز کا نشانہ بنائیں۔ قصد میں صورت ملامت یہ ہے کہ کسی فرد کو بظاہر اپنے ہم جنسوں میں نہایت عزت واحترام کا مقام حاصل ہو لیکن وہ دلی طور پر عز وجاہ اور رجوع خلق سے متنفر ہو۔ یوں اپنے تئیں عام لوگوں سے الگ کر کے خدائی احکامات کی بجا آوری کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس پر لوگ اسے ملامت کریں۔ ترک کرنے میں ملامت کی صورت یوں ہوگی کہ کسی کا گریبان کفر وضلالت طبعی سے یہاں تک بگڑ جائے کہ وہ ترک شریعت اور انکار متابعت قانون اسلام کے لیے کہنے لگے اور کہتا پھرے کہ یہ طریقہ ملامت ہے جو میں نے اختیار کیا ہے۔

منصف المزاج تاویل پسند ہجویری نے ملامت کی پہلی دو صورتوں پر پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ آخری صورت کو انہوں نے صراحتہً گمراہی اور وضاحتاً آفت اور ہوش کاذب قرار دیا ہے۔ خود ہمارے ممدوح کی زندگی میں کم از کم ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا جب انہیں ملامت کے وسیلہ سعادت ہونے کا یقین ہوا۔ کشف المحجوب میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے کہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی مسئلے سے دوچار تھے۔ سعی بسیار کے باوجود وہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا۔

''اس دفعہ بھی وہاں کا قصد کیا اور تین بار مزار پاک کی مجاورت کی تا کہ حل ہو مگر نہ

Marfat.com

ہوا۔ ہر روز تین غسل کیے، تین بار وضو کیے اور امید کشف میں رہا مگر بالکل انکشاف نہ ہوا۔ آخر اٹھا اور خراسان کا سفر اختیار کیا۔ اس شہر میں ایک شب اسی علاقہ کے ایک گاؤں کمسن نامی میں اترا۔ یہاں ایک خانقاہ تھی اور اس خانقاہ پر جماعت متصوفین موجود تھی۔ میں نے خرقہ حیشش یعنی ٹاٹ کا کرتا پہنا ہوا تھا اور نہایت تھکا ہوا تھا۔ میرے پاس سامان اہل رسم میں کچھ نہ کچھ سوائے ایک عصا اور کوزہ کے یعنی ایک ہاتھ کی لکڑی اور چمڑے کے لوٹے کے سوا سامان نہ تھا۔

وہاں کے صوفیوں کی نظر میں میں بہت حقیر نظر آیا اور میرا جاننے والا اس جماعت میں کوئی نہ تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر عام رسم کے مطابق آپس میں گفتگو کی کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔ اور بات بھی یہی تھی، جو انہوں نے کہی تھی۔ میں فی الواقعہ ان میں سے نہیں تھا لیکن میرے لئے لابدی تھا کہ اس شب اسی جگہ رہوں۔ مجھے انہوں نے ایک بالا خانہ پر بٹھا دیا اور خود بھی اس سے اونچے بالا خانے پر بیٹھ گئے۔

مجھ کو انہوں نے ایک روٹی پھینک دی جو باسی ہو کر سبز رنگ کی ہو چکی تھی۔ (میں) اس کھانے کی بو سونگھ رہا تھا جو وہ کھا رہے تھے اور میرے ساتھ طنزاً باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ بالا خانے پر جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزہ کھانے لگے اور اس کے چھلکے میرے اوپر پھینکتے رہے۔ اس لئے کہ میں ان کی نظروں میں بہت حقیر تھا۔ آخر میں نے اپنے دل میں کہا۔ الٰہی! اگر یہ لوگ وہ ہیں جو تیرے دوست ہیں تو جامۂ دوست انہیں کیوں مل گیا۔ یا مجھے ان سے علیحدہ نہ کیا ہوتا۔ غرضیکہ جس قدر ان کی طعن مجھ پر زیادہ ہوتی جاتی تھی میرا دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا حتیٰ کہ ان کی طعن وطنز کے بوجھ سے میرا واقعہ حل ہو گیا۔" (ص ۱۶۶۔۱۶۷)

مندرجہ بالا طویل اقتباس اور اس سے پہلے کی بحث سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اگرچہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بنیادی طور پر اس اعتدال پسند مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے جو حلاج کے المیے کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے

Marfat.com

ظہور پذیر ہوا تھا۔ تاہم ان کی سوچ میں آزاد خیالی اور صوفیانہ انحراف پسندی کے اثرات موجود تھے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نظام فکر کی بنیادی خصوصیت شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ وہ دونوں کو یکساں طور پر اہم سمجھتے ہیں لہٰذا کسی ایک کو دوسرے پر قربان کرنے کے بجائے وہ ان کی جدلیاتی ترکیب میں ایمان رکھتے ہیں۔ شریعت اور طریقت متصادم نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کا وسیلہ ہیں۔ چنانچہ ہجویری کہتے ہیں کہ شریعت بغیر مغز حقیقت ریاکاری ہے اور حقیقت بھی بغیر امتزاج شریعت کے منافقت ہے۔ لہٰذا معرفت بغیر علم شریعت کے قبول کے لئے درست نہیں ہو سکتی اور شریعت پر عمل بغیر مقامات رسی کے پورا نہ ہو پائے گا۔ جو علم معرفت سے محروم ہے اس کے قلب پر جہل کی موت طاری ہے اور جسے علم شریعت نہیں اس کا قلب مرض نادانی میں گرفتار ہے۔

پس فرد کی روحانی ذات کی تکمیل کے لئے ظاہر و باطن کے درمیان جدلیاتی اضافت ضروری ہے۔ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے سے فرد کی روحانی ذات اپنے امکانات کی تکمیل میں ناکام رہے گی۔ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''ظاہر بغیر امتزاج باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر شمول ظاہر کے زندقہ ہے۔'' ظاہر ہے یہ نظریہ ہمارے ممدوح کو عقیدہ پرستوں سے ممتاز کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک نہ صرف ظاہر و باطن کی تقسیم بے معنی ہے بلکہ فرد کی روحانی زندگی بھی مذہبی قانون کے ماتحت ہے۔

ظاہر و باطن میں امتیاز کرنے والے صوفیائے کرام کے نزدیک یہ مسئلہ اہم رہا ہے کہ نبی اور ولی میں روحانی طور پر برتر ہستی کون ہے؟ ہمارے نقطہ نظر سے نبی ہر معاملے میں ولی پر برتری رکھتا ہے۔ اسلامی تصوف میں بھی عام طور پر اسی تصور کی حمایت کی گئی ہے تاہم نعیم الترمذی نے خاتم الاولیاء میں یہ تصور پیش کیا تھا کہ بعض حوالوں سے ولی نبی

Marfat.com

پر فضیلت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام الناس سے قریبی تعلق رکھنے کی بناء پر نبی کی زندگی کا بیشتر حصہ اور صلاحیتیں محض عارضی اہمیت کے حامل اور غیر روحانی کاموں میں صرف ہو جاتی ہیں۔ ولی اس قسم کے معاملات سے بے نیاز ہوتا ہے لہٰذا اس کے روحانی ارتقاء کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مذہبی اعتبار سے یہ ایک ایسا باغیانہ تصور تھا جس کی تائید آسان نہ تھی۔ چنانچہ سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ظاہر و باطن کی تقسیم قبول کرنے کے باوجود اس تصور کی شدت سے تردید کی ہے کہ ولی نبی پر ترجیح رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ولی ہر حال میں نبی کا متبع اور پیرو ہوتا ہے وہ نبی کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے فی الواقعہ ولایت کی انتہاء نبوت کی ابتداء ہے تمام انبیائی لازمی طور پر ولی ہوتے ہیں لیکن کوئی ولی نبوت کے اعلیٰ درجے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ انبیاء صفات بشریت کی نفی میں اصل ہیں اور اولیاء عارضی ہیں۔ ان کی حیثیت فروع کی ہے۔ اولیاء کے لئے یہ حال عارضی اور آنی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس انبیاء کے لئے یہ ایک مستقل مقام ہے۔

اگر ہم اپنے ممدوح کے اس نظریے کو قبول کر لیں تو لازمی طور پر نتیجہ اخذ ہوگا کہ مذہبی قانون فرد کی داخلی روحانی زندگی پر مکمل طور پر حاوی ہے تاہم جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس نتیجہ کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک طریقت اور شریعت دونوں یکساں طور پر اہم ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی اور ولی کے مقام کا تعین کرتے ہوئے سیّد اپنے اس تصور کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ نبی ایک ایسا فرد ہوتا ہے جس میں شریعت اور طریقت دونوں کی اعلیٰ ترین صفات باہم مدغم ہو جاتی ہیں۔ ان صفات کی یہی ترکیب نبی کو روحانی ارتقاء کے اعلیٰ ترین درجے سے سرفراز کرتی ہے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نظام فکر میں فنا کے تصور کو خاص مقام حاصل ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی کے دیگر صوفی دانشوروں کی طرح ہمارے ممدوح نے بھی اسے

صوفیانہ مابعد الطبیعات کا اہم مسئلہ تسلیم کیا ہے۔ تصوف میں یہ تصور براہ راست ہندو اور بدھ مت اثرات کے تحت پیدا ہوتا ہے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا تصور فنا انہیں ویدانتی فلسفہ وحدت الوجود کے قریب تر لے آیا ہے تاہم آخری تجزیے میں انہیں وحدت الوجودی قرار دینا درست نہیں۔ وہ شخصی، ماورائی خدا کی نفی نہیں کرتے اور نہ ہی فنا کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں۔ وہ واضح طور پر اس بات کا چرچا کرتے ہیں کہ خالق اور مخلوق، صانع اور مصنوع کا امتزاج نہیں ہوسکتا۔ پس فرد اور خدا میں وحدت بھی محال ہے۔ کسی شخص کو خدا اور اس کی صفات کے ساتھ مشارکت نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنا مناسب نہیں۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا تصور انہی راسخ العقیدہ صوفیانہ تعلیمات کے قریب لے آیا ہے۔ تاہم یہ قرب عارضی ہے۔ جونہی وہ مذہب کے خارجی اظہار کی صورتوں کا ذکر کرتے ہیں، پرانے خیال سے ان کا تضاد واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس بات پر اصرار کرنے کے باوجود کہ شریعت کسی حال میں بھی کسی شخص سے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، ساقط نہیں ہوسکتی۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مذہبی رسوم کے روایتی طریقہ کار کو کم اہم قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے حج بیت اللہ کے بارے میں جو رائے درج کی ہے وہ از حد دلچسپ ہے اور ان کے نقطہ نظر کی پوری طرح وضاحت کرتی ہے۔ وہ محمد بن فضل اللہ کے اس قول کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ خارجی دنیا میں خدا کا گھر تلاش کرنے کے بجائے اپنے باطن میں اس کا مقام تلاش کرنا چاہئے۔ اس قول کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب بندہ مکاشف ہوگا تو ساری دنیا اس کے لئے حرم بن جائے گی اور جب بندہ محجوب ہو تو خود حرم بھی اس کے لئے سارے جہان سے زیادہ تاریک اور موہوم ہو جائے گا۔ نور دوست کی رفاقت اور تاریکی دوست کی جدائی سے عبارت ہے۔ پس حج کے لئے صرف مکہ شریف جانے کی ضرورت نہیں۔

پرانے خیال سے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اتصادم فنون لطیفہ کے بارے میں ان

Marfat.com

کے نقطہ نظر سے بھی واضح ہوتا ہے۔ اس بارے میں ان کے خیالات نہایت نفیس اور تہذیب افزا تھے۔ نسل انسانی کے جمالیاتی اور ثقافتی ورثے کے دفاع میں کہتے ہیں کہ اسلام نے فنون لطیفہ پر جو پابندیاں عائد کی ہیں، اصل میں ان کا اطلاق محض عہد جاہلیت کے فنون تک مقصود تھا۔ شاعری کے دفاع میں لکھتے ہیں کہ شعر سننا مباح ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شاعری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ نثر میں جس کلام کا سننا جائز ہے، نظم میں اس کی تشکیل ناجائز نہیں ہوسکتی۔ ہمارے ممدوح نے موسیقی کی طرف خاص طور پر حمایت کی ہے۔ وہ ہماری توجہ اس امر کی جانب دلاتے ہیں کہ نہ صرف انسان بلکہ حیوان بھی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت ابراہیم خواص کی ایک دلچسپ حکایت بیان کی ہے۔

''حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا اور ایک امیر کے مہمان خانہ میں اترا۔ میں نے وہاں ایک اجنبی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا دھوپ میں تھا۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا۔ مجھے اُس پر رحم آیا۔ میں نے اس کی سفارش کے لئے خیال کیا۔ پھر جب کھانا آیا تو امیر بھی خود مہمانوں کی تعظیم کے لئے آیا تاکہ اپنے سامنے سب کو کھانا کھلائے۔ جب میرے سامنے کھانا آیا میں نے کھانے سے انکار کردیا اور عرب میں اس سے زیادہ کوئی چیز معیوب نہیں سمجھی جاتی کہ مہمان کھانا نہ کھائے۔ چنانچہ امیر خود میرے پاس آیا اور کھانا نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے کہا مجھے تیری مہربانی سے بہت کچھ امید ہے۔ امیر نے کہا کہ آپ کو میری تمام ملک میں تصرف کا حق ہے لیکن کھانا کھالو۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے تیری ملک کی ضرورت نہیں۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ یہ غلام جو پابہ جولاں ہے یہ مجھے دے دیا جائے اور بس۔ اس نے کہا مجھے اس میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن اول اس کا قصور معلوم کرلیجئے، پھر جیسے آپ چاہیں وہ کریں۔''

''میں نے پوچھا تو امیر نے کہا۔ یہ میرا غلام ہے اور نہایت خوش الحان ہے۔ میں

Marfat.com

نے اسے چند اونٹ دیئے تا کہ یہ کھیتوں میں جا کر دانہ وغیرہ لے آئے۔ اس نے ایک ایک پر دو دو اونٹوں کا بار لادا اور راستہ میں گاتا ہوا آیا۔ جس سے اونٹ مست ہو گئے اور دوڑتے ہوئے واپس آئے اور جتنا بوجھ لادا تھا اس سے دو چند بوجھ لے آئے جب ان سے بوجھ اتار لیا گیا تو وہ ایک ایک کر کے مر گئے۔"

''ابراہیم خوص فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا، میں نے کہا مجھے اس بات پر دلیل کی ضرورت ہے کہ اتنے میں چند اونٹ گھاٹ پر آئے اور پانی پیئں۔ امیر نے ان اونٹوں کے آدمیوں سے پوچھا کہ یہ کتنے روز سے پیاسے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تین چار روز سے پیاسے ہیں۔ امیر نے اس غلام کو کہا کہ اب تو گا کر ان اونٹوں کو مست کر۔ اس نے گانا شروع کیا۔ اور اونٹ اس کی آواز سن کر پانی پینا بھول گئے۔ کسی نے پانی کی طرف رخ نہ کیا اور دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگے اور پراگندہ ہو گئے۔ اس کے بعد امیر نے غلام کو آزاد کر کے مجھے بخش دیا۔" (۶۱۱۔۶۱۲)

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم خواص کی اس حکایت کو فنون لطیفہ کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کے دفاع میں پیش کیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ جو شخص خوشگوار آواز اور نغمہ و ترنم کو پسند نہیں کرتا، وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا منافق ہے یا اس میں حس لطیف بالکل مفقود ہے۔ ایسا آدمی اپنی بے حسی اور کور ذوقی کے باعث جانوروں اور چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اہمیت پنجاب میں تخلیقی صوفیانہ روایت کی داغ بیل ڈالنے والے کی حیثیت سے ہے۔ ان کے بعد برصغیر کے اس حصے میں چشتیہ اور سہروردیہ مکاتب فکر کو فروغ حاصل ہوا۔ ان دونوں مکاتب میں سے اول الذکر اپنی تعلیمات کے اعتبار سے ہمارے ممدوح کے بہت قریب تھا بلکہ ایک لحاظ سے چشتیہ مکتبہ فکر کو سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا تسلسل تصور کیا جانا چاہیے۔

Marfat.com

# داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین

﴿وارث کامل﴾

حضرت سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ حیات میں عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں ان گنت اہل اللہ امت مسلمہ کی روحانی تربیت میں مصروف تھے۔ان کے افکار تازہ اور اذکار روشن سے دلوں کی ویران کھیتیاں سرسبز ہو رہی تھیں۔ایک خاموش انقلاب برپا ہو رہا تھا۔حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سوں سے فیض علمی و روحانی پایا۔جناب وارث کامل نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر مشائخ عظام کی روح پرور سرگزشت قلمبند فرمائی ہے۔(ایڈیٹر)

## شام و عراق کے صوفی

### شیخ زکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ علا رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ان کے دل میں آتش عشق کے شعلے بھڑک رہے تھے۔"

### ابو جعفر محمد صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ مصباح رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید تھے۔اپنے وقت کے مشائخ میں سے تھے۔حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے گہرے روابط تھے۔آپ نے کچھ

Marfat.com

تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں۔

### ابو قاسم مسدسی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا پیشہ شبانی تھا۔ اپنے دور میں مجاہد اور خوش وقت شیخ ہوئے ہیں۔

## ایران کے مشائخ

### ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سابعہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔ آپ اپنے وقت کے شیخ المشائخ تھے۔ آپ کی زندگی کے دن شیراز میں بسر ہوئے۔ آپ کی وفات ۴۷۳ھ میں ہوئی۔

### ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ

سہریار رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید تھے۔ عوام میں آپ کا خطاب شیخ مرشد ہے۔

### ابوالحسن علی رحمۃ اللہ علیہ

بکران کے بیٹے اور شیخ طریقت تھے۔ اکابر صوفیاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اس کنیت اور اس نام کے کئی شیخ گزرے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کنیت اور اسی نام سے مشہور تھے۔

### شیخ ابو مسلم ہروی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے طریقت کے جسم میں نئی روح پھونکی۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی ہستی وہ ہستی ہے جن کے دم سے طریقت کے چراغ روشن ہوئے۔

## آذربائیجان، قرستان اور طبرستان کے مشائخ

### شیخ شفق فرخ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا مشہور و معروف نام باخی زنجانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ خوش خلق اور

Marfat.com

پاکیزہ صفات شیخ تھے۔

## شیخ انزرین رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار اکابر صوفیاء میں ہوتا ہے۔

## شیخ عبداللہ جنیدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ میرے رفیق سفر بھی رہے ہیں۔ ان سے مخلوق کو کافی فیض پہنچا ہے۔ مرشد طریقت بھی تھے۔

## شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ

اپنے وقت کے کامل بزرگ تھے۔

## خواجہ حسن سمنائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ صوفی بھی تھے اور عاشق مولا بھی۔ آپ کے مجاہدے اور آپ کی ریاضت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے شیر تھے۔

بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

## شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ

ایسے شفیق اور رحیم درویش تھے کہ لوگ ان سے دلجمعی اور بے تکلفی کے ساتھ فیض یاب ہوتے تھے۔

## شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے۔ ان کی عمر نے وفا نہیں کی، جوانی ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

Marfat.com

### ادیب کمندوری رحمۃ اللہ علیہ

کمندور کے نامی وگرامی شیخ تھے۔ان کے مجاہدہ کی یہ کیفیت بیان کی جاتی ہے کہ آپ بیس سال برابر کھڑے رہے تھے۔

## کرمان کے اہل دل

### خواجہ علی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حسین برکلا رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند وبلند تھے۔آپ کا شماران صوفیائے کرام میں ہوتا ہے، جن کا شغل سیاحت رہا ہے۔یعنی جو وطن کی محبت کی قید سے نکل کر اجنبی علاقوں میں مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے ہیں۔

### شیخ محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ بہت اونچے درجے کے شیخ تھے لیکن عالم یہ تھا کہ کسی نے جانا نہ پہچانا اور لوگوں میں رہتے ہوئے ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے۔

## خراسان کے مشائخ

### ابوالعباس سرنالی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو تصوف میں اجتہاد کا منصب حاصل تھا۔مجتہد صوفی سے وہ صوفی مراد ہوتا ہے جس نے کتاب تصوف میں نئے نئے ابواب کا اضافہ کیا ہو۔

### خواجہ ابوجعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ علی حواری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔آپ کا تعلق گروہ صوفیاء کے بزرگان دین اور طریقت کے صوفیاء محققین سے ہے۔آپ نے اپنی تحقیق سے اس فن میں بہت سے اضافے کیے۔

Marfat.com

## خواجہ ابو جعفر طرشیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے دور کے ہر دلعزیز شیخ تھے۔عوام وخواص آپ کو آنکھوں پر بٹھاتے اور دل میں جگہ دیتے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجگی اسی قسم کے مشائخ کو زیب دیتی ہے۔

## خواجہ محمود نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی پیشوائے وقت اور اپنے دور کے مقتدا تھے۔نیشاپور سے آپ کی وطنی نسبت ظاہر کرتی ہے کہ علوم طریقت کے علاوہ علوم شریعت پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔

## شیخ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی زندگی روحانیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔آپ کی حیات، حسن وعشق کی زندہ جاوید روایت کی بولتی چالتی تصویر تھی۔

## حمزہ المحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی باکمال درویش تھے۔محبّ کا خطاب اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی زندگی کے خمیر میں محبت کی چنگاریاں گندھی ہوئی تھیں۔

## خواجہ رشید مظفر بن شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ

آپ قوم کے پیشوا اور اہل دل کے مقتدا تھے۔

## خواجہ شیخ احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ

باہمت درویش تھے۔آپ آخر دم تک حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق رہے ہیں۔قدرت نے اس رفاقت پر ہمیشگی کی مہر ثبت کردی ہے۔اب بھی جو زائرین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار عالیہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ان کی نگاہوں کا مرکز وہ مرقد بھی بنتا ہے جو مزار عالیہ کے بائیں جانب گنبد کے اندر ہے۔یہی

Marfat.com

مرقد حضرت شیخ احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی آرام گاہ ہے۔

زندگی تک نہیں محدود محبت اے دوست
حشر تک ساتھ رہے گا تیرے دیوانے کا

**شیخ احمد نجا سمر قندی رحمۃ اللہ علیہ**

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات آپ سے مرو میں ہوئی۔ آپ کا قیام زیادہ تر یہیں رہتا تھا۔

**شیخ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ**

آپ شیخ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔ بلند ہمت شیخ اور اپنے دور کے پختہ عزم صوفی تھے۔

## ماوراء النہر کے شیوخ

**ابو جعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ**

شیخ حسن حرمی کے بیٹے اور اپنے وقت کے مقبول خاص و عام شیخ طریقت تھے۔ اسی نام اور اسی کنیت کے ایک شیخ خراسان میں بھی ہوئے ہیں۔

**خواجہ محمد القری رحمۃ اللہ علیہ**

تصوف کے ساتھ علم فقہ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ اس لئے طریقت اور شریعت دونوں کے امام تھے۔ ایک فقیہ صوفی سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔

**احمد ایلانی رحمۃ اللہ علیہ**

اپنے وقت کے باکمال شیخ تھے۔ رسمی طریقت سے آپ کوسوں دور تھے۔

**خواجہ حارث رحمۃ اللہ علیہ**

آپ اپنے زمانے کے شیخ کامل تھے۔ ماوراء النہر میں ان کی مشیخت کا طوطی بولتا تھا۔

Marfat.com

# غزنی کے صوفیائے کرام

## ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد ماجد کا نام نامی سعدی تھا مشہور و معروف بزرگ تھے۔ صاحب کرامات شیخ تھے۔ آپ نے جس دور میں زندگی بسر کی اس دور کے لوگ حد درجہ گرے ہوئے تھے اور شرارت ان کی گھٹی میں تھی۔ اپنی کنیت سے مشہور تھے۔ ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

## اسماعیل تاشی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک مقدس اور محترم شخصیت کے حامل تھے۔ عوام سے بچنے کے لئے آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ ملامتیہ میں شامل ہو کر زندگی بسر کریں۔ چنانچہ پوری عمر اس شان سے بسر کر دی کہ بہت کم لوگوں نے ان کا مقام پہچانا۔

## شیخ سالات طبری رحمۃ اللہ علیہ

عالم و فاضل صوفی تھے۔ قدرت نے آپ پر یہ احسان کیا تھا کہ ظاہری و باطنی دونوں علوم سے نوازا تھا۔ گروہ صوفیاء میں ان کا مقام بہت اونچا تھا۔

## ابوعبداللہ معروف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار مست مجذوبوں میں ہوتا تھا۔ اپنے دور میں ان کی شخصیت کا جواب نہ تھا۔ ان کی ولایت ان کی مجذوبیت کے پردے میں چھپی رہی۔

## سعید عیار رحمۃ اللہ علیہ

ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے عالی قدر اور بلند اقبال فرزند تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی، حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ سے ملاقاتیں کی تھیں۔ ان کا مقام بہت اونچا تھا، لیکن لوگ آخر تک ان کی ولایت سے بے خبر رہے۔ اس میں بھی کوئی

Marfat.com

مصلحت ہوگی۔

## ابو العلا عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ

گروہ صوفیاء میں ہر دلعزیز اور اپنے دور کے باکمال شیخ تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مجھے ان سے بڑا تعلق خاطر رہا ہے۔ تمام علوم پر ان کی نظر تھی اور باوقار شیخ تھے۔''

## شیخ اوحد رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمد جزوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے۔ اہل طریقت سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ ان کی عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایسے یکتائے روزگار شیخ نے ان سے خصوصی ملاقات کی۔

## شیخ ابو القاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رئیس الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تین واسطوں سے نسبت رکھتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جن اصحاب کمال سے علوم ومعارف کا درس لیا ہے، ان میں ان کا شمار بھی ہے۔ ان کا باطنی کمال اس درجۂ اقبال پر تھا کہ ستون تک نے ان سے باتیں کی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں ان سے ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ستون سے ہمکلام تھے۔ اور میرا عقدہ حل ہوگیا۔

## شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ

صاحب تانیف بزرگ تھے۔ آپ کا سن وفات بھی وہی ہے جو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ابتدائے حال میں آپ کے باطنی تصرفات کا یہ عالم تھا کہ اگر پتھر کو بھی ہاتھ لگا دیتے تو جوہر بن جاتا تھا۔ آپ عربی اور فارسی کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ تصوف میں آپ نے جو تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ان سے دنیا آج تک استفادہ

کررہی ہے۔آپ کی ایک تصنیف کا نام رسالۃ القشیر یہ ہے۔ یہ رسالہ ایک کھلا خط ہے اپنے زمانے کے صوفیاء کے نام۔ سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ صوفیائے متقدمین دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور ان کے اصول بھی انہی کے ساتھ ختم ہوئے۔ اب ان کے قائم مقام جو لوگ ہیں اور ان کی جانشینی کے دعویدار ہیں وہ عبادات سے پہلوتہی کرتے ہیں اور غفلت اور نفس پرستی کے سمندر میں بری طرح ڈوبے ہوئے ہیں۔ حقیقت و معرفت کے میدانوں میں غضب کا سناٹا ہے۔ نہ وہ بوڑھے باقی رہے جن کی سیرت مشعل ہدایت کا کام دے اور نہ وہ جوان ہی باقی ہیں، جن کی طرف رہنمائی کے لئے رجوع کیا جائے۔ زہد و تقویٰ کی بساط ہی الٹ گئی اور حرص و طمع کا دور آ گیا۔ شریعت کا احترام تک دلوں سے جاتا رہا اور دین کی جانب سے لاپروائی عام ہوگئی۔ احکام و مسائل کی منزلت باقی نہیں رہی۔ نماز اور روزہ سے لوگوں کو ذرا بھی تعلق باقی نہیں رہا۔ غرض جب نام نہاد صوفیاء کی اخلاقی پستی حد سے گزر گئی۔ عبادت و طاعت کی کھلے بندوں توہین ہونے لگی۔ شریعت کی خلاف ورزی پر فخر کیا جانے لگا۔ روح کے تزکیہ کا نشان تک بھی نہ رہا۔ سراسر نفسانیت کے تقاضے پرے باندھے ہوئے دکھائی دینے لگے تو ایسی حالت میں شیخ ابوالقاسم قشیری نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کے نام ایک کھلی چٹھی لکھی جائے اور ان میں متقدمین کے صحیح حالات بیان کئے جائیں اور ان کے عقائد، اخلاق و عبادات وغیرہ پر روشنی ڈالی جائے۔

## شیخ ابوالعباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اصل نام احمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ اصول و فروع کے آپ امام تھے۔ بعض علوم میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے استفادہ کیا ہے۔ شرعی علوم کے زبردست عالم تھے۔ حضرت داتا کو ان سے بڑی عقیدت اور محبت تھی یہ بھی ان پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔

Marfat.com

## باب فرغانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اصل نام فضل اللہ بن ابی الخیر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جن اولیاء اللہ کو زمین کی میخوں (اوتادالارض) کے خطاب سے یاد کیا ہے، ان میں ان کا شمار بھی ہوتا ہے۔

## شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اصل نام فضل اللہ بن ابی الخیر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے بھی ظاہر و باطنی فیض حاصل کیا ہے۔ اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھے۔ مشائخ طریقت ان پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کے پیر طریقت شیخ ابوالفضل حسن سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ نیشاپور میں آپ کا قیام تھا۔ آپ نے بہت سی فارسی رباعیات بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کی بعض رباعیات اوراد و وظائف میں داخل ہیں۔

## حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ سلطان محمد غزنوی کے زمانے میں نامی گرامی صوفی شاعر تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی ہے۔ آپ کی تصنیف حدیقہ سنائی مشہور و معروف ہے۔ آپ کی توبہ کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمود جب موسم سرما میں ہندوستان پر چڑھائی کے لئے آمادہ ہوئے تو حکیم سنائی نے ان کی شان میں ایک قصیدہ کہا۔ یہ قصیدہ سنانے کے لئے آپ نے غزنی کے لئے رخت سفر باندھا۔ راستے میں ایک شراب خانے کے پاس ان کی ملاقات ایک مجذوب سے ہوئی۔ وہ ساقی سے کہہ رہا تھا کہ ایک جام شراب دے تاکہ میں محمود کے نام پر چڑھا جاؤں۔ ساقی نے کہا، وہ مرد غازی ہے، آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ مجذوب نے کہا، جو علاقے اس کے قبضے میں ہیں ان کا تو انتظام کر نہیں سکتا اور ملک گیری کی ہوس اس کو جگہ جگہ لئے پھرتی ہے۔ پھر اس مجذوب نے کہا کہ ایک جام سنائی

Marfat.com

کے نام پر پلا۔ ساقی نے کہا کہ اگر وہ پاکیزہ کلام شاعر ہوتا تو کسی اچھے کام میں مشغول ہوتا۔ وہ تو بے ہودہ گوئی میں لگا ہوا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ حکیم سنائی پر یہ باتیں سن کر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسی وقت ان کی حالت بدل گئی اور غفلت کا دامن چاک ہو گیا۔

Marfat.com

# طلوعِ آفتاب فیض عالم

﴿اختر حسین شیخ﴾

مسافر کا چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ دمشق سے غزنی اور غزنی سے لاہور تک کا یہ سفر بڑا طویل اور تھکا دینے والا تھا۔ جو رہ عشق کے مسافر نے اپنے دو ساتھیوں کی ہمراہی میں طے کیا تھا۔ اس دور کے سفر کا عصر حاضر کی مسافرت سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ آج تو مسافروں کو کانچ کے بنے ہوئے نازک ظروف کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس دور میں قدم قدم پر دشواریاں حائل ہوا کرتی تھیں چونکہ یہ لمبا سفر رضائے محبوب کی خاطر کیا گیا تھا۔ لہٰذا مسافر نے ہر صعوبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا تھا۔ سفر منفرد نوعیت کا حامل تھا تو مسافر بھی دست وفا پر، دل سجا کر پیش کرنے کی ہمت کا مالک تھا۔ اجنبی سرزمین پر ایک اور دشواری اس کی راہ میں حائل ہوئی تھی۔ سورج صف لپیٹ کر غروب ہو چکا تھا اور غبار شام کے اترتے ہی شہر پناہ کے دروازے بند کئے جا چکے تھے۔ یہی اس پر آشوب زمانے کا دستور تھا۔ دوران سفر ایک الجھن سی ضرور تھی جس نے مسافر کو سپرد اضطراب کئے رکھا تھا۔ اس اجنبی شہر لاہور میں اس کا پیر بھائی پہلے ہی رشد و ہدایت کی شمع فروزاں کئے بیٹھا تھا لہٰذا محبوب مرشد کا حکم نا قابل فہم رہا تھا۔

''حضور! ایک میان میں دو تلواریں؟ ایک ریاست میں دو حکمران؟ بات سمجھ میں

Marfat.com

نہیں آ رہی" ایک ساتھی حرف مدعا زبان پر لانے سے باز نہ رہ سکا۔

"عزیزم! یہ ریاست دل کی ریاست ہے۔" مسافر نے تسلی آمیز لہجے میں فرمایا "اس میں دو کیا دس حکمران بھی سما سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ریاست دل میں حکمرانوں کی حیثیت، دودھ سے لبالب بھرے کٹورے میں گلاب کے پھول جیسی ہوتی ہے۔ نقل مکانی کے اس حکم کو ایک اور انداز سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔"

دونوں ساتھی سوالیہ نگاہوں سے مسافر کے رخ روشن کو بغور دیکھنے لگے کیونکہ وہ مسافر ان کا ہم سفر ہی نہیں رہنما بھی تھا۔

"تاریکی اگر حد سے تجاوز کر جائے تو بیک وقت دو چراغ روشن کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔" راہنما نے ساتھیوں کی تسلی تو کر دی مگر اس کا اپنا دل مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔ محبوب مرشد کا حکم سفر اب بھی اس کے لئے نا قابل فہم رسا تھا۔ اپنے اندر کو مطمئن کرنا بڑا ہی دشوار مرحلہ ہوا کرتا ہے۔ وہ شب تاریک، رہ عشق کے مسافر نے فصیل شہر کے باہر بسر کی اور طلوع آفتاب کے بعد مرشد کے حکم سفر میں پوشیدہ حکمت آشکار ہوئی۔

غم واندوہ کی تصویر بنے چند افراد، کسی مقدس ہستی کا جنازہ لئے فصیل شہر کے مشرقی حصے سے باہر آ رہے تھے۔

"عزیزان گرامی! یہ کس ہستی کا سفر آخرت ہے؟" مسافر نے بصد احترام دریافت فرمایا۔

"جناب! ہمارے سروں سے آج ابر رحمت کا سایہ اٹھ گیا" ایک شخص نے تاسف بھرے لہجے میں جواب دیا "آج اس بستی کا روشن ترین چراغ گل ہوا۔ یہ جنازہ ولی وقت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔"

مسافر تو بس دھک سے رہ گیا۔ اس نے بغور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور چشم تصور میں، مرشد سے آخری ملاقات کا سارا نقشہ پھر گیا۔ ان کا سرزمین لاہور کی جانب حکم سفر، اپنا استفسار، ان کی مسکراہٹ بھری خاموشی پھر لیت ولعل سے گریز کی ہدایت ساری

Marfat.com

باتیں سمجھ میں آتی چلی گئیں۔

برصغیر کے افق پر طلوع ہونے والا یہ آفتاب عالمتاب سیّد ابوالحسن علی بن عثمان بن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ الجلالی کی ذات بابرکات تھیں جنہیں عرف عام میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے دو ساتھی سیّد احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری تھے۔ یہ عہد غزنوی خاندان میں سلطان مسعود بن محمود غزنوی کا تھا۔ ۴۳۱ھ میں سیّد علی ہجویری نے سرزمین لاہور پر قدم رنجہ فرمایا تو برصغیر دور تاریکی میں مبتلا تھا۔ اس گہری تاریکی کی مناسبت سے کوئی ایسا ہی روشن چراغ مطلوب تھا جو شب سیاہ کے پرخچے اڑا سکے۔ ''بیت الجن'' دمشق میں زینت اوتاد شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہونہار شاگرد رشید علی ہجویری سے ارشاد فرمایا ''عزیزم! سرزمین لاہور کی جانب کوچ کر جاؤ۔''

حضور! وہاں تو برادر بزرگ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ شمع ہدایت روشن کئے بیٹھے ہیں۔ مجھ ناچیز کی کیا ضرورت آن پڑی؟'' سیّد موصوف نے بصد احترام سوال کیا۔

''عزیزم! یہ لیت و لعل کا موقع محل نہیں۔ رخت سفر باندھو اور کوچ کر جاؤ۔'' مرشد نے متبسم لہجے میں فرمایا۔

یہاں اس مکالمت کی وجہ سے پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دینا بے حد ضروری ہے جو کج فہمی کی بنا پر ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اس گفتگو کی تشریح کر دی جائے۔ مرشد کے ہر حکم کی بجا آوری مرید کا فرض منصبی ہے اور رہے گا۔ رہ سلوک میں سر تسلیم خم کرنے ہی سے سربلندی نصیب ہوتی ہے تو پھر اتنا تناظر میں سیّد موصوف نے سوال کیوں کیا؟ کیا واقعی لیت و لعل سے کام لیا جا رہا تھا یا حقیقت کچھ اور تھی۔ جو ہستی رہ سلوک میں فنافی الشیخ ہونے کا حوصلہ رکھتی ہو، جو اندوہ وفا کی کتاب میں نئے باب کا اضافہ کرنے والی ہو۔ اس کی زبان پر ''کیوں اور کیسے'' واقعی مناسب معلوم نہیں ہوتا مگر اس کی گہرائی میں اتریں تو وضاحت ہو

جاتی ہے اور سیّد موصوف کا سوال نامناسب معلوم نہیں ہوتا۔

پہلی بات جو گرہمیں باندھنے والی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات میں ہر شے سے باخبر صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ وہ ذات مائل بہ کرم ہوکر، مخلوق کو جتنا اور جس قدر چاہے علم عطا کر دیتی ہے۔ کائنات کی سب سے بڑی الہامی کتاب قرآن اس علم کو بھی ''قلیل'' گردانتی ہے۔ گویا ولی، غوث، قطب، ابدال غرض ہر نوع کی مخلوق کا علم، خالق کی عطا کے تابع ہوتا ہے اور کسی ایک مقام پر مخلوق ''بے خبر'' ضرور ہوتی ہے۔ بے خبری نہ عیب ہے نہ گناہ۔ اس انسانی صفت کے خلاف بڑی بڑی ہستیوں نے جدوجہد کی جو ہر لحاظ سے جائز قرار دی جاچکی ہے۔ تجسس کو دور کر کے اطمینان قلب کا حصول تو سنت ابراہیمی ہے...... یہ راستہ تو جدانبیاء نے دکھایا تھا۔

''میرے معبود! ذرا چشم تماشا کی تسکین تو فرما، تو کیسے مردے کو زندہ کر دیتا ہے؟'' خلیل اللہ حرف مدعا زبان پر لائے۔

''کیا تجھے یقین نہیں کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں؟'' خالق نے پوچھا۔

میرے معبود! ایسی تو کوئی بات نہیں، میں تیغ ایمان کا قائل تو ہوں مگر اب اس سے گھائل بھی ہوکر اطمینان قلب کا درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' سیدنا ابراہیمؑ نے جواب دیا ثابت ہوا کہ اطمینان قلب کی خاطر تجسس سے بھرپور سوال نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ سیدھا سادہ طلب اور عطا کا معاملہ ہے۔ شدت طلب جتنی زیادہ ہوگی سوال اتنا ہی تجسس سے بھرپور ہوگا۔ یہ حقیقت کبھی بھی نظر انداز نہیں ہونی چاہئے کہ ایسے سوالات وجہ عدم ایمان یا ایمان کی کمزوری نہیں ہوا کرتے بلکہ ایمان کے درجات میں بلندی یا پختگی مطلوب ہوا کرتی ہے۔ کائنات کی بلند ترین اور بہترین الہامی کتاب سے تو اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ کلیم اللہ بھی تو حرف مدعا زبان پر لے آئے تھے۔ وہ تو حسن مطلق کے دیدار کے متمنی ہو بیٹھے تھے...... یہ الگ بات کہ ''لن ترانی'' جیسا جواب ملا...... بدبخت سے بدبخت انسان بھی ایمان پیغمبر میں کمزوری کی جانب اشارے کی

جرات نہیں کر سکتا۔ اس مکالمت سے ایک اور حقیقت کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ جواب دینا مسؤل کی صوابدید پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ مسؤل جو بہر حال سوالی سے بلند درجے پر فائز ہوتا ہے، سوالی کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے معروضی حالات کے تناظر میں جواب عطا فرماتا ہے...... دمشق میں ابوالحسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے سوالی کو لیت ولعل سے گریز کی تلقین ہی مناسب سمجھی۔ دوسری بات جو موصوف کے پیش نظر تھی وہ برصغیر پر چھائی ہوئی ادبار کی گھٹاؤں کے لئے مناسب ترین روشن چراغ کا انتخاب تھا۔ گویا اس تاریکی کی مناسبت سے کسی ایسے سنگ آفتاب کی اشد ضرورت تھی جس کے آنے سے شب سیاہ مانند آئینہ بکھر کر رہ جائے۔ اس دور میں وہ ذات علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ہو سکتی تھی۔ اندھیرا بے مثال تھا تو چراغ بھی لاجواب ثابت ہوا۔

ایک اندھیرا وہ ہوتا ہے جس میں کچھ دکھائی نہیں دیتا اسے بصارت کی تاریکی کہتے ہیں۔ دوسری نوعیت کا اندھیرا وہ ہوتا ہے جس میں کچھ سجھائی نہیں دیتا اسے بصیرت کا اندھیرا کہا جاتا ہے۔ برصغیر بصارت وبصیرت دونوں اقسام کے اندھیروں میں ڈوب چکا تھا۔ یہ بات البتہ تشریح طلب ہے اور ان معروضی حالات کی وضاحت جب علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا لاہور میں ورود ہوا ہماری تحریر کا موضوع ہے...... وہ ساعت سیار بڑی ہی مبارک، بڑی ہی خوش بخت تھی جب محمود غزنوی نے اپنے اسپ تازی کی لگامیں سوئے ہند موڑیں۔ ''ہوتی آئی ہے کہ لوگ اچھوں کو برا کہتے ہیں'' کے مصداق لوگوں نے اپنے اپنے ظرف وشرف کے مطابق اس مرد وفاکش کو عجیب وغریب الزامات سے نوازا۔ لٹیرا، ڈاکو، سیم وزر کا تمنائی اور جانے کیا کیا۔ بیگانوں کے ساتھ ساتھ چند اپنے بھی اس گروہ ملامت گراں میں پیش پیش نظر آتے ہیں مگر صداقت پسند نقادوں کے نزدیک ایسے ''لقمانوں'' کا تعلق تر لقے اور محققوں کا، حقہ نوشوں سے ہونا چاہئے جو کج نظری کے طفیل بے پر کی ہانکتے ہیں۔ محمود غزنوی بصارت وبصیرت کی تاریکیوں کے خلاف علم بلند کرنے والا وہ مجاہد تھا جس نے سرزمین ہند کو نخل صداقت بونے کے لئے ہموار کیا۔ اس سچائی سے

Marfat.com

البتہ انکار کی گنجائش نہیں کہ اس نخل صداقت کو سینچنے اور پروان چڑھانے والے زیادہ تر صوفیائے کرام تھے۔ اس نیک سرشت گروہ میں سیّد علی ہجویری سرفہرست دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سچائی کے علمبردار، شمشیر وسناں کی زباں کے برعکس ہمدردی وخیر خواہی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے جو دلوں کی سلطنتیں تسخیر کرنے کا تیر بہ ہدف نسخہ ہے۔ سنت نبویؐ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سیّد ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے خلق خدا کے اندر کی سلطنت تسخیر کی...... محمود غزنوی کے حملے بھی فہم وفراست کے دائرے میں آتے تھے کہ زمین کو ہموار کرنے کے لئے سختی سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔ مزدور کی تخریب ہی تعمیرِ قصر کی پہلی کوشش ہوا کرتی ہے۔ بنیادیں کھودنے اور تعمیر وآرائش کے باقی مراحل میں جو واضح فرق موجود ہوتا ہے وہی افواج غزنوی اور گروہ صوفیاء میں تصور کیا جانا چاہیے۔ دونوں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ برصغیر کا شمال مغربی حصہ یا شمالی ہند ہی۔ بیرونی تہذیبوں کی گزرگاہ رہا ہے۔ گویا ہر تہذیب کی یلغار موجودہ پاکستان کے راستے ہند پر ہوتی رہی۔ ہر تہذیب جب مقامی تہذیب سے ٹکرائی تو دونوں کے اتصال سے ایک نئی تہذیب جنم پذیر ہوئی۔ یہ تو تھی ایک کلیے باقاعدے کی بات۔ برصغیر میں یہ عمل ذرا مختلف طریقے سے ہوتا رہا ہے۔ بغور دیکھا جائے تو انکشاف ہوگا کہ برصغیر ہر تہذیب کے لئے کان نمک ثابت ہوا۔ آریائی تہذیب نے اپنا رنگ جمایا، ساسانی، یونانی تہذیبیں بھی حملہ آور ہوئیں اور اپنے اپنے رنگ دکھا کر برصغیر میں دم توڑ کے رہ گئیں۔ البتہ ایک اسلامی تہذیب ایسی سخت جاں ثابت ہوئی جس نے اپنا الگ تشخص، ہر مقام پر قائم رکھا اور اس طرح دو قومی نظریہ معرض وجود میں آیا۔ اسلامی تہذیب کا ارتقا کن مراحل سے گزرا اور سیّد علی ہجویری کی مساعی جمیلہ کا اس میں کس قدر اہم کردار تھا اس کی تفصیل میں جانے سے پیشتر ''تہذیب'' کی تشریح پیش خدمت ہے۔

سادہ الفاظ میں تہذیب سماجی اقدار کے نظام کا نام ہے یعنی "System of social values" گویا تہذیب جغرافیائی یا سیاسی حقیقت سے الگ ایک سماجی

Marfat.com

حقیقت ہے۔ ریاست کی جغرافیائی سرحدیں بہ آسانی بدل جاتی ہیں مگر قومی تہذیب کی سرحدیں اتنی جلدی نہیں بدلا کرتیں۔ انگریزی زبان میں اس وحدت کے لئے لفظ ''کلچر'' مستعمل ہے جو لاطینی زبان کا لفظ ہے اور اس کے لغوی معانی ہیں، زراعت کا عمل، کھیتی باڑی، ریشم کے کیڑوں کی افزائش نسل وغیرہ۔

بنیادی لحاظ سے ''تہذیب'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مفہوم پودوں کی تراش خراش ہے تا کہ ان سے نئی کونپلیں پھوٹ سکیں۔ یہی لفظ جب فارسی میں آیا تو اس کا مفہوم ہوا ''پاک و درست کردن و اصلاح نمودن'' اردو میں عام طور پر یہ لفظ ''شائستگی'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پنجابی میں ''رہتل بہتل'' دو الفاظ تہذیب کا مفہوم ادا کرتے ہیں۔ دیگر ممالک کی طرح برصغیر میں بھی مختلف تہذیبوں کا ٹکراؤ ہوتا رہا۔ مقامی طور پر بھی اصلاحی تحریکیں جنم لیتی رہیں مگر اہل ہوس کے ہاتھوں ہر رفائی تحریک رفتہ رفتہ معاشرے اور عوام الناس کے لئے وبال جاں بنتی گئی۔ یہی وہ حالات ہیں جن کو ہم نے بصیرت کا اندھیرا قرار دیا اور ان حالات ہی میں اجالے کی تمنا کی جاتی ہے۔

کرۂ ارض پر امن وسکون سے زندگی بسر کرنا ہر ذی روح کا سہانا خواب رہا ہے۔ اس کے لئے حکماء رہنمائی تجویز کرتے رہے ہیں۔ الہامی مذاہب کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ رہنمائی اوپر سے یعنی منجانب اللہ آتی رہی ہے مگر اہل ہوس ابتدائے آفرینش ہی سے ان روحانی و دنیاوی رہنماؤں کی مخالفت میں اپنی ربوبیت کا اعلان کرتے رہے اس لئے کہ ہر مصلح عدل و انصاف کا داعی رہا ہے۔ مادہ پرست حکماء بھی خلوص نیت سے اصلاح معاشرہ میں کوشاں رہے ہیں مگر اپنے گروہ کو دوسروں سے برتر ثابت کرنے میں ایسے ایسے قوانین تراش لیا کرتے تھے جو دوسروں کی حق تلفی کا جواز مہیا کرنے میں لاجواب ہوا کرتے تھے۔ ان ہی قوانین کو اہل ہوس نے مذہب کا مقام عطا کیا اور حتیٰ الامکان معاشرے کو پرسکون رکھنے کی سعی لاحاصل کرتے رہے۔ جس قانون کی بنیاد ہی ناانصافی پر استوار ہو وہ کبھی بھی امن وسکون کا ضامن نہیں ہوسکتا اور یہاں دنیاوی

رہنماؤں کا مطمحِ نظر ہی دوسروں کی حق تلفی ہوا کرتا تھا۔ یہی کرۂ ارض پر وجہ فساد رہی ہے اور شاید تا قیامت رہے۔ برصغیر میں یہ بوجوہ فساد عام ممالک کی نسبت زیادہ رہا ہے۔ ان وجوہات کو زیرِ بحث لانا اصل موضوع سے ناانصافی والی بات ہوگی۔

آریاؤں کی برصغیر میں آمد سے پہلے، سماجی اقدار کا وہ نظام جو شمالی ہند بلکہ پورے برصغیر میں رائج تھا۔ اس میں وادی سندھ کی تہذیب سرفہرست قرار دی جا سکتی ہے۔ کسی دانش وروں کے بقول ہر ایسے سماجی نظام کی ترکیب چار عناصر پر استوار ہوتی ہے۔ کسی خطے کے طبعی حالات، انسانی گروہ کے زیرِ استعمال آلات ضرب و حرب و کھیتی باڑی، نظام فکر و احساس اور سماجی قدروں کی نوعیت۔ ان چار عناصر ترکیبی کے طفیل ہر تہذیب ترقی کی منازل طے کرتی رہی یا تنزل و جمود کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

وادی سندھ کی تہذیب مختصر الفاظ میں امن و آشتی کی تہذیب تھی۔ افزائش فصل و نسل کو وہ لوگ ہر چیز پر فوقیت دیتے تھے گویا یہی حیات انسانی کا محور تھا۔ روحانی رہنمائی کے فقدان کے نتیجے میں انسانی ذہن نے اپنی آسودگی کی خاطر چند قوانین بنا رکھے تھے۔ جن کو وہ مذہبی حیثیت اور مقام عطا کرتے تھے۔ بنیادی طور پر یہ معاشرہ ''مادری'' کہلاتا تھا یعنی عورت کا مقام و مرتبہ، تخلیق کا سرچشمہ ہونے کی بنا پر سب سے بلند تھا۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ وہ لوگ ''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ'' سے کئی قدم آگے بڑھ کر کارخانہ قدرت کو جسم انسانی کے حوالے سے دیکھنے کے عادی تھے۔ یعنی جس طرح مرد و زن کے ملاپ سے نئے وجود کی تخلیق ہوتی ہے اسی طرح کائنات کی دوسری اشیاء معرض وجود میں آتی ہیں۔ اس تخلیقی عمل میں چونکہ نسوانی وجود کا کردار زیادہ اہم ہوتا ہے لہٰذا وجود زن کا مقام ارفع و اعلیٰ قرار دیا گیا۔ یہی ''تنترک عقیدہ'' ہے اور سانکھیہ فلسفے کی بنیاد بھی اسی عقیدے پر ہے۔ (وادی سندھ میں محکمہ آثار قدیمہ کی کاوشوں سے جو ڈھیروں مورتیاں دستیاب ہوئی ہیں ان کے گہرے مطالعے کے بعد، ماہرین نے انہیں تنترک رسوم کی عکاسی قرار دیا) ''تنتر''، سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مفہوم، پیدا کرنا،

Marfat.com

افزائش یا پھیلانا وغیرہ ہے۔ اس فلسفے کی رو سے ساری کائنات، شکتی یعنی عورت اور پیروش یعنی مرد کے جنسی ہیجان کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی۔ بنابریں تبرک رسوم میں جسمانی حرکات اور وجود زن کے نقوش کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

سوانی (پوٹھوہار) کی قدیم ترین تہذیب کے متعلق البتہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس معاشرے میں دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا رواج نہیں تھا اور نہ وہ کسی مافوق الفطرت طاقت پر ایمان رکھتے تھے۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک ''حضری'' معاشرہ تھا یعنی لوگ مل جل کر ایک جگہ رہنے کو ترجیح دیتے تھے گویا وادی سندھ کی تہذیب میں ریاست یا جغرافیائی حدود کا احساس زندہ و بے دار تھا۔ آریاؤں سے پہلے کی یہ تہذیب کوئی دو ہزار پانچ سو برس پہلے عروج پر تھی۔ رفتہ رفتہ آریاؤں کی آمد سے نئے فساد کا آغاز ہوا۔

آریہ کسی خاص نسل یا قوم کا نام نہیں۔ یہ وہ انسانی گروہ تھے جو خوارزم اور بخارا کی سرزمین پر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے دو ہزار ق م کے لگ بھگ اپنی چراگاہوں سے نکل کر وسطی ایشیا سے جنوب مغربی ایشیا کا رخ کیا۔ ان خانہ بدوشوں کی زبان سنسکرت تھی اور سنسکرت میں بلند مرتبت اور آزاد انسان کو آریہ کہتے ہیں لہٰذا بھیڑ بکریاں پالنے والے یہ بدوی حضرات آریہ کہلائے۔ ان کا معاشرہ ہندی معاشرے کے برعکس بدوی (یعنی حضری کے برعکس) ادھر ادھر نقل مکانی کرنے والا تھا۔ دوسرا بنیادی فرق ان کے ہاں پدری نظام رائج تھا۔ یعنی گھر اور قبیلے کا سربراہ عورت کی بجائے مرد کی ذات تھی۔ ذات پات کی تمیز تو ان میں بھی نہیں تھی مگر معاشرہ تین طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ چھتری جدال وقتال کے ماہر، برہمن مذہبی رسوم ادا کرنے والے اور ویش یعنی صنعت وحرفت کے ماہرین۔ ان طبقات میں نسلی امتیاز ہرگز نہیں تھا۔ آپس میں شادی بیاہ جائز تھا۔ خاندانی وحدت کو گراما اور گھر کے بزرگ کو ''گرامنی'' کہتے تھے۔ (پنجابی کا گرائیں یا اردو زبان میں گھر، گھرانہ آریاؤں کے گراما اور گرامنی سے ملتے جلتے

Marfat.com

الفاظ ہیں) ان لوگوں کی بود و باش کا تقاضا تھا کہ مستقل عبادت گاہیں نہ بنائیں چنانچہ ان میں مورتی پوجا یا بت پرستی کا رواج بھی مفقود تھا۔ یہ لوگ مظاہر قدرت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ان کے پانچ دیوتا بڑے اہم تھے۔ درونا (آسمان)، اگنی (آگ) وایو (ہوا) مترا (سورج) اور اندرا (دیوتا جنگ)۔

یہ لوگ ہند میں بیک وقت وارد نہیں ہوئے بلکہ یہ سلسلہ کوئی ایک ہزار برس تک چلتا رہا۔ پہلے آنے والے قبائل اور بعد میں آنے والوں میں جنگیں بھی ہوئیں۔ یہ تماشا برصغیر میں جوبن پر رہا...... ان کی چار کتب بڑی مشہور ہیں یعنی رگ وید، سام وید، اتھروید اور یدھروید۔ جن میں قدیم ترین کتاب رگ وید ہے جو ۱۵۰۰ قبل از مسیح سے ۱۲۰۰ قبل از مسیح میں لکھی گئی۔ بدوی معاشرے کی بنا پر یہ لوگ حضری معاشرے کی بہ نسبت زیادہ جفاکش اور جنگجو تھے لہٰذا قدیم ہندی اقوام پر غالب آگئے...... حد یہ کہ بعد میں آنے والے قبائل نے اپنے پیش رو قبائل کو وسطی ہند یعنی گنگ وجمن کے علاقے میں دھکیل دیا۔ ویدک تحریروں میں سات دریاؤں کی زمین ستلج، بیاس، راوی، چناب، جہلم، سندھ اور اٹک کو پست سندھو دیش کہا گیا ہے...... یہی سات دریاؤں کی زمین بعد میں پانچ دریاؤں کی زمین یعنی پنجاب کہلائی۔ آریہ لوگ ریاست کو ''راشٹر'' کہتے تھے۔

بدوی طرز زندگی کو خیرباد کہہ کر جب یہ لوگ حضری طرز زندگی کی جانب لوٹے تو مقامی تہذیب کے ملاپ سے ان کے مذہبی عقائد میں زمین وآسمان کا فرق آگیا۔ پہلا فرق تو یہ ہوا کہ اندر دیوتا جو جنگ وجدل کا خدا تھا ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ ان لوگوں نے شکتی دیوی دھرتی ماتا اور شیوا کی پوجا کا آغاز کر دیا۔ یہ عقیدہ مقامی تہذیب سے اپنایا گیا جس میں شکتی دیوی پردھان تھی...... شیوا کو مہالنگم کے مقام پر فائز کر کے درگا، پاروتی اما وغیرہا کو اس کی زوجیت میں دے دیا۔ واضح رہے کہ یہ سب شکتی کے روپ تھے جو مقامی تہذیب نے اسے عطا کر رکھے تھے۔ اس طرح ہندی معاشرے میں بت پرستی کا رواج ہوا۔ مادری معاشرے کا نشان ہلال ہوا کرتا تھا جب کہ پدری معاشرے کی

Marfat.com

علامت سورج تھا۔ ہندوؤں کی تری مورتی کے تین چہرے ہیں یعنی برہما، وشنو اور شیوا جو گویا قوت واحدہ کے تین روپ ہیں۔ آسان الفاظ میں یہ تین چہرے تخلیق، تحفظ اور تخریب کی نمائندگی فرماتے ہیں۔

آریاؤں نے مرور زمانہ کے ساتھ اپنے پرانے دیوتاؤں، درونا، وایو اور اندر کو یکسر بھلا دیا اور ان کی جگہ شیوا اور درگا کو مقام پرستش پر فائز کر دیا۔ اس کے بعد لنگ (عضو تناسل) اور بیل کی پوجا کا آغاز بھی ہو گیا۔ یہ مرد وزن کے ملاپ والا قدیم مقامی عقیدہ تھا جو آریاؤں نے اپنا لیا۔ بیل مردانہ تخلیق قوت کی علامت تھا۔ وہ آزاد لوگ جو کسی دور میں مظاہر قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کیا کرتے تھے۔ اب درگا شیوا لنگ وغیرہا کے بت بنا کر ان کی پوجا کرنے لگے۔ برہمنوں نے اپنے تحفظ کی خاطر ذات پات کے نظام کی ترویج و ترقی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ایک چوتھی ذات شودر کو اپنے معاشرتی نظام کا حصہ قرار دیا جسے برہما کے پاؤں کی میل سے تخلیق کیا گیا اور انسانیت کی تذلیل کا باب کھول دیا۔

انسانی بصیرت کا یہ اندھیرا کس قدر گھناؤنا تھا اس کا مزید جائزہ لینے سے پیشتر اس لنگ یا لنگم پوجا کی وضاحت اشد ضروری ہے۔ اندازہ تو لگایا جا سکے کہ آخر اس سرزمین کو روشن چراغ یا طلوع آفتاب کی کیا ضرورت تھی۔

شکتی دیوی اور شیوا یا شو کے ملاپ سے افزائش نسل و فصل کا ترجمان عقیدہ لنگ پوجا پہ منتج کیسے ہوا؟ اس کے متعلق ہندو پران (مذہبی کتب) میں ایک عجیب و غریب ہیجان انگیز کہانی مرقوم ہے۔ سمپر دائے HINDU SECTS کے مؤلف پروفیسر بی بی رائے صاحب نے ہندوؤں کے مختلف فرقوں پر مدلل بحث کی ہے۔ لنگ پوجا کی تفصیل بقول رائے صاحب کچھ اس طرح ہے۔

''شوا اور دیگر دیوتاؤں کی پوجا میں ایک بنیادی فرق موجود ہے۔ وہ یہ کہ شیوجی کی پوری مورتی نہیں بنائی جاتی محض ان کے لنگ (عضو تناسل) کو لوگ پوجتے ہیں۔ لنگ پر

Marfat.com

ان میں (وہ مذہبی کتب جن میں لنگ کی تفصیل درج ہے) دو طرح کے شو کا بیان ہے۔ النگ اور لنگ۔ النگ شو، نرگن اور اکرتا ہے۔ (نرگن، معنی ذات سرگن کا نقیض وذات جو صفات انسانی سے مبرا اور منزہ ہو۔ صفات ربی، پرمیشور جو ست، رج اور تم، تینوں گنوں سے پاک ہے) پر لنگ شو جگت کا کار بمعنی باعث تخلیق دنیا)

''لنگ کا صمہ (عظمت بزرگی) ظاہر کرنے کے لئے لنگ پران میں یہ قصہ مرقوم ہے۔ پرلئے (دوسری دنیا پرلوک) کے سمندر میں ایک مرتبہ برہما اور وشنو میں سخت بحث ہو رہی تھی۔ برہما کہتا تھا کہ میں خلقت کا بانی ہوں اور وشنو کہتا تھا میں اس کا بانی ہوں۔ اس جھگڑے کو رفع کرنے کے لئے ایک نہایت حیرت افزا لنگ ظاہر ہوا جو فنا کرنے والی آگ کی مانند تھا اور جو ہزارہا شعلوں کی مانند چمک رہا تھا۔ اس لنگ کے نظارے سے برہما اور وشنو دونوں حیران و پریشان ہو گئے اور اس کے آدٗ اور انت (ابتدا و انتہا) ڈھونڈنے کے لئے، وشنو جی برہ روپ لے کر پاتال کی طرف اترے اور برہما، ہنس روپ لے کر اوپر کی طرف اڑے۔ پر نہ نیچے نہ اوپر اس لنگ کا آدٗ انت کہیں نہ ملا۔ سو دونوں پریشانی کی حالت میں واپس آئے اور اس لنگ کے آگے تھر تھرانے لگے۔ اتنے میں اچانک آکاش بانی ہوئی (فضا میں آواز گونجی) ''اوم......اوم' اور لنگ کے پہلو میں اونکار کے تین حرف یعنی ا، و، م نظر آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ لنگ ہی سرشٹی، ستھیتی اور ناش کا بانی ہے (یعنی تخلیق، تحفظ اور تخریب کا)

''اہل ہنود شو اور شکتی دونوں کو اکٹھے ایک جفتی علامت میں پوجتے ہیں یعنی شو لنگ کے نیچے ایک جونی (اندام نہانی) بناتے ہیں جس پر لنگ کھڑا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لنگ پران میں لکھا ہے کہ دیدی یعنی جونی مہادیوی ہے اور لنگ خود مہیشور۔ سو اس لنگ اور جونی کی پوجا سے شو اور شکتی دونوں کی پوجا ہو جاتی ہے۔ لنگ ارجن تنتر میں لکھا ہے کہ شو اگر شکتی کے ساتھ ملا نہ رہے تو وہ مانند ایک مردہ کے ہے۔ شکتی کے ساتھ ملنے سے شو کرم کرتا ہے شو شکتی کے ساتھ شو لنگ کی پوجا ضروری ہے۔''

Marfat.com

تنتر میں لنگ کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔ایک اصلی اور دوسری نقلی۔اصلی لنگ انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں ہوتے۔یہ پتھر کے وہ ٹکڑے ہوتے ہیں جو موسموں کے تغیر وتبدل سے لمبوتری شکلیں اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔انہی اشکال کو انسانی کج نظری لنگ (اور وہ بھی شوکا) تصور کر لیتی ہے۔لنگ کی دوسری قسم انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ان کی تخلیق مٹی اور دھات وغیرہ سے کی جاتی ہے۔''سکند پران'' کے کاشی کھنڈ میں بارہ مشہور لنگوں کے نام درج ہیں جن کو جوتر لنگ کہتے ہیں۔ان میں سے صرف ایک لنگ کو محمود غزنوی نے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا یعنی ''شوناتھ لنگ'' اس شرمناک فعل کی شدت کو کم کرنے کے لئے اہل ہنود نے تلاش بسیار کے بعد، دیگر ممالک میں لنگ پوجا والی رسم کو کھوج کر مفصل بیان کیا ہے۔یعنی یہ رسم فلاں ملک اور فلاں خطہ ارض پر بھی جاری وساری رہی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اگر کسی فعل کا ارتکاب زیادہ لوگ کر رہے ہوں تو یہ اس کی سچائی کی دلیل ہرگز نہیں اور نہ اسے سودمند قرار دیا جا سکتا ہے۔ برائی فیل بے زنجیر بن کر بھی رقص کرے تو وہ برائی ہی رہتی ہے۔یہ تو وہی بات ہوئی کہ ہماری ناک کٹی ہوئی ہے تو کیا ہوا فلاں فلاں کی ناک بھی تو کٹ چکی ہے۔رائے صاحب سمپر دائے میں رقم طراز ہیں۔

''بعض علماء کہتے ہیں کہ لنگ پوجا ہندوستان ہی میں نہیں زمانہ قدیم میں اس کا رواج دیگر ممالک میں بھی تھا۔مثلاً ملک مصر میں بڑے معبود ''اسیرس'' کا لنگ بھی بکثرت پوجا جاتا تھا۔اسیرس دیوتا اور اس کی جورو آسس دیوی کے ساتھ ہند کے شو اور شکتی کی بہت سی باتوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔مثلاً شو کی شکتی بھگوتی کو بشوارو پنی قرار دیتے ہیں۔مصری لوگ آسس دیوی کو زمین کے ساتھ ہم وجود مانتے ہیں۔تنتر میں شکتی کی علامت ایک مثلث ہے۔اسی علامت کی حامل آئسس دیوی ہے۔شو کا کار خاص ناش کرنا ہے اور اسیرس دیوتا بھی فنا کرنے والا ہے۔شو کی سواری قابل تعظیم و اکرام بیل ہے۔اسیرس دیوتا کے ایپس نامی کالے سانڈ کو مصری پوجتے تھے۔شو اور

Marfat.com

اسیرس دونوں کے سروں پر سانپ لپٹے ہوتے ہیں۔ شو کے ہاتھ میں ترشول ہوتا ہے، اسیرس کا ہتھیار بھی اسی نوعیت کا ہوا کرتا تھا۔ شو کا مقدس درخت بیل ہے۔ اسیرس کا درخت بھی اس سے ملتا جلتا تھا۔ شو کا خاص دھام کاشی ہے، اسیرست کا میمفس دونوں پر دودھ ڈالا جاتا ہے البتہ اسیرس کا رنگ سیاہ اور شو کا سفید ہے۔ لیکن مہا کال شو کا رنگ بھی سیاہ ہوتا ہے۔

"ملک یونان میں بھی لنگ پوجا کا رواج رہا ہے، اکثر شہروں کے مندر لنگ مورتیوں سے مزین ہوا کرتے تھے اور ان کے لئے جلسوں کا رواج بھی تھا۔ بیکاس دیوتا کے لئے فیلی فوریا نامی جلسہ منعقد ہوا کرتا تھا۔ لوگ اسی انداز میں ناچا کرتے تھے جیسے بنگال میں چڑک پوجا کے موقع پر رقص ہوا کرتا تھا۔" (یونانی لوگ ستائش دیوتا کے دوران میں جو کچھ کہا کرتے تھے وہ ناقابل اشاعت ہے)

حیران کن بات یہ ہے کہ لنگ پوجا میں رسومات کی ادائیگی کنواری کنیاؤں کے ہاتھوں افضل ترین گردانی جاتی تھی، کھل کر ناچنے کا خوب خوب اہتمام ہوا کرتا تھا۔ انسانی گمراہی کی حد ہے نہ انتہا۔ بیکاس کا لنگ تو خیر ایک سو بیس ہاتھ لمبا ہوا کرتا تھا مگر بابل اور ہندی اسوری دیوتاؤں کے لنگ تین تین سو ہاتھ لمبے ہوا کرتے تھے۔ ہنود کی ہر پوجا کے لئے پروہت کی موجودگی ضروری ہے مگر لنگ پوجا کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں۔ مرد و زن کو لنگ پوجا کے مساوی حقوق حاصل ہوا کرتے تھے (اور آج بھی ہیں) خواتین شودوارے جا کر بیل کے پتے اور پانی چڑھایا کرتی تھیں یا اپنے گھروں میں گوشہ تنہائی میں خود ساختہ لنگوں کی پوجا کر لیا کرتی تھیں۔

دکن میں شو لنگ کی پرستش کو ہر نوع کی پوجا پر فوقیت حاصل تھی۔ ہندوؤں کا ایک فرقہ لنگایت، لنگونت یا لنگم کے نام سے مشہور تھا جس نے دیگر تمام دیوتاؤں کو پس پشت ڈال کر اس رسم کو اپنا شعار بنایا۔ باسب نامی شخص نے اس فرقے کی تنظیم نو کی۔ جین مت کو نیست و نابود کر کے شیو مت کو پھیلانے والا یہی شخص تھا۔ اس فرقے نے تو سورج دیوتا

Marfat.com

، اگنی پوجا، تیرتھ یاترا، گنگا جل، برہمن بھوجن ہر شے کا انکار کر دیا۔ باسب نے چھوٹے چھوٹے لنگ بنا کر مرد وزن کے ہاتھوں میں تھما دیئے اور ان کو گلے میں حمائل کرنے کا اپدیش بھی دیا۔ مردوں کو سپرد چتا کرنے کے خلاف مہم چلائی اور تدفین کو رائج کیا چنانچہ رسم ستی میں چتا پر جلنے کے بجائے بیوہ کو زندہ درگور کیا جانے لگا۔ دکن میں شادی کی ایک رسم تو بڑی ہی واہیات قسم کی تھی۔ شادی شدہ عورت کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ بیاہ تو ایک شخص سے رچالے مگر گھر کسی دوسرے کا آباد کرے۔ یہ لوگ شمالی ہند میں بھی پائے جاتے تھے اور لاہور کے گرد و نواح میں بھی۔ اس علاقے میں سانڈوں کو سجا کر پھرنے والے لوگوں کا تعلق جنگم قبیلے سے ہوا کرتا تھا۔

ساسانی، یونانی حضرات بھی ہند میں وارد ہوئے تو اپنی رسومات ساتھ لے کر آئے مگر ہندی رسم و رواج نے رفتہ رفتہ ان سب کو نگل لیا۔ کہیں کہیں بیرونی رسوم کے آثار ہندی معاشرے میں ضرور پائے جاتے تھے مگر بحیثیت مجموعی اب یہ معاشرہ خالص ہند آریائی تھا جو برہمنوں کے قبضہ قدرت میں تھا۔ شودر نچلی ذات کے لوگ چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ برہمن اور دیگر بلند مرتبت لوگوں پر ان کا سایہ پڑ جانا بھی ناقابل برداشت تھا البتہ ان کی محنت کا پھل اونچی ذات کے لوگوں کے لئے ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ گویا پیدائشی بدبخت قرار دیئے جا چکے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ برہمنوں نے اپنی مذہبی کتب کا بھی لحاظ نہ کیا اور اپنے من پسند قوانین کو رائج کر دیا۔ شریمد بھگوت گیتا ہنود کی مقدس ترین پستک ہے۔ جس کا مطالعہ ہر سیدھی مت والے کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی اہمیت، اس کے تقدس کو کوئی ہندو نظر انداز کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ یہ ان کی قدیم روحانی کتاب ہے۔ اصل میں یہ مذہبی کتاب ان اپدیشوں پر مشتمل ہے جو شری کرشن مہاراج نے پانڈووں کے سالار ارجن کو کوروکشیتر کے میدان میں مہابھارت کی جنگ کے وقت دیئے۔ گویا یہ بلند مرتبہ پستک مہابھارت کا خلاصہ ہے۔

سری کرشن نے اپنے اپدیش میں انسان، روح، خدا، بھگتی کی تفصیل بیان کر کے

Marfat.com

وصال خدا کا طریقہ بیان کیا ہے۔ انسانی فرائض میں شکلا کرم (عمل بے لوث) کو وصال کی پہلی شرط قرار دیا ہے۔ اس میں کل سات سو اشلوک ہیں۔ پرم آتما یا پر ماتما یعنی خدا کی ہستی کے متعلق گیتا کا فیصلہ ہے کہ خدا موجود ہے بلکہ ''خدا ہی موجود'' ہے۔ گویا گیتا وحدت وجودی کی تعلیم دیتی ہے۔ فطرت، نیچر، پر کرتی ہر شے ہر آتم میں اسی کا نور و ظہور ہے۔ ملاحظہ ہو پندرہواں ادھیائے اور بارہواں شلوک یعنی......

یہ سورج کی تابش مرا نور ہے
جہاں جس کے جلووں سے معمور ہے
رہے چاند رخشاں مرے نور سے
تو آتش درخشاں مرے نور سے
جو ہر سمت پاتا ہے میرا ہی نور
مجھی میں جو ہر شے کا دیکھے ظہور
کبھی مجھ سے منہ موڑ سکتا نہیں
کبھی میں اسے چھوڑ سکتا نہیں
جو کثرت میں وحدت کا دیکھے سماں
جو پوجے مجھے ہوں میں سب میں عیاں

کائنات کی شیرازہ بندی اسی پرم آتما کے دم قدم سے ہے۔ وہ نابود ہو جائے تو سارا شیرازہ ہی بکھر کر رہ جائے۔

سن ارجن نہیں کچھ میرے سوا
نہ ہے مجھ سے بڑھ کر کوئی دوسرا
پرویا ہے سب کچھ مرے تار میں
کہ ہیرے ہوں جیسے کسی ہار میں

گیتا کے مطابق وہ آنکھ سے نہیں بلکہ آنکھ اس سے دیکھتی ہے، اسی طرح کان اس

Marfat.com

سے سننے اور زبان قوت گویائی کا اظہار اسی کے طفیل کرتی ہے۔ وہ جان کی جان اور دل کی دھڑکن ہے۔ گیتا کے انو سانکھیہ فلسفہ بھی غلط ہے۔ اس فلسفے کے مطابق دنیا کی ہر شے دو مختلف خود مختار ابدی عناصر سے معرض وجود میں آئی مگر گیتا وحدانیت کی تعلیم دیتی ہے۔ سانکھیہ کہتا ہے کہ بے جان پرکرتی مادہ سے پیدا ہوئی اور جان دار پرش روح سے، مگر گیتا اس پر خط تنسیخ کھینچ دیتی ہے۔ اس کے مطابق مادہ اور روح ایک پرمیشور کا ظہور ہیں۔ اول الذکر خدا کی اپرا پرکرتی یعنی ادنیٰ فطرت ہے اور روح پرا پرکرتی یعنی اعلیٰ فطرت۔ پھر گیتا اس ادنیٰ فطرت کے آٹھ روپ دکھاتی ہے۔

اس کتاب کے دویں ادھیائے کا ۲۰ واں شلوک تو واقعی حیران کن ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مذہب کے برہمن ٹھیکے داروں نے اپنی ہی تعلیم کا حلیہ کس انداز میں بگاڑا۔

سن ارجن میں ہوں آتما بالیقین
جو ہے جانداروں کے دل میں مکیں
میں ہوں مثل جاں اہل جاں میں نہاں
میں اول میں آخر میں ہوں درمیاں
مری ذات ہے مالک کائنات
نہ اس کی ولادت نہ اس کو ممات
ازل سے تھی موجود ہستی مری
ازل سے تھی موجود ہستی تری

گیتا انسان کو مکتی یعنی نجات کے تین راستے دکھاتی ہے کرم مارگ (راہ عمل)، بھگتی مارگ (رہ عشق) اور گیان مارگ (رہ عرفان) ان پر ہر شخص چل کر مکتی حاصل کر سکتا ہے۔ ذات پات، ادنیٰ اعلیٰ کی کوئی قید نہیں۔

سمجھ دل سے یہ بات کنتی کے لال
مرا بھگت پائے نہ ہرگز زوال

Marfat.com

بشر پاپ کے پیٹ سے ہو کوئی
وہ ہو ویش شودر یا ہو استری
مجھے آسرا جب بنائے گا وہ
تو اعلیٰ منازل پر جائے گا وہ

مگر سب سے عجیب بات یہ ہے کہ گیتا بت پرستی کی سخت مخالفت کرتی ہے اور اصنام کے پجاریوں کو گمراہ قرار دیتی ہے۔ یہ اشعار بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں۔

ہوا و ہوس سے جو مجبور ہیں
ہوئے گیان سے جن کے دل دور ہیں
نکالیں طبیعت سے پوجا کی ریت
کریں دوسرے دیوتاؤں سے پریت
منائیں جو پتروں کو پتروں تک آئیں
جو بھوتوں کو پوجیں وہ بھوتوں کو پائیں
صنم کے پجاری صنم سے ملیں
ہمارے پرستار ہم سے ملیں

گیانی کو جب عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو ہر ذی روح اس کے لئے مساوی درجے کا حامل ہوتا ہے یعنی چنڈال اور برہمن میں کوئی امتیاز نہیں۔ اصل عرفان یہی ہے کہ اونچ نیچ کا امتیاز مٹ جائے۔

جو گیانی ہے یکساں نظر اس کو آئے
وہ ہو کوئی کتا کہ ہاتھی کہ گائے
کوئی برہمن عالم و بردبار
کہ چنڈال ناپاک مردار خوار

یہ ہندو دھرم کا آغاز تھا۔ نہ بت پرستی نہ ذات پات کی تقسیم، عمل بے لوث کی تلقین

البتہ ہر قدم پر کی گئی۔ حق تلفی مہا پاپ قرار دی گئی...... لیکن ہوا کیا؟ اس دھرم میں شرمناک رسوم در آئیں، انسانیت کی تذلیل کو مذہبی قوانین کا درجہ دیا گیا۔ ظلم و ستم کو شعار گردانا اور دستور مانا گیا۔ یہ بصیرت و بصارت کا اندھیرا نہیں تو اور کیا تھا؟ یہی وہ دور تھا جب ویدک مذہب کو برہمنوں نے برہمن مت میں تبدیل کر دیا۔ عوام الناس تو رہے ایک طرف عظیم الشان راجے مہاراجے بھی برہمنی شکنجے سے عاجز آ گئے اور اس سے نجات کی تمنا کرنے لگے۔ ان حالات کے نتیجے میں دو آوازیں بلند ہوئیں یعنی بدھ مت و جین مت...... بدھ مت کا بانی گوتم بدھ اور جین مت کا بانی مہاویر ہم عصر تھے۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے ظرف و شرف کے مطابق اصلاح معاشرہ کا بیڑا اٹھایا۔

موجودہ صوبہ بہار کی دکنی سرحد کے قریب کپل وستو کی راجدھانی تھی جہاں ساکیہ قوم کا سربراہ سدھودن حکمران تھا۔ ۵٦۳ قبل از مسیح میں اس کے ہاں گوتم شہزادہ پیدا ہوا جو بڑا احساس اور دردمند دل کا مالک ثابت ہوا۔ یہ تھا تو راج کمار مگر اپنے مقام و مرتبے والی کوئی بات اس میں نہ تھی۔ معروضی حالات تو اس کے زخموں پر کچوکے ہی لگاتے رہتے۔ عدم مساوات، ناانصافی، انسانی دکھوں پر وہ ہمیشہ سپر داضطراب رہتا۔ اولاد کا دکھ بھرا چہرہ ہر ماں باپ کے لئے وجہ رنج و الم ہوتا ہے۔ اس میں شاہ گدا کی کوئی قید نہیں۔ راجا سدھودن نے بھی اپنی فہم و فراست کے مطابق راجکمار کے دکھ کا مداوا کیا۔ اسے ایک حسین و جمیل دوشیزہ یشودھرا سے رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا...... گوتم کے ہاں ایک بیٹا بھی تولد ہوا مگر یہ ریشمی بندھن گوتم کو زیادہ دیر تک اسیر نہ رکھ سکا۔ ایک رات جب کہ وہ عمر عزیز کے ۲۹ ویں برس میں تھا حسین و جمیل شریک حیات اور پھول ایسے بچے پر نگہ حسرت ڈالتے ہوئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ بے چین کونج سارے رشتے توڑ کر کسی اجنبی منزل کی جانب پرواز کر گئی۔

اس دشت نوردی کے عالم میں وہ بے قرار دل کے لئے تسکین کا متلاشی تھا مگر یہ جنس نایاب اسے نصیب نہ ہو سکی۔ آخر اس کی ملاقات ایک مہا تپسوی رشی الا را کلاما سے

Marfat.com

ہوئی۔رشی نے آپ شدھ کے درس کا آغاز کیا مگر ویدوں کے اس خلاصے نے بھی گوتم کو تسکین قلب سے محروم رکھا۔راجکمار نے اپنے آپ کو ریاضت وعبادت کی چکی میں گویا پیس ڈالا۔مسلسل فاقہ کشی سے وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔بس سلسلہ تارنفس بحال رہا مگر دل بے قرار کو قرار پھر بھی نہ آیا۔پھر اس نے طویل سفر کی ٹھانی۔دربدر خاک بسر ادھر ادھر گھومتا رہا۔بھوک ستاتی تو دست طلب دراز کر کے آتش شکم بجھالیتا۔رات ہوتی تو کسی پیڑ تلے جا سوتا ''فرش زمیں کا چھت آسماں کی'' والا معاملہ ہو گیا...... گیا شہر کے قریب شوجاتا نامی خاتون سے اس کی ملاقات ہوئی...... راجکمار جانے کتنے دنوں کا بھوکا تھا۔ امیر اور غریب انسان میں بغور دیکھا جائے تو فرق صرف ایک دو وقت کی روٹی ہی کا ہوتا ہے۔اس کے بعد دونوں ایک ہی سطح پر آجاتے ہیں۔شوجاتا بھی شاید گوتم ہی کے قبیل کی ہستی تھی۔گداز دل انسانوں کو دوسروں کے دکھ کا احساس بہت جلد ہو جاتا ہے۔

''کیا کھو بیٹھے ہو جس کی تلاش میں یہ حالت بنا رکھی ہے؟'' شوجاتا نے ہمدردانہ لہجے میں دریافت کیا۔

''دل کا سکون۔'' گوتم نے لرزیدہ لہجے میں جواب دیا ''انسانی دکھوں کا مداوا تلاش کرتا پھرتا ہوں۔''

''کس بوتے پر؟ تلے مضبوط شاخوں والی گھاس اگی ہوئی تھی اور وہ برہنہ پا تھا۔ پیپل کے قریبی درخت کی جانب اس نے پیش قدمی کی تو پاؤں، تندی نما شاخ میں الجھ گیا۔اس طرح ہڈیوں کا ڈھانچا گوتم زمین پر منہ کے بل گرا...... اپنی ناتوانی کا احساس اس کے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔شوجاتا اس کے لئے چاولوں کی کھیر لے کر آئی جسے گوتم نے دلی رغبت سے کھایا اور تناور درخت تلے اونگھنے لگا۔اس نے اپنی حالت زار پر غور کیا۔اسی ارتکاز کے دوران اسے ''گیان'' حاصل ہوا وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔اب وہ گویا جاننے والا (عارف) تھا۔گوتم بدھی والا یا گوتم بدھ۔اب اسے اپنے عرفان کا پرچار کرنا تھا۔

Marfat.com

گوتم نے اپنے پرچار کا آغاز بنارس کے قریب سارناتھ کے مقام پر ایک باغ سے کیا جو ہرن باغ کے نام سے مشہور تھا۔ گوتم کا انداز بیاں سیدھا سادہ دل نشیں قسم کا تھا۔ برہمنوں کی الجھی ہوئی مکارانہ باتوں کے بالکل برعکس لوگوں نے اس کی سچی پرخلوص باتیں سنیں تو بڑے متاثر ہوئے۔ پانچ آدمیوں نے اپنے تن من گوتم کے سپرد کر دیئے، یہ بدھ مت کے اولین پیرو تھے۔ آج بھی اس واقعہ کی مناسبت سے بدھ مت کے ماننے والے پانچ کے عدد کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگ اس نئے مذہب میں داخل ہونے لگے۔ یہ برہمن مت کے خلاف گویا عملی احتجاج تھا۔

گوتم نے ساٹھ مخلص چیلے چن کر انہیں ''سنگھ'' کا نام دیا اور اس طرح اس کے سادہ سے دھرم کی ترویج و ترقی ہونے لگی۔ وہ کپل وستو بھی گیا اس کا بیٹا راہولا اب سیانا ہو چکا تھا۔ یشودھرا دل و جان سے محو انتظار تھی۔ بیوی اور بیٹے کو بھی اس نے اپنے دھرم میں شامل ہو جانے کی دعوت دی۔

''میری جان و دل کے مالک، میرا دھرم تو آپ ہیں۔'' یشودھرا نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا ''میں تو آپ کی ہم سفر ہوں لہٰذا میری منزل بھی وہی ہے جو آپ کی ہوگی۔''

کپل وستو کے لوگ اس مت میں شامل ہو گئے۔ پھر یہ مت مگدھ (بہار) میں پھیل گیا۔ برہمن مت کے برعکس گوتم کی تعلیم سیدھے سادے چار اصولوں پر مبنی تھی۔ (۱) دنیا دکھ نگری ہے۔ (۲) دکھوں کی وجہ انسانی خواہشات ہیں۔ (۳) ان خواہشات پر قابو پانے سے دکھ مٹ سکتے ہیں۔ (۴) ان خواہشات کو مارنے کے لئے اشٹانگ (Eight Fold Path) پر چلنا ضروری ہے۔

اشٹانگ کے آٹھ اصول ہیں۔ (۱) درست سمجھنا۔ (۲) سچا اعتقاد۔ (۳) نیک عمل (۴) خوش گفتاری (۵) پاکیزہ زندگی (۶) نیک کوشش (۷) درست سوچ (۸) ...ت گیا۔

Marfat.com

گوتم نے نہ صرف سینکڑوں دیوی دیوتاؤں پر خط تنسیخ کھینچ دیا بلکہ ذات پات کی غیر فطری تقسیم کو بھی پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راندہ درگاہ قسم کے لوگ جو برہمنی ظلم وستم کے شکار ہو رہے تھے، گوتم کے گرد جمع ہونے لگے۔ ڈوم، چنڈال، نائی، بڑھئی، دھنیے، جولاہے، غریب دہقان اس کے والا وشیدا ہو گئے۔ وہ اسی برس تک ان پسے ہوئے لوگوں کی دل جوئی کرتا رہا اور ان ہی میں رچ بس گیا...... تشی نگر کے مقام پر جب وہ فوت ہوا تو بدھ مت برصغیر میں چاروں طرف پھیل چکا تھا۔

اس دور میں صرف بدھ مت ہی نہیں، ایک محتاط اندازے کے مطابق کم وبیش ساٹھ عدد سماجی اصلاح کے نظریات پیش کیے گئے۔ ان میں بدھ مت کے بعد جین مت قابل ذکر ہے۔ یہ بھی برہمن سماج کے خلاف ایک زبردست تحریک تھی۔ اس کا بانی وردھمان مہاویر، وسالی (صوبہ بہار) کے راجا سدھارت کا لخت جگر تھا۔ یہ شخص بھی گوتم کی طرح بے حد گداز دل کا مالک اور غور وفکر میں کھویا رہنے والا انسان تھا۔ راج پاٹ کو لات مار کر جنگلوں کا وسنیک ہوا اور سوامی پارشوناتھ کے چیلوں میں شریک ہو کر اس نے اپنے پیکر خاک کو تپسیا کی بھٹی میں جھونک دیا۔ یہ سلسلہ ۱۲ برس پر محیط رہا۔ اس طویل مدت کے بعد اسے گیان کی روشنی دکھائی دی اور وہ ارہت اور جن بن گیا۔ (ارہت اور جن بمعنی سب پر غالب اور سب کچھ جاننے والا۔)

اس کے پیرو جینی کہلائے اور یہ مذہب جین مت کے نام سے مشہور ہوا۔ مہاویر جب بہتر برس کی عمر میں صوبہ بہار کے دارالحکومت راج گڑھی کے قریب، پاوا کے مقام پر فوت ہوا تو اس کے چیلوں کی تعداد چودہ ہزار کے قریب تھی۔ مہاویر کی آواز برہمن مت کے خلاف غیر معمولی نوعیت کی تھی۔ گوتم اور مہاویر دونوں نے اہنسا پر مودھرما (جان دار کو ایذا رسانی سے گریز) کی تعلیم دی۔ یہ ویدک جنگ جویانہ رجحان اور بلیدان کے برعکس تعلیم تھی جسے مہاویر نے انتہا تک پہنچا دیا چنانچہ جین مت کے پیرو سانس لینے کے دوران میں بھی اپنی ناک اور منہ کپڑے سے ڈھانپ کر رکھا کرتے تھے مبادا کہ ہوا میں محو پرواز

Marfat.com

جراثیم کی ہتیا ہو جائے۔

اس دورِ خرابی میں ان دو آوازوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس میدان میں اصلاح معاشرہ کی خاطر اترے۔ مثلاً اور کشیاپ تھا جو اس بات کا مدعی تھا کہ انسانی اعمال کا پاپ پن سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب برہمن مہاراج کے ڈھکوسلے ہیں۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار اجی ویکا، سانجیہ، پرسوا، ادکا، اتارا اور دوسرے بھگتوں نے کیا۔ ان سب میں قدر مشترک تھی ویدک تعلیم کی مخالفت، دیوی دیوتاؤں کا انکار، جنگ وجدل اور بلیدان (قربانی) سے نفرت کا اظہار اور اہنسا کا پرچار...... اس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ ان اصلاحی تحریکوں میں کامیاب ترین گوتم کی تحریک تھی۔ یعنی بدھ مت اور دوسرے نمبر پر جین مت تھا۔

مہاراجا اشوک (۲۷۳ ق م سے ۲۳۲ ق م) نے جب بدھ مت اختیار کیا تو یہ گویا راج مت بن گیا۔ خلق خدا حکمرانوں کے راستوں پر چلتی ہے کے مصداق تیسری صدی ق م میں اسے بڑا عروج حاصل ہوا۔ اشوک کی کوششوں سے اس دھرم کا برصغیر سے باہر بھی پرچار کیا گیا جو بڑا کامیاب رہا۔ رفتہ رفتہ برہمن لنگر لنگوٹ کس کر بدھ اور جین مت کے خلاف میدان میں کودنے لگے۔ ان کی خوش قسمتی کہ دوسری صدی عیسوی میں راجا کنشک کے عہد حکومت میں سنسکرت کو سرکاری زبان کا درجہ مل گیا۔ وہ اگرچہ بدھ مت کا سرگرم پیرو تھا مگر سرکاری زبان ہونے کے ناتے جب سنسکرت کی ترویج وترقی ہوئی تو برہمن مت بھی دوبارہ ابھرنے لگا۔ بدھ مت کے عالم بھی سنسکرت اپنانے پر مجبور تھے پھر برہمنوں نے ایک ایسا داؤ آزمایا جس کا حریفوں کے پاس کوئی توڑ نہ تھا۔ انہوں نے بصد احترام گوتم بدھ کی مورتی کو ہندوؤں کی زینت بنا کر اسے بھگوان کا اوتار تسلیم کرلیا۔

اب بدھ بھکشو عجیب وغریب الجھن کا شکار ہوگئے۔ ان کے لئے تو گوتم بدھ ہی سب کچھ تھا المختصر وہ برہمن کے اس داؤ سے چت ہوگئے اور گوتم کے چیلوں میں بت پرستی کا رواج ہوگیا۔ یہ بدھ مت کے زوال کا آغاز تھا۔ اس داؤ کے علاوہ گپت خاندان کے

Marfat.com

راجاؤں نے جب ہندومت قبول کیا تو رہی سہی کسر پوری ہوگئی...... عہد گپت خاندان کو ہندومت کا سنہرا دور کہا جاتا ہے۔ یعنی چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی۔

سمدرگپت کے عہد میں لنکا کے راجا نے گیا کے مقام پر مہاتما بدھ کی مورتی پرستش کے لئے رکھی۔ یہ مورتی سونے چاندی اور جواہرات سے بنائی گئی تھی جو بدھ یاتریوں کے خوابوں کی تعبیر تھی...... کہتے ہیں جب لنکا کے راجا نے سمدرگپت سے اس کی اجازت طلب کی تو درباری برہمنوں نے گھی کے چراغ جلائے۔ اب گویا ان کا حریف چاروں شانے چت ہوگیا تھا۔

ہندو دانش وروں نے ان الفاظ کا اظہار ہزار بار اور برملا کیا ہے کہ ''ہم سے ہمالیہ پہاڑ سے بڑی غلطی سرزد ہوگئی۔ ہمیں چاہئے تھا کہ اپنے مندروں میں امت مسلمہ کے راہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مورتی بھی رکھ دیتے اور پھر دیکھتے کہ مسلمان اس داؤ سے کیسے بچ پاتے۔ ہم مسلمانوں کے دین کو میٹھی چھری سے ذبح کر کے انہیں اپنے دھرم میں شامل کر لیتے۔''

ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ برہمن نے ہم پر یہ داؤ نہیں آزمایا اور نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔ نفرت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے مگر بناوٹی محبت کا وار بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ زہر سے بچا جا سکتا ہے لیکن زہر آلود شے دھوکا دے جاتی ہے۔

جین مت اور بدھ مت دونوں کا تشخص برہمن مت میں گم ہو کر رہ گیا۔ اس میں برہمنوں کی شاطرانہ چال کے ساتھ بدھ مت کے بھکشوؤں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ مت جو سیدھا سادہ انسانی مساوات کا علم بردار تھا، اہل ہوس کا شکار ہوگیا۔ وہ جو سنسار کو سروم دکھم (ہر سمت دکھ ہی دکھ) کا پرچار کیا کرتے تھے۔ سنسار کو سکھ سیج میں بدلنے کی حرکات کے مرتکب ہونے لگے۔ یعنی سکھ اپنی جھولی میں اور دکھ دوسروں کے کھاتے میں ڈالے جانے لگے۔ بدھ بھکشوؤں کے اسٹوپے تک عشرت کدوں میں تبدیل ہوگئے۔ وہ جو انسان کو طاقت، مال و دولت، عیش و عشرت، جنسی لذتوں کی ہوس سے گریز کی تلقین فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے خود ان میں مبتلا ہو گئے۔ گوتم کی تعلیم میں کسی مافوق الفطرت کی پوجا پاٹ کا کہیں تذکرہ نہیں تھا۔ بھگوان، برہما کا وجود تھا نہ آتما پرماتما، بیکنٹھ اور نرگ کا لیکن اب بدھ مت کے چیلے خود گوتم کی پوجا کرنے لگے۔ سیم وزر کے کھلونوں سے کھیلنے لگے۔ اشوک سے کنشک تک جس مت کی دھوم مچی رہی وہ اپنی موت آپ مر گیا۔

اشوک سے پہلے اس مت کے پیرو بھکشو (بھکاریوں) کی صورت میں مخجل خوار ہوا کرتے تھے۔ اشوک نے ان کے لئے آٹھ عالی شان اسٹوپے بنوائے ٹیکسلا کا اسٹوپا۔ ''دھرم راجیکلا'' ان سب میں عظیم الشان درس گاہ کا مقام رکھتا تھا۔ اشوک نے ان اسٹوپوں میں شاکیہ منی کی پیدائش سے نروان تک اور نروان سے سفر آخرت تک کے تبرکات محفوظ کر دیئے، ان کے معارف کے لئے زمینیں وقف کر دیں۔ بھکشوؤں کے کھانے پینے کا تسلی بخش انتظام کیا مگر ہوا یہ کہ دھرم سیوکوں کو لالچ نے آ گھیرا۔ گوتم کی پیدائش، نروان وغیرہ کے متعلق افسانوی انداز میں داستانیں لکھی گئیں۔ عجیب وغریب رسوم معرض وجود میں آنے لگیں۔ بھکشوؤں نے ان تبرکات کی یاترا کے ضابطے مرتب کئے۔ اب وہ جاتریوں کی پرارتھنائیں مہاتما بدھ کے حضور پہنچانے کا واحد وسیلہ تھے۔

رفتہ رفتہ گوتم کے چیلوں کی بھی مورتیاں بننے لگیں۔ چڑھاوے، نذرانے، منتیں ہر کام کے قاعدے وضع کئے گئے، دولت کے انبار تھے کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہے تھے۔ اسٹوپاؤں کے گرد صنم تراشوں، زرگروں، کوزہ گروں، ساہوکاروں کے بازار کھل گئے۔ چھومنتر کرنے والوں کے کاروبار چمکنے لگے۔ بھکشو تو پنڈتوں کو بھی مات کر گئے...... برہموں کی مسرت دیدنی تھی۔ آٹھویں صدی میں ہندومت کی تشکیل نو ہوئی۔ شنکراچاریہ جیسے دانش وروں نے ہندومت کے تن مردہ میں نئی روح پھونک دی۔ فرسودہ رسومات کے اس مجموعے کا از سر نو طوطی بولنے لگا۔

شنکراچاریہ نے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ہر مت کے عالموں کو چت کر دیا۔ کھوٹے سکے ایسے چلے کہ سچائی کی قوت گویائی ہی چھن گئی۔ سچائی اگر مطلق سچائی نہ ہو تو

Marfat.com

اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔ بہر حال خلق خدا ایک بار پھر تہ سنگ آسیا ہوئی۔

یہ شنکرا چاریہ کون تھا اور اس نے کیا گل کھلایا؟ اس کی تفصیل بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ یہ بلا کا ذہین، حاضر جواب، جھوٹ کو سچ اور سیاہ کو سفید کر دکھلانے والا شخص مالا بار کا برہمن تھا جو ۷۸۸ء میں پیدا ہوا۔ بتیس برس کی مختصر سی عمر میں تاریخ ہند کا سب سے عظیم چمتکار دکھا کر صفحۂ ہستی سے غائب ہو گیا۔ اس چرب زبان شخص کے مسلک میں مطلب براری کی خاطر ہر حربہ جائز اور حیلہ وسیلہ روا تھا۔ ہندو دھرم کی بدقسمتی تھی کہ یہ شخص زیادہ عرصہ جی نہ سکا مگر بتیس برس کی عمر ہی میں جو کارنامہ اس نے سرانجام دیا وہ ہندو اتہاس میں ناقابل فراموش ہے۔ ہندو قوم شنکرا چاریہ کو شیو شنکر کا اوتار تسلیم کرتی ہے۔

کیرالا کے قریب چیدم برم ایک غیر معروف مقام پر شنکرا چاریہ پیدا ہوا۔ اس کی ماں سری مہادیوی پرکشش نسوانی پیکر کی مالک تھی۔ پنڈتانی کے مقابلے میں پنڈت جی ''ٹھنڈے مزاج'' کے انسان تھے جو اپنی مردانہ کمزوری سے واقف تھے۔ مہادیوی نے جب اس غیر معمولی بچے کو جنم دیا تو برادری میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، مگر سری دیوی یا مہادیوی نے زبان خلق کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے بچے کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ مبذول کر دی۔ اس کے نتیجے میں برادری والوں نے اس گھرانے سے قطع تعلق کر لیا۔ ہندو مورخ کیرل اپتی تو صاف الفاظ میں شنکرا چاریہ کو نطفہ ناتحقیق لکھتا ہے۔ اس حقیقت سے کسی نے انکار نہیں کیا کہ سری دیوی کو برادری سے خارج کر دیا گیا تھا۔ سمپر دائے کا مصنف بی بی رائے صرف اس قدر کہتا ہے کہ ''بے راہ روی'' کا یہ الزام پنڈتوں نے جھوٹ لگایا ہوگا۔

بہر حال حسب دستور آٹھ برس کی عمر میں اس کے گلے میں جنیو ڈالا گیا اور تعلیم و تربیت (ویدک تعلیم) کا آغاز کیا گیا۔ بچہ تو اپنے پنڈت پتا جی کے بھی کان کترنے لگا۔ باپ نے تو اپنی شفقت سے اپنے سپوت کو محروم ہی رکھا مگر سری دیوی کی جان بچے میں تھی۔ بچے نے بھی اپنی ماتا کو کسی کمزور یا منہ زور لمحے کے ہاتھوں شکست کھا جانے پر

Marfat.com

معاف کر دیا تھا اور پوری توجہ سے ویداز بر کرنا زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ وہ ایسی ایسی موشگافیاں کرتا کہ اس کے اساتذہ انگشت بدنداں رہ جاتے۔ بارہ برس کی عمر میں شنکر اچاریہ کے پتا جی کا دہانت ہو گیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ اس المیے کا اس کی تعلیم پر الٹا اثر پڑا یعنی وہ مزید تن دہی سے تعلیمی مراحل طے کرنے لگا۔ دھرم کے متعلق اس کا ایک اپنا نظریہ تھا۔ وہ مروجہ فرقوں سے ہرگز مطمئن نہیں تھا۔ چھوٹی سی عمر میں وہ ایک بڑا پنڈت بن گیا۔ ویدک تعلیم اختتام پذیر ہوئی تو وہ سنیاس کی جانب متوجہ ہوا مگر سری مہا دیوی نے اس خیال کی سخت مخالفت کی۔ بیوہ کی تاریک زندگی میں مسرت کی ایک ہی تو کرن تھی۔ اس سے محروم ہونا وہ کیسے پسند کر سکتی تھی۔ اس مرحلے پر شنکر اچاریہ نے اپنی زندگی بھر کے رویے کا اعلان کر دیا۔

''ماتا جی! آپ کی آگیا کے بغیر کوئی کام کرنا میں مہا پاپ سمجھتا ہوں۔'' ایک روز نوجوان شنکر نے بڑی سنجیدگی سے کہا ''آپ مجھے آگیا دیں یہ میری اوشنا ہے۔''

''بیٹا جی! اس منو کامنا کا پالن میرے بس میں نہیں۔'' سری دیوی نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔

''ماتا جی! آپ خود مجھے سنیاس کی آگیا دیں گی بلکہ اس پر مجبور ہو جائیں گی۔'' شنکر نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا اس میں میری خوشی بھی شامل ہو گی؟''

''اوش ایسا ہی ہو گا۔''

''یہ شنکر اچاریہ کا عجیب رویہ تھا۔ حصول مقصد کے لئے وہ ہر حربہ جائز تو سمجھتا ہی تھا مگر حربے کا استعمال وہ اتنی فراست سے کرتا کہ سب کو حیران کر دیتا۔ کہتے ہیں جہاں چاہ وہاں راہ۔ یہ موقع اسے بہت جلد ہاتھ آ گیا۔ ایک روز وہ اپنی ماتا کے ہمراہ کسی آشنا گھرانے میں مدعو تھا۔ واپسی میں موسلا دھار بارش کے سبب راستے میں حائل ندی باڑ پر آ گئی۔ ماں بیٹا پانی کا بہاؤ کم ہو جانے کا انتظار کرنے لگے۔

Marfat.com

شنکر بغور پانی کا جائزہ لینے لگا اور اپنے ذہن میں منصوبہ بندی کرنے لگا۔

''ماتا جی! آیئے اب ہم باآسانی اس پار جاسکتے ہیں۔'' اس نے بصد احترام کہا۔

''پانی کے بہاؤ سے مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔'' سری دیوی نے ندی کا جائزہ لیتے ہوئے تشویش ظاہر کی۔

''اس داس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی خطرے سے خائف نہیں ہونا چاہئے۔'' شنکر نے دست بستہ عرض کی ''آپ کے چرنوں میں تو سورگ ہے، میں ان چرنوں کو خطرے میں کیسے ڈال سکتا ہوں؟''

سری دیوی احترام ومحبت کے جھانسے میں آ گئی۔ جو کھچڑی شنکر کے ذہن میں پک رہی تھی اس کا تو دیوی جی کو سان گمان تک نہ تھا۔ دونوں پانی میں اترے اور دوسرے کنارے کی جانب قدم قدم چلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد پانی ان کے گلے گلے تک آ گیا۔

''شنکر بیٹا، اب کیا ہوگا؟ میں تو ڈوبنے لگی ہوں کوئی اپائے کرو۔''

''ماتا جی، گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں ابھی ایشور سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں سلامتی سے پار لگا دے۔'' شنکر زیر لب بڑبڑانے لگا مگر پانی کے بہاؤ میں کمی واقع ہوتی تھی نہ ہوئی۔

''بیٹا جلدی کرو میں ڈوبنے لگی ہوں۔'' سری دیوی نے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے کہا۔

''وہ یوں ہے ماتا جی کہ میں پورے دھیان سے پرارتھنا نہیں کر پا رہا۔'' شنکر نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا ''میرے ذہن پر سنیاس لینے کا بھوت سوار ہے، آپ کی اچھیا کا پالن بھی میرا دھرم ہے۔ آگیا مل جاتی تو پرارتھنا میرے من کی آواز ہوتی اور ایشور مجھے نراش نہ کرتے۔''

سری دیوی! اپنے لاڈلے کا مفہوم پا گئی۔ اس نے فوراً جواب دیا ''بیٹا جی! میں دل وجان سے تمہیں سنیاس لینے کی آگیا دیتی ہوں۔ مجھے تمہاری خوشی چاہئے۔ جب چاہو

Marfat.com

سنیاسی بن جاؤ۔''

شنکر نے لپک کر ماں کو اپنے کندھوں پر بٹھایا اور با آسانی دوسرے کنارے جا پہنچا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی، دوسرے کنارے پہنچ کر اس نے باقاعدہ ماتھا ٹیک کر اپنی پوجا سمان ماتا کو ڈنڈوت کیا اور اسے تنہا چھوڑ کر اپنی راہ لی......

سنیاس لینے کے متعلق ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ ماتا کی موت تک گھر میں رہا اور اس کے آں جہانی ہو جانے کے بعد جنگلوں کی طرف چل نکلا۔ سری دیوی کے کریا کرم کے متعلق یہ بات البتہ وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شنکراچاریہ کے عزیز واقربا نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ چتا پھونکنے کے لئے آگ تک مہیا نہ کی۔ معاونت تو دور کی بات ہے۔ برادری کا یہ رویہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سری دیوی واقعی زندگی کے کسی دور میں بے راہ روی کے رستے پر چلی ضرور تھی مگر اس کے لئے شنکر کو موردالزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اپنی پیدائش میں کسی فرد بشر کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

شنکراچاریہ کے علمی کارناموں کے تذکرے سے پیشتر اس کی زندگی کا ایک عجیب وغریب واقعہ خالی از دلچسپی ہوگا جو اس کی سوچ کا مکمل ترجمان ہے۔ وہ عموماً برہنہ پا گھوما کرتا تھا۔ ایک بار وہ مضبوط لمبی شاخوں والی گھاس کی جڑوں میں شکر بکھیر رہا تھا۔ اس کے ایک چیلے نے حیران ہو کر گرو کے اس عمل کی تشریح چاہی۔ کیوں کہ مہاراج دان پن کے ایسے کاموں میں وقت برباد نہیں کیا کرتے تھے۔

''گروجی! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''میرا کوئی کام وچار سے خالی نہیں ہوتا، یہ تمہاری شکشا ہے۔'' شنکر نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ مت سمجھو کہ مجھے کیڑے مکوڑوں سے پریم ہوگیا ہے یا میں چیونٹیوں پر دیا کی وجہ سے زمین پر شکر ڈال رہا ہوں کہ وہ انند سے بھوجن کرلیں۔ یہ تو یہ بھی سچ ہے کہ یہ میٹھا میں چیونٹیوں ہی کے لئے بکھیر رہا ہوں۔''

چیلا ہونقوں کی طرح گروجی کی جانب دیکھنے لگا وہ واقعی گرودیو کی گفتگو اور ان کی

Marfat.com

اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔

''مورکھ! دھیان سے سن اور میرا یہ اپدیش پلے باندھ لے'' شنکر نے وضاحت کی ''ننگے پاؤں گھومنا مرد کے لئے اچھا ہوتا ہے اسی لئے میں ننگے پاؤں رہتا ہوں۔ مگر پرنتو جلمی گھاس پاؤں میں الجھ الجھ کر میرا پینڈا کھوٹا کر دیتی ہے۔ اس واسطے یہ میری دشمن ہے۔ مجھے چیونٹیوں سے بھی کوئی ہمدردی نہیں مگر گھاس کی جڑوں میں مٹھاس کے کارن چیونٹیاں جڑوں پر ہلہ بولیں گی اور ان کو کھوکھلا کر دیں گی اس طرح وہ گھاس کی بیری بن جائیں گی۔ یاد رکھو بیری کا بیری اپنا دوست ہوتا ہے کیونکہ یہ تمہاری لڑائی لڑ رہا ہوتا ہے..... اس طرح میں چیونٹیوں کو گھاس کا بیری بنا رہا ہوں۔'' ''چیلا'' گرہ کی ذہانت بھری باتوں پر عش عش کرنے لگا۔ یہ تھا شنکراچاریہ کا طرز استدلال...... ویدک تعلیم کے مطابق اس دور میں ہندو جاتی کے چار مشہور سمپر دائے تھے مگر شنکراچاریہ نے انہیں بہتر شاخوں میں تقسیم کر دیا۔ سنیاس گرہن کرنے کے بعد وہ ہند کے طول وعرض میں گھومنے لگا اور ویدک تعلیم میں مناسب ردوبدل کر کے اس نے ویدانت مت کی تشکیل کی اور پھر اس کی ترویج وترقی میں دن رات ایک کر دیئے۔ موجودہ ہندومت کی تشکیل اسی نے کی۔ ویدانت شاستر کو پھیلانے کے لئے اس نے چار مٹھ قائم کئے۔ لوگ اس کے جادو اثر بیان کے ایسے اسیر ہوئے کہ اسے اوتار ماننے اور گردانے لگے۔ شمالی ہند سے ہوتا ہوا وہ کشمیر جا پہنچا..... جین مت، بدھ مت کے علاوہ ہر مخالف کو مناظروں میں شکست سے ہمکنار کرتا ہوا سرسوتی کے آسن پر براجمان ہو گیا۔

شنکراچاریہ جب کسی حریف دانش ور کو دعوت مناظرہ دیتا تو عجیب وغریب شرط عائد کر دیتا۔ اس کے رخت سفر میں ایک بہت بڑی کڑاہی ہوا کرتی تھی جو دہشت کی علامت بن گئی۔ مناظرے کے آغاز سے پیشتر اس کے چیلے آہنی کڑاہی کو چولہے پر چڑھا دیتے اور اسے گھی سے لبالب بھر دیتے، چولہے میں آگ دہکا دی جاتی۔ کھولتے ہوئے گھی کی جانب اشارہ کر کے شنکر مہاراج سنجیدگی سے اعلان فرماتے ''ہارنے والے کو

اس کھولتے ہوئے گھی میں دھکیل دیا جائے گا۔''

حریف دانش ور حیران رہ جاتا۔ راہ فرار اختیار کرتا تو اپنے ساتھ اس کے دین دھرم کی بھی سبکی ہوتی۔ مجبوراً اسے سر دھڑ کی بازی لگانا پڑتی۔ اس طریقہ واردات سے شنکر اچاریہ نے مخالف دھرم کے لاتعداد مخالفین کو ٹھکانے لگایا۔ اس عملی مظاہرے سے ہر دھرم کے علماء اس سے کنی کترانے لگے۔ اس طرح ہندومت کی ''صداقت'' کا سکہ بیٹھ گیا۔ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے ایک چرب زبان وکیل بے گناہ کو تختہ دار تک لے جاتا ہے۔ اس طرح برصغیر میں ہندومت کا طوطی بولنے لگا۔

ہندو تصوف کو شنکر اچاریہ نے مرتب کر کے اسے ویدانت کا نام دیا گویا وہ ویدانت فلسفے کا بانی تھا۔ اس فلسفے کا اہم ترین باب وہ ہے جس میں شنکر ایشور کی ذات کے متعلق بحث کرتا ہے۔ بعد میں اس کے تشکیل دیئے ہوئے فرقے پر بھی ''شو پرستی'' کا رنگ غالب آ گیا۔ برصغیر میں دھوم مچانے کے بعد کشمیر کے کیدار ناتھ مقام پر اسے موت نے آ لیا۔ اس وقت وہ عمر عزیز کے ۳۲ ویں برس میں تھا۔ بدھ مت کے علماء کا خیال ہے کہ ایک شاکیہ منی کے سچے بھکشو سے اس کا مقابلہ ہوا تھا اور وہ شکست سے دوچار ہو کر اپنی تیار کردہ کڑاہی میں جل مرا۔

شنکر اچاریہ کی تصانیف زیادہ تر بھاشیہ (تفاسیر) پر مشتمل ہیں۔ یہی وہ میدان ہے جس میں ایک زیرک انسان متن کو اپنی حسب منشا ڈھال سکتا ہے۔ ان تفاسیر میں ''شاریرک ممانسہ'' بڑی مشہور ہوئی اس کے علاوہ بھگوت گیتا بھاشیہ، گیارہ اپنیشد، اس کی ایک مختصر سی کتاب ''موہ مدگر'' اہل ہنود میں بڑی مقبول ہوئی جو درویشی کے موضوع پر ہے۔ اسی طرح درگا ماتا کی ستائش میں ''سوندریالہری'' کو اہل ہنود نے الہامی کتب کا درجہ دیا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ویدانت مت کے مطابق بت پرستی جائز نہیں مگر شنکر اچاریہ یہاں بھی ڈنڈی مار گیا اور خود اپنے مت کی مت ماردی۔ یعنی خود اس کے چیلوں نے اپنے گرو کے حکم سے مختلف مقامات پر شو اور وشنو کے بت بنوائے اور ان کی پوجا کا

اہتمام کیا۔ ہندوؤں نے اپنے اس مہا پنڈت کو پہلے تو اوتار کا درجہ عطا کیا پھر اس کی کج روی کو بڑا خوبصورت رنگ دیا۔ یہ قصہ امرو شتک (Amru Shatak) نامی کتاب میں بالتفصیل درج ہے۔ متن ملاحظہ ہو۔

شنکر مہاراج کو کنسی باتوں کا تجربہ نہیں تھا۔ راجا امرو کی حسین وجمیل رانی مدن سر نے شنکر موصوف کو اس موضوع پر بحث کی دعوت دی اور صاف شکست دے دی۔ شنکر کو اپنی شکست بڑی گراں گزری اور اپنی ناتجربہ کاری پر سخت شرمندہ ہوا۔ ''رانی جی! اس بحث کو آخری مت سمجھو۔ کچھ عرصہ بعد ہماری بحث کے دوسرے دور کا آغاز ہوگا'' شنکر نے سنجیدگی سے اعلان کیا۔

''میں ہر گھڑی ہر جگہ، اس موضوع پر آپ سے بحث کرنے کو تیار ہوں۔'' رانی نے چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا۔ کچھ عرصہ بعد راجا امرو کا انتقال ہو گیا۔ شنکر مہاراج نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے پیکر خاکی کو چھوڑ کر راجا کے تن مردہ میں حلول کر گیا۔ راجا کے جی اٹھنے پر رانی نے گھی کے چراغ جلائے اور دلی رغبت سے اپنے خاوند کی ''پذیرائی'' کرنے لگی۔ اس طرح سری شنکر نے جنسی موضوع پر عملی تعلیم حاصل کی۔ جب وہ اپنے تجربے میں کامل ہو گیا تو اس نے راجا کا جسم چھوڑ دیا اور اپنے پیکر میں از سر نو واپس آ گیا۔

''رانی جب راجا کے کریا کرم سے فارغ ہو گئی تو شنکر مہاراج نے اسے بحث کی دعوت دی اور اپنے علمی دلائل سے اسے چت کر دیا۔''

اس کہانی میں جگہ جگہ پر ناقابل فہم قسم کے جھول ضرور ہوں گے مگر یہ کہانی شنکر مہاراج کے متعلق اہل ہنود کے جذبات اور اندھی عقیدت کی ترجمان ضرور ہے۔ ویدانت فلسفے کے مطالعہ سے ایک بات البتہ کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ شنکراچاریہ نے اس بھگتی تحریک کا سنگ بنیاد رکھنے کی موہوم سی کوشش ضرور کی تھی جس کا آغاز تیرھویں صدی عیسوی میں سوامی رامانند نے کیا لیکن اس کی شخصیت کا تعصب بھرا پہلو اس کے

فلسفیانہ خیالات سے لگاؤ نہیں کھاتا۔ جہاں تک ہندومت کی ترویج کا تعلق ہے اس کے مقابلے میں وہ کسی مت کو برداشت نہیں کرتا تھا۔

کیا اسے ایک تاریخی اتفاق سمجھ لیا جائے کہ ہندومت کی احیا ۹ویں صدی عیسوی کے آغاز سے بہت پہلے آٹھویں صدی عیسوی میں ہندوستان اسلامی تعلیم سے روشناس ہو چکا تھا۔ تعارف کا یہ سلسلہ محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے سے بہت پہلے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے باقاعدہ شروع ہوا تھا۔ ویسے تو ظہور اسلام سے صدیوں پہلے عرب تاجروں کے بحری جہاز تجارتی اغراض سے چین جاتے ہوئے سندھ کی بندرگاہوں میں قیام کیا کرتے تھے۔ تجارتی ضرورتوں کے تحت وہ مقامی زبان سے بھی آشنا ہو چکے تھے مگر یہ دور ہمارا موضوع نہیں، صرف یہ نشان دہی کافی ہے کہ عربی لوگ ظہور اسلام سے پیشتر چول، کلیان اور سوپارا میں آباد تھے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حق و باطل کا تصفیہ ہوا۔ ایران و عراق کی سلطنتیں سرنگوں ہوئیں۔ خلافت کی سرحدیں ساحل مکران تک جا پہنچیں اس طرح عرب اور ہند کے معاملات میں سیاسی عنصر شامل رہا۔ عمان اور بحرین کا گورنر عثمان بن ابی العاص ثقفی ضرورت سے زیادہ جوشیلا ثابت ہوا۔ مرکز خلافت کی اجازت کے بغیر اس نے اپنے ہی جیسے جوشیلے فرد مغیرہ بن ابی العاص کی سرکردگی ایک بحری مہم دیبل کی جانب روانہ کی۔ سندھ پر راجا چچ کی حکمرانی تھی جس کا عہد حکومت ۶۲۲ء سے ۶۶۶ء تک ہے۔ ۱۵ ہجری (۶۳۷ء) میں مغیرہ کے مٹھی بھر جوان دیبل سے ٹکرائے اور مہم بری طرح ناکام ہوئی۔ اس مہم میں مغیرہ کو جان عزیز سے ہاتھ دھونا پڑے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے ابوموسیٰ اشعری گورنر عراق اور عثمان بن ابی العاص کو بھرپور سرزنش کی اور آئندہ ایسی حرکات سے باز رہنے کا حکم دیا۔ جلال فاروقی نے باڑھ پہ آئی ہوئی ندی کو کناروں میں مقید کر دیا۔ مرکز کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ چھوٹے بڑے کو دم مارنے کی جرات نہ تھی۔

Marfat.com

دورِ عثمانی میں خشکی کے راستے مہم جوئی کا جائزہ لیا گیا۔ مکران کے حاکم عبداللہ بن عامر بے دار مغز حکمران تھا۔ اس نے حالات کا جائزہ لے کر دربارِ خلافت میں رپورٹ پیش کی۔ "سندھ کا پانی میلا اور گدلا ہے۔ پھل کسیلے اور ترش۔ تھوڑی تعداد پر مشتمل لشکر بھیجا تو تباہی کا خدشہ ہے، بڑے لشکر کے لئے سامان رسد دشوار ہوگا۔"

یہ ایک حقیقت پسندانہ رپورٹ تھی۔ حضرت عثمان غنی نے عبداللہ کو لشکر کشی کی اجازت نہ دی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سنان بن سلمہ نے جدوجہد کا آغاز کیا اور پیش قدمی کرتا ہوا مدحیہ (مغربی جیکب آباد) تک آ گیا مگر ایک سازش کا شکار ہو گیا۔ اس کے قتل کے بعد اموی فوج کو واپس جانا پڑا۔

۶۹۴ء میں حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر مقرر ہوا تو حالات نے نئی کروٹ بدلی۔ وہ حجاج جس کے متعلق علمائے امت کا فیصلہ ہے کہ وہ شقی القلب اور جابر حکمران تھا اگر کسی امت کے سارے بدبختوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے میں صرف حجاج کو تو حجاج والا پلڑا جھک جائے گا۔ اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں مگر اسی حجاج نے دو ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ ساری امت مہر بہ لب ہوگئی...... یعنی قرآن حکیم پر اعتراف لگوا کر تا قیامت آنے والے عجمی مسلمانوں پر احسان عظیم کر ڈالا اور سندھ کو سرنگوں کر کے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈبو دیا۔ چند مظلوم مسلمان قیدیوں کی صدائے "المدد یا حجاج" کے جواب میں یہ سخت گیر حکمران دہاڑتے ہوئے شیر کی طرح لبیک کہتا ہوا اٹھا اور سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کی زیر سرکردگی اس نے راجا چچ کے بیٹے راجا داہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ حجاج واقعی مجموعہ اضداد قسم کی شخصیت تھا۔ اس کی یہ مہم اگر سلیمان بن عبدالملک کی ذاتی رنجش و کدورت کی نذر نہ ہوتی تو برصغیر کی تاریخ یقیناً کچھ اور ہوتی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حجاج کے وضع کردہ قوانین اور رائج کردہ اصول سندھی حکمرانوں کے لئے مشعل راہ رہے۔ جس حکمران نے بھی ان سے انحراف کیا وہ کہیں کا نہ رہا۔

Marfat.com

یہ روشنی لاہور تک نہ پہنچ سکی اس سرزمین پر اجالا پہنچنے کی تفصیل سے پہلے خطہ لاہور کا تعارف بے حد ضروری ہے۔ برصغیر کی مجموعی کیفیت کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ لاہور ایک شہر ہی نہیں زمانہ قدیم سے سپت سندھو سات دریاؤں کی زمین کا دل رہا ہے بلکہ شمالی ہند کے سیاسی خدوخال پر جس قدر لاہور اثر انداز ہوتا رہا کوئی اور شہر اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسے شمالی ہند کا دروازہ کہا گیا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ مسلمان جب سرزمین پنجاب سے روشناس ہوئے تو ان کے لئے یہ سارا خطہ لاہور کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا گویا یہ ایک شہر ہوتے ہوئے بھی صوبے کے مقام و مرتبے پر فائز تھا۔ پورے برصغیر میں صرف دہلی کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ سیاسی تناظر میں اس کا مقابلہ کر سکے۔ لاتعداد شہنشاہوں کے دور میں یہ دوسرا پایہ تخت رہا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غزنوی خاندان سے لے کر آخری مغل شہنشاہ تک لاہور کا حکمران شہزادہ ہی تخت دہلی پر رونق افروز ہوتا اور لاہور کا صوبے دار دوبارہ دہلی میں دیگر امراء میں بلند مرتبت قرار دیا جاتا۔

اہل ہنود کے بقول رام چندر جی کے سپوت لو نے اس شہر کی بنیاد رکھی اور اسے لوپور کا نام دیا۔ رام چندر کے دوسرے بیٹے کش نے کشور کے نام سے دوسرا شہر آباد کیا جو مرور زمانہ کے ساتھ قصور ہوا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق پانڈوؤں کی نسل میں سے راجہ بچھت نے اس شہر بے مثال کی داغ بیل ڈالی جسے لوہار چندر راجا نے از سر نو تعمیر کیا۔ ہندوؤں کی معتبر کتاب ویش وبھاگ میں لاہور کا نام بہر حال لوپر ہی ہے۔ ایک تیسری روایت میں لاہور کو دو الفاظ کا مرکب کہا گیا ہے یعنی لو...... آورنا (آورنا سنسکرت میں قلعہ کو کہتے ہیں) لو آورنا سے وقت نے اسے لو آور بنایا اور کثرت استعمال سے لہاور ہوا جو بگڑ یا سنور کر لاہور بنا۔ روایات کی اس کھینچا تانی کو فہم وفراست کی نگاہ سے دیکھا جائے تو لوپور بہ آسانی لاہور بن جاتا ہے جیسے پرش پور پشاور بنا۔

اسلامی عہد کے قلمکاروں نے لاہور کو مختلف ناموں سے پکارا مثلاً لہور، لوہاور،

Marfat.com

لوہور، لہالور، لاؤہور، لانہور وغیرہم روایات کے دھندلکے سے نکل کر تاریخ کے اجالے میں نگاہ دوڑائیں تو دوسری صدی عیسوی میں تاریخ میواڑ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اس تاریخ میں لاہور کا ذکر صاف الفاظ میں آیا جب راجا کنک سین لاہور سے ہجرت کر کے میواڑ میں جا آباد ہوا۔ راجا کنک کو لاہور سے اتنا لگاؤ تھا کہ ریاست میواڑ میں بھی ایک لاہور معرض وجود میں آیا۔ یہ جذباتی لگاؤ کی باتیں ہیں۔ شہر اورلین (فرانی) کے باشندے جب ملک بدر کیے جانے کے بعد امریکہ میں جا بسے تو انہوں نے نیو اورلین شہر بسایا۔ راجا کنک کی ہجرت ۱۴۴ء کا واقعہ ہے۔ بہر حال روایات اور تاریخی شواہد سے یہ بات پایہ تکمیل تک ضرور پہنچی ہے کہ لاہور ایک قدیم ترین شہر ہے جو نشیب و فراز سے گزرا۔ کئی غارت گر ہاتھوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بھی بجائی اس کی قسمت میں غبار شام کی تاریکی بارہا آئی اور بارہا روشن اجلی صبحیں طلوع ہوئیں۔ تخت دہلی کی جانب پیش قدمی کرنے والے صبا رفتار گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندا گیا۔ خزاؤں کے زیر تسلط رہا اور بارہا اس کی روٹھی ہوئی بہاریں واپس آئیں۔ ۹۸۲ء تک یعنی محمود غزنوی کی فتح سے ۳۹ برس پیشتر تک مورخین اسے خالص بت پرستوں کا شہر قرار دیتے ہیں۔ روشنی کی کوئی ایک آدھ کرن کسی گوشے کونے میں ہو تو اسے قلمکار قابل توجہ نہیں گردانتے۔

جج بن بھندرا جسے ایک روایت میں لاہور کا بانی بھی کہا گیا ہے اس خطے کا حکمران تھا۔ اس کا مسلک آفتاب پرستی تھا۔ اس کا راجکمار بھرت بھی آبائی مسلک کا پر جوش حامی تھا۔ بھرت نے ایک نفیس عبادت گاہ میں سورج مورتی رکھوائی جس کے متعلق افسانوی باتیں مشہور ہوئیں۔ اس سورج پرست نے لاہور پر ۷۵ برس حکومت کی۔ جب اس کی عمر ۹۹ برس کی ہوئی تو اس کا راجکمار تھرزرت اپنے پتاجی کی طویل عمر سے اکتاہٹ کا شکار ہو گیا۔ پرانے خشک پتے گرنے کے بعد ہی نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں مگر یہاں خزاں رسیدہ پتا تھا کہ گرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ تھرزرت عیش و عشرت کا دلدادہ تو تھا مگر عمر رسیدہ باپ کی موجودگی میں من مانی نہیں کر سکتا تھا۔ ہوس بے لگام ہوئی تو تھرزرت نے شفیق

Marfat.com

باپ کی ہر مہربانی کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے پابند سلاسل کر کے لاہور کے قلعے میں مقید کر دیا۔ ضعیف باپ کی کمر ہمت تو عرصہ ہوا ٹوٹ چکی تھی وہ تو جوان بیٹے کو دیکھ دیکھ کر سانسوں کا تسلسل سنبھالے ہوئے تھا۔ باپ نے بیٹے کو صرف اس قدر کہا ''میرے ہونہار سپوت مجھے اتنی ہی تکلیف پہنچاؤ جتنی خود میں برداشت کرنے کی ہمت ہو۔''

''پتا جی! میں تو بہت کچھ برداشت کر سکتا ہوں۔'' تھورت نے زہریلی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''یہ تو وقت ہی بتائے گا۔'' باپ نے سر جھکا کر کہا۔

تھورت نے تخت لاہور پر بیٹھتے ہی گنبد سر کا استعمال ختم کر دیا اور اپنی سلطنت میں وسعت کے خواب دیکھنے لگا۔ دریائے چناب کے اس پار کا علاقہ تاکیشر، راجا جے پال کی عمل داری میں تھا۔ آبیل مجھے مار کے مصداق تھورت نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا اور جہلم تک کا علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کرنے کی خاطر طبل جنگ بجا دیا۔ دریائے چناب کو عبور کر کے جب تاکیشر کی سرزمین پر اس نے قدم رکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ کیل کانٹے سے لیس ایک لشکر جرار اس کے سواگت کو سامنے کھڑا تھا۔ تھورت کی فوج کے حرکت میں آتے ہی راجا جے پال کو خبر ہو گئی تھی اور اس نے اپنے بیٹے انند پال کی زیر کمان یہ ٹڈی دل فوج حریف کی مزاج پرسی کو بھیجی تھی۔ فرار کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ انند پال کے لشکر میں برہمنوں کا ایک خصوصی گروہ تھا جو بھیانک انداز میں نقارے بجایا کرتا تھا۔ یہ راجا جے پال کا امتیازی نشان تھا۔ طلوع آفتاب کی پہلی کرنے کے ساتھ جب نقارے پر چوٹ پڑی تو لاہوری لشکر کے ہوش اڑ گئے۔ سب کی زبانوں پر ایک ہی فقرہ تھا۔ ''جے پال آ گیا۔ جے پال آ گیا'' ادھر انند پال نے یلغار کا حکم دیا اس کی ٹڈی دل فوج لاہوری لشکر کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگی۔ تھورت کا لشکر تو بے یقینی کی دیوار کا نقشہ پیش کر رہا تھا جو آزمائش کے وقت ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہے۔ دوپہر سے پہلے پہلے جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ تھورت کی فوج سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اٹھی۔ انند پال نے حریف کو

Marfat.com

گرفتار کیا اور دریائے چناب عبور کرکے حریف کے گھر تک آ پہنچا۔

''مہاراج! آپ نے ہم سے ٹکر لینے کی یہ کیا حماقت کی؟'' انند پال نے لاہور پہنچ کر طنز بھری مسکراہٹ سے پوچھا۔

''جب برے دن آتے ہیں تو عقل جاتی رہتی ہے۔'' تھزرت نے شدت خجالت سے نگاہیں نیچی کرتے ہوئے جواب دیا۔ لاہور کے بارسوخ پنڈت جو پستھان کہلاتے تھے، آپس کی اس چپقلش کو بنظر حقارت دیکھ رہے تھے کہ غزنی سے اٹھنے والا طوفان سب کی نگاہوں میں تھا۔ وہ وقت نفاق کا نہیں اتفاق کا تھا لہٰذا دین دھرم کے نام پر سب نے بیک زبان انند پال سے درخواست کی کہ ''مہاراج! اس مورکھ کی خطا معاف کردی جائے۔''

ادھر تھزرت نے بھی ملتجی لہجے میں تاعمر وفا کا یقین دلایا۔ انند پال نے سیاسی مصلحت کے پیش نظر بھاری تاوان کے عوض تھزرت کی جان بخش دی۔ اسے خلعت بھی عطا کی اور از سر نو اسے لاہور کا راجا بنا دیا۔ تھزرت نے تاوان جنگ کی حامی تو بھرلی مگر سب کچھ ادا کرکے تہی دست ہو جانے کے بعد بھی وہ مطلوبہ رقم پوری نہ کرسکا۔ اس طرح اہل لاہور کو جرمانے کی رقم ادا کرنا پڑی۔ یہاں سے ایک نئی کہانی کا آغاز ہوا۔ تھزرت نے عذاب کا جو بیج بویا تھا وہ توقع سے بہت پہلے پھوٹ نکلا۔ راجا بھرت، زندان میں زندگی کے دن پورے کرچکا تھا۔ تھزرت کا لاڈلا بیٹا چندرت باپ سے بھی دو ہاتھ آگے نکلا۔ اسے اپنے دادا کا پابند سلاسل ہونا یاد تھا۔ اس نے بھرے دربار میں اپنے پتا کو سرزنش کی ''آپ نے کس برتے پر راجا جے پال سے ٹکر لی تھی؟'' طوق رسوائی زیب گلو کرنے سے بہت بہتر تھا کہ آپ سر کٹوا دیتے۔''

ادھر عوام الناس زرجرمانہ ادا کرنے کے غم میں بھرے بیٹھے تھے۔ سب نے چندرت کی ہاں میں ہاں ملائی۔ باپ نے گرج کر راج کمار کو خاموش ہو جانے کی تلقین کی مگر بیٹا بھی پورا انتظام کیے بیٹھا تھا۔ ''آپ حکمرانی کے اہل نہیں'' چندرت نے اپنے

Marfat.com

حواریوں کو اشارہ کیا۔ راج سنگھاسن کے پائے ہل گئے۔ چندرت نے اپنے باپ کو اسی انداز میں اور اسی قلعے میں قید کر دیا جہاں اس کے دادا نے زندگی کے دن پورے کئے تھے۔ فلک کج رفتار اس مکافات عمل کو حیران نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب چندرت لاہور کی قسمت کا مالک و مختار تھا۔

راجا جے پال کو خبر ہوئی تو وہ آتش زیر پا ہو گیا۔ ''تھرزت ہمارا وفادار تھا'' اس نے گرج کر کہا ''ہم اسے قید میں ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔''

''آپ کا ہر حکم بجالانا میرا دھرم ہے۔'' انند پال نے سعادت مندی سے کہا۔

''لشکر تیار کرو اور لاہور کی اینٹ سے اینٹ بجادو'' جے پال نے حکم دیا۔ ''چندرت کو گرفتار کرتے ہی موت کے گھاٹ اتار دو اور شہر لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں اپنا اہلکار مقرر کرو۔'' راجا جے پال نے اپنے بیٹے اور سیناپتی کو حکم دیا۔

انند پال ایک بار پھر لشکر جرار لے کر عازم لاہور ہوا۔ اس نے ساموتلہ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ادھر چندرت بھی لاؤ لشکر کے ہمراہ لاہور سے نکلا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو چندرت نے انند پال سے سوال کیا ''مہاراج! یہ شتر بے مہار کی طرح منہ اٹھائے ہمارے علاقے میں گھس آنے کا مطلب؟''

''ایک ناخلف کپوت کو اس کے اعمال کی سزا دینا'' انند پال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میرا باپ احمق تھا جو بغیر کسی جواز کے غیروں کے علاقے پر حملہ کر بیٹھا۔'' چندرت نے وضاحت کی ''وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ اس وقت فوج کے پاس جنگ کا کوئی مقصد نہ تھا۔ سربراہ کی ہوس ملک گیری کوئی مقصد نہیں ہوتا لہٰذا فوج بے دلی سے لڑی اور پٹ گئی مگر آپ مجھے احمقوں کے بھی سردار دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کے پاس اس حملے کا کوئی جواز نہیں لہٰذا اپنی موت کو آواز نہ دیں۔''

''جواز ہے اور بہت بڑا۔'' انند پال نے حریف کی ہرزہ سرائی کو نظر انداز کرتے

Marfat.com

ہوئے کہا۔ ''مجھے اپنے پتا جی کی اچھیا کا پالن کرنا ہے اور ان کا حکم ہے کہ تمہیں سزا دی جائے۔ میں تمہاری طرح اولاد نا خلف نہیں۔ تم نے اپنے باپ کی تذلیل کر کے اپنی راہ میں کانٹے بو لئے جس طرح تمہارے باپ نے اپنی راہ میں کانٹے بوئے تھے اور ذلیل و رسوا ہوا۔''

چندرت چرب زبان ہونے کے ساتھ ساتھ مکار بھی تھا اس نے حریف سیناپتی کو دغا و فریب سے گرفتار کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا مگر انند پال بھی رزم و بزم دیدہ سپہ سالار تھا۔ چندرت نے حسب منصوبہ ایک خاص اشارہ کیا۔ اس کی فوج سے چار مستعد جوان انند پال پر جھپٹے مگر انند پال نے اس کا توڑ بھی سوچ رکھا تھا۔ ادھر چندرت کی فوج سے چار جوان میدان میں کودے ادھر سے آٹھ سپاہی برق اجل بن کر ان کے سر پر گرے۔ انند پال کے سیوکوں نے چندرت کے حواریوں کا کام تمام کر دیا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ چندرت نے اپنے ہی قتل ہونے والے سپاہیوں کو لتاڑنا شروع کیا گویا اس بزدلانہ حرکت میں اس کی منشا شامل نہیں تھی۔

''ہم آپ کو سوچنے کا ایک موقع دیتے ہیں۔'' انند پال نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا ''خلق خدا کا خون بہانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ لاہور ہمارے حوالے کر دیں۔''

چندرت کو طاقت کا توازن حریف کے حق میں دکھائی دے رہا تھا لہٰذا اس نے جنگ کے بجائے فراست و سیاست سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور کچھ مہلت طلب کی جو انند پال نے بخوشی عطا کر دی۔ دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئے۔ چندرت نے روایتی مکاری سے کام لیتے ہوئے انند پال کے قتل کا منصوبہ بنایا جس کی بھنک انند پال کے کانوں میں پڑی تو اس نے بھی حریف کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ''اب حریف کو میدان جنگ میں نہیں بساط سیاست پر مات ہوگی'' اس نے اپنے لشکر میں سے پانچ سو وفاداروں کو ہدایت کی کہ وہ چندرت کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھیں اور موقع ملتے ہی اسے گرفتار کر کے لے آئیں۔ کامیابی کی صورت میں سب کو مالا مال کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

انعام کے لالچ نے "وفا" کو مزید تقویت بخشی۔ ادھر شومئی تقدیر سے ایک روز چندرت کو شکار کھیلنے کا شوق چرایا اور وہ تکمیل شوق میں شکار کھیلتے کھیلتے اپنے پڑاؤ سے دور نکل گیا۔ یہ سراسر حماقت تھی۔ انند پال کے وفادار تو پہلے ہی گھات لگائے بیٹھے تھے انہوں نے موقع پا کر اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ چندرت کے مٹھی بھر ساتھیوں نے مقابلہ کیا مگر بے دلی سے......

انند پال نے حریف کو پابہ زنجیر کر کے اپنے باپ کی خدمت میں بھیج دیا اور لاہور پر قبضہ کر لیا۔ چندرت کا عہد حکومت ۹ برس پر محیط ہے۔ حکومت ہاتھ سے نکلی تو چندرت کے دونوں بیٹے راہ فرار اختیار کر کے والئی جالندھر کے ہاں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ اس سال کا واقعہ جب عباسی خلیفہ القادر باللہ نے محمود غزنوی کو خلعت فاخرہ سے نوازا تھا اور عراق، خوارزم، نیمروز، خراسان کے علاوہ ہند کے مفتوحہ علاقوں پر اس کی حکومت تسلیم کر لی تھی یعنی ۳۸۹ھ بمطابق ۹۹۸ء۔ یہ علاقے القادر باللہ نے فتح نہیں کیے تھے بلکہ محمود غزنوی کے زور بازو کا نتیجہ تھے۔ خلیفہ نے صرف مہر خلافت ثبت کی تھی۔ اس زمانے میں سلطنت لاہور دریائے بیاس سے دریائے چناب تک پھیلی ہوئی تھی۔ چناب کے اس پار راجا جے پال کی وسیع و عریض حکومت تھی۔ اب جے پال کی حکومت کی مشرقی حد دریائے بیاس قرار پائی اور لاہور نے جے پال خاندان کے سارے خسارے پورے کر دیئے۔ وہ خسارے جو جے پال کو محمود غزنوی سے ٹکرانے کے نتیجے میں ہوئے تھے۔

داستان میں مزید پیش رفت سے پیشتر جے پال کا تعارف پیش خدمت ہے۔ اس کی ذات کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہرحال وہ برہمن نہیں پنجاب کا راجپوت بھٹی تھا لہٰذا اسے برہمن شاہی خاندان کا فرد کہنا غلط ہے البتہ ہندو شاہی کہنے میں چنداں مضائقہ نہیں کہ وہ متعصب ہندو ضرور تھا۔ ہندو شاہی خاندان کی وسیع سلطنت ملتان سے دریائے چناب کا مغربی علاقہ، کابل قندھار تک پھیلی ہوئی تھی مگر وہ غزنی میں سبکتگین کی طاقت سے مرعوب ہو چکے تھے۔ ان کے حوصلے اس قدر پست ہو چکے تھے کہ

Marfat.com

ان کو اپنا دارالسلطنت ''دی ہند'' بھی ڈولتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ سبکتگین نے اپنی سیاسی بصیرت سے افغان قوم کو تشکیل دی تو ہندوشاہی خاندان کے سر پر منڈلانے والا خطرہ اور بھی دہشت ناک ہوگیا۔ جے پال بن اشت پال ۹۶۰ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے اس خطرے کا تدارک کرنے کی ٹھانی۔ ہندوشاہی خاندان کے ہاتھ سے کابل قندھار نکل جانے کے باوجود شہر کابل ابھی تک ان کے زیر تسلط تھا۔ جے پال نے اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کی خاطر پنجاب کے جنگ جو قبائل اکٹھے کئے۔ گوالیار قنوج اور کالنجر کے راجگان کو ''دھرم یدھ'' کا واسطہ دیا اور ایک ٹڈی دل لشکر لے کر غزنی پر چڑھ دوڑا۔ وادی لمغان میں افغان اور ہندوشاہی افواج میں خونریز معرکہ آرائی ہوئی جس میں سبکتگین کامیاب و کامران رہا۔ محمود اس معرکے میں اپنے باپ کے ہمرکاب تھا۔ غزنی کے گردو پیش کا سارا علاقہ، اور زر کثیر تاوان جنگ ادا کرنے کے بعد جے پال معافی کا خواستگار ہوا۔ سبکتگین نے اپنے بیٹے کی منشا کے خلاف راجا کو معاف کر دیا۔ محمود غزنوی اپنے حکمران باپ کو صرف مشورہ دے سکتا تھا جو اس نے دیا۔ جے پال اپنے علاقے گنوانے کے باوجود خسارے میں نہیں تھا۔ افغانیوں نے اوپر سے دھکیلا تو اس نے لاہور پر قبضہ کرلیا۔

محمود غزنوی کا اندازہ درست نکلا۔ راجا جے پال اپنی راجدھانی پہنچ کر تاوان جنگ ادا کرنے سے صاف مکر گیا۔ سبکتگین کو خبر ہوئی تو وہ آندھی طوفان کی طرح اپنے لشکر کے ہمراہ پشاور پہنچا۔ لاہور سے جے پال ایک لاکھ کی فوج لے کر میدان میں اترا مگر ستاروں نے ایک بار پھر بے وفائی کی اور جے پال کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس طرح وادی لمغان سے دریائے سندھ تک کا سارا علاقہ جے پال لاہور کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۹۹۷ء میں محمود غزنوی باپ کی وفات کے بعد برسر اقتدار آیا تو جے پال نے ایک بار پھر قسمت آزمانے کا ارادہ کیا۔ (۳۹۱ھ ۱۰۰۱ء) ۲۷ نومبر کا دن تھا جب دونوں لشکر

معرکہ آرا ہوئے...... وہی میدان تھا، وہی حربے آزمائے گئے۔ سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ بے سروں کے لاشے تڑپنے لگے۔ جے پال کی یہ آخری شکست تھی۔ پندرہ بیٹوں اور پوتوں سمیت وہ پابند سلاسل ہوا۔ اڑھائی لاکھ دینار ادا کر کے جاں بخشی کی درخواست کی جسے محمود نے شرف قبولیت بخشا مگر اب اس کی راجپوتی انا جاگ اٹھی۔

کوئی نسبت کوئی رشتہ اس کا راستہ نہ روک سکا اور اس نے جیالوں کی طرح اپنے آپ کو دہکتی چتا کے حوالے کر دیا۔ کہتے ہیں لپکتے ہوئے شعلوں کا اس نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ اس کا یہ عمل ہندو ہونے کے باوجود اہل دل مسلمانوں کے ہاں قابل صد ستائش ٹھہرا۔ یہ اور بات ہے کہ زندہ جل مرنے کی رسم راجپوتوں میں رائج تھی۔

باپ نے اپنے آپ کو چتا کے سپرد کیا تو آنند پال تخت پر متمکن ہوا۔ اس وقت وہ لاہور کا گورنر تھا۔ اس گورنری کا آغاز ۹۹۷ء فتح لاہور کے دن سے ہوا تھا۔ اس نے نندنہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا اور اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنے کی تدابیر سوچنے لگا۔ سرفہرست مسئلہ طاقت کا حصول تھا جس پر اس نے بھرپور توجہ دی۔ اس زمانے میں ملتان کا حاکم داؤد قرامطی تھا جو محمود غزنوی کی توجہ کا مرکز تھا۔ پشاور کا علاقہ تاحال محمود نے اپنی قلمرو میں شامل نہیں کیا تھا لہٰذا داؤد پر حملے کے لئے اس نے دریائے سندھ کو رازداری کے پیش نظر پشاور کے قریب سے عبور کرنا چاہا۔ محمود غزنوی نے آنند پال سے دریا عبور کرنے کی اجازت طلب کی مگر آنند پال کے تو ارادے ہی کچھ اور تھے ادھر داؤد ملتانی نے اسے اکسایا اور وہ محمود سے ٹکرانے پر تیار ہو گیا۔

پشاور کے قریب دونوں فوجیں آپس میں ٹکرائیں۔ آنندی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور آنند پال راہ فرار اختیار کر کے سودرہ کی جانب نکل گیا۔ محمود نے اس کا تعاقب کیا مگر وہ کشمیر کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ محمود نے تعاقب ترک کر دیا اور غزنی لوٹ گیا۔ غزنی میں ترکوں نے اس کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ لہٰذا اندرونی شورش کی جانب متوجہ ہونا آنند پال کے تعاقب سے زیادہ اہم تھا۔ اس دور خرابی میں اسے چوکھی لڑنا پڑ رہی

Marfat.com

تھی۔ اپنے ناراض، بیگانے ناخوش، اس مقام پر آنند پال کی زندگی کا عجیب وغریب رخ سامنے آیا۔ محمود جب بیم ورجا کی کشمکش میں پڑا تھا تو آنند پال اپنی راجدھانی میں واپس آچکا تھا۔ اس نے اپنے حریف کو بڑا منفرد خط لکھا جس کا متن یہ تھا:

''عالی جاہ! آپ نے مجھے شکست سے ہمکنار کیا۔ اب آپ سنا ہے ترکوں سے جنگ میں مشغول ہیں۔ میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ مجھے شکست سے ہمکنار کرنے والا کسی دوسرے سے شکست کھا جائے۔ یہ میرے بھرم کا سوال ہے، لہٰذا میں سچے دل سے آپ کے دوش بدوش لڑنے کو تیار ہوں۔ جب آپ کا دشمن نیست ونابود ہو جائے گا تو ہم اپنے جھگڑے کا فیصلہ خود کرلیں گے۔''

اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ آنند پال کشادہ دل اور وسیع ظرف والا دشمن تھا۔ کمینہ ہوتا تو محمود کی مجبوری سے ضرور فائدہ اٹھاتا اور پیٹھ میں خنجر گھونپ دیتا۔ یہی راجپوتی انا تھی جس کی بنا پر جے پال رسم جوہر ادا کر کے پراس چت (کفارہ ادا کرنا) پر مجبور ہوا۔

محمود نے اپنی مشکلات پر قابو پالیا۔ ادھر آنند پال داغ شکست دھونے کو بے چین تھا اس نے ہندوستان کے تمام راجاؤں سے دھرم کے نام پر اپیل کی۔ ہند کے دھرم سیوک لبیک کہتے ہوئے اس کے گرد آ جمع ہوئے۔ ایک ناقابل شکست قسم کا ٹڈی دل لشکر اس کی راجدھانی میں حاضر ہوگیا۔ یہ ۳۹۹ھ بمطابق ۹-۱۰۰۸ء کا واقعہ ہے جسے تاریخ میں محمود کا ہند پر چھٹا حملہ یا فتح پنجاب کہتے ہیں۔ اس دور تک ہنود مسلمانوں کو ملیچھ یعنی نیچ اور حقیر قرار دے چکے تھے۔ یہ شودروں سے بھی نچلا درجہ تھا۔ شودروں کی ناگفتہ بہ حالت کے متعلق دنیا جانتی ہے۔ کالنجر، قنوج، اجین اور گوالیار کے مہاراجگان نے بطور خاص اس دھرم یدھ (جہاد) میں حصہ لیا کیوں کہ ان کو بخوبی علم تھا کہ آنند پال ان کی ڈھال بن رہا تھا اور ڈھال ٹوٹ جائے تو پیکر جاں پر وار روکنا پڑتا ہے جو حیات کش بھی ثابت ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

اس دھرم یدھ میں ہندو خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کنیاؤں نے اپنے زیورات اتار کر نذر کیے۔ عمر رسیدہ خواتین نے سوت کات کات کر سپاہیوں کے عیش و آرام کا اہتمام کیا۔ اب فوج ظفر موج کی کمان آنند پال کے نوجوان راج کماتری اور چھن پال کے ہاتھ میں تھی۔

محمود غزنوی پشاور کی جانب سے آیا، آنند پال لاہور سے نکلا وہند کے قریب سے افغانوں نے دریائے سندھ عبور کیا آنند پال نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

''بیٹا! دشمن خود بخود جال میں آ رہا ہے۔'' آنند پال نے سیناپتی کو سمجھایا اس کے آگے ہم اور پیچھے دریا، بھاگ کر جائے گا کہاں؟''

چالیس روز تک دونوں افواج آمنے سامنے ڈٹی رہیں۔ ایک دوسرے سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک روز طلوع آفتاب سے ذرا پہلے پنجاب کے تین ہزار کھوکھروں نے جنگلی درندوں کی طرح مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور پہلے ہی ہلے میں چار ہزار سرتن سے جدا کر دیئے۔ یہ افتاد تو مسلمانوں کے سان گمان میں بھی نہ تھی۔ تب دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں۔ محمود غزنوی کو اپنی شکست کے آثار صاف دکھائی دینے لگے۔ وہ عین میدان جنگ میں، شمشیر وسناں کے سائے تلے سربسجود ہو گیا۔ پھر وہ اسپ تازی پر نئے عزم کے ساتھ سوار ہوا اور جاں نثاروں کے ہمراہ آگ اور خون کے سمندر میں کود گیا۔ غیر متوقع طور پر ہندی سپاہ کے قدم اکھڑنے لگے۔ آنند پال ایک فیل مست پر سوار تھا جو عین وقت پر دھوکا دے گیا۔ میدان جنگ سے منہ موڑ کر ایسا غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ، ہندی سپاہ بھی حوصلہ ہار بیٹھی۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ آنند پال کے حشر کے متعلق دو آرا پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کشمیر کی جانب روپوش ہو گیا اور تا حیات منظر عام پر نہیں آیا۔ دوسری یہ کہ اس نے دل سے سلطان محمود غزنوی کو فاتح تسلیم کر لیا اور آخری دم تک خراج ادا کرتا رہا۔ کشمیر میں روپوش ہو جانے والی رائے قرین قیاس اس لئے نہیں کہ وادی کشمیر پر اس دور میں ایک سفاک قسم کی شہوت

Marfat.com

پرست ویدارانی حکمران تھی۔ جس کا تعلق پروہ گپت خاندان سے تھا۔ وادی کشمیر پر اس خاندان کا تاریک دور ۹۲۲ء سے ۱۰۱۷ء تک چھایا رہا۔ اس خاندان کی ابتدا پروہ گپت اور انتہا ویدارانی پر ہوئی۔ اس دور کو عہد بے شرمی ہی کہا جاسکتا ہے۔

برصغیر کی سرزمین بشمولیت کشمیر ننگ انسانیت کے مقام پر فائزہ ہوچکی تھی۔ دور محمود غزنوی میں کشمیر کی حالت زار کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ کشپ میر کیشر یا کشمیر کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں صرف اس دور خرابی کی نشان دہی مطلوب ہے۔

۹۲۲ء میں وادی کشمیر پر راجگان مالوہ کا راجا سنگرام دیو حکمرانی کررہا تھا۔ سنگرام دیو نابالغ ہونے کے ساتھ ساتھ ناتجربہ کار اور سادہ لوح قسم کا لڑکا تھا مگر اس کے دربار کا معزز وزیر پروہ گپت پرلے درجے کا مکار اور ہوس پرست انسان تھا۔ ابلیسی ذہانت کا مالک ہونے کی بنا پر دربار میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ پہلے تو اس نے بے مثال منصوبہ بندی سے پانچ پرخلوص اور باوفا وزراء کو ٹھکانے لگایا۔ ایک روز اپنے نابالغ ولی نعمت کو دریائے وتستا (جہلم) کی سیر کرانے لے گیا۔ سنگرام کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ...... پروہ گپت اس کی جان کا دشمن ہے۔ جب ہوش آیا تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔ پروہ نے سنگرام کی مشکیں کس کر اس کے سینے پر بھاری پتھر باندھا اور اسے دریائے جہلم کی لہروں کے سپرد کردیا۔

سنگرام کو دریا برد کرنے کے بعد وہ گپت تخت کشمیر پر براجمان ہوا۔ اس کی حیا سوز حرکات کی فہرست بڑی طویل ہے جس کی سزا اس کی نسل کو بھگتنی پڑی۔ یہ عذاب کا زمانہ پچاس سال پانچ ماہ اور ایک دن پر محیط ہے۔ پروہ گپت تخت نشین ہوا تو گویا شیطان آزاد ہوگیا۔ بلاامتیاز ادنیٰ واعلیٰ خلق خدا پر زمین تنگ ہوگئی کسی معزز فرد کی عزت محفوظ تھی نہ کسی پاک دامن دوشیزہ کی عصمت۔ پروہ گپت پر تو گویا جنسی بھوت سوار تھا۔ تیرہ عدد رانیوں کے جھرمٹ میں بھی وہ ہوس کا پجاری تھا۔ راجا یوششکر (جسے اس نے زہر دے کر ہلاک کیا تھا) کی ایک بیوہ حسن وجمال میں لاثانی تھی۔ پروہ گپت اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر

Marfat.com

ہو گیا مگر بیوہ نے وصل کی ایک شرط عائد کردی۔

''جب تک میرے سورگباشی جیون ساتھی کی سمادھی اور اس سے ملحق مندر پایہ تکمیل تک نہ پہنچے میں ''ہاں'' نہیں کرسکتی۔'' اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر پروہ گپت نے یہ دونوں کام اپنے ہاتھ میں لئے اور بیگار پکڑے گئے ہزاروں مزدوروں کو دن رات مشقت کی چکی میں پیس کر دونوں عمارتیں تعمیر کروائیں۔ بیوہ نے ''سپردگی'' پر موت کو ترجیح دی اور شب وصال سے ایک روز پیشتر سولہ سنگار کرکے اپنے آپ کو چتا کے حوالے کردیا۔ پروہ گپت کی تو گویا بنیاد ہی ہل گئی۔ جس انداز سے وہ دھتکارا گیا تھا، وہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا اور وہ شدت خجالت سے ایک سال تین ماہ بعد دنیا سے چلا گیا۔ کہتے ہیں شدت خجالت سے زیادہ اس کی بے اعتدالیوں نے اس کی جان لی۔

پروہ گپت کے بعد اس کا عیاش بیٹا کھیمہ گپت تخت پر بیٹھا تو وہ باپ سے بھی دو ہاتھ آگے کی چیز ثابت ہوا۔ وہ طوائفوں اور ہیجڑوں کا دلدادہ تھا۔ نسوانی لباس وزیورات پہن کر دربار سجاتا۔ اس نے رعایا پر اتنے ٹیکس عائد کردیئے کہ خلق خدا کی کمر ہمت ٹوٹ گئی، درمیانہ طبقہ پس کے رہ گیا، سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنا ناممکن ہو گیا۔ بھانڈ، سوانگ رچانے والوں، ہیجڑوں اور طوائفوں کی بن آئی۔ اس نے قانوناً اپنے درباریوں کو نسوانی لباس پہننے پر مجبور کردیا۔ وہ ہوس پرست، ویدارانی پر فریفتہ ہوا جو وادی کشمیر کی رسواترین حکمران بنی۔ پھلگن نامی وزیر نے بھی اپنی دختر نیک اختر پیش کی مگر اسے ویدارانی جیسی ''قبولیت'' حاصل نہ ہوسکی۔ ظلم وستم کے اس نمائندہ حکمران کو منفرد نوعیت کے شکار کا شوق تھا۔ گھوڑے پر بیٹھ کر بلیوں کا شکار کھیلتا۔ بارہ مولا کے قریب ایک روز اپنے شوق کی تسکین کررہا تھا کہ عجیب وغریب حادثہ پیش آیا۔ ایک خوفناک شکل وصورت کا گیدڑ اس کے سامنے آکھڑا ہوا جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ راجا کا خوف سے برا حال ہو گیا۔ اسی دہشت نے اس کا کام تمام کردیا۔

۹۷۲ء میں کھیمہ گپت کا نابالغ بیٹا ابھی مینو ویدارانی کی نگرانی میں تخت نشین ہوا۔

Marfat.com

ویدارانی نے چند برس تو صبر سے کام لیا مگر آخر اپنا اصل رنگ دکھانا شروع کیا۔ یہی وہ دور ہے جب راجا جے پال اور سبکتگین کا آپس میں ٹکراؤ ہوا۔ ابھی مینو کے عہد حکومت میں سری نگر شہر میں آگ لگی اور مکمل شہر جل کر راکھ ہوا۔ یہ برائے نام راجا فوت ہوا تو ویدارانی نے اپنے پوتے نندی گپت کو تخت پر بٹھایا اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی۔ غیر متوقع طور پر نندی گپت نے اپنی دادی اماں پر نکتہ چینی شروع کر دی گویا ایک پیدل نے شہ کو للکارا۔ ویدارانی نے اپنے پوتے کو زہر دے کر کشمکش حیات سے آزاد کر دیا۔ یہی حشر اس نے اپنے دوسرے پوتے تربھون گپت کا کیا، یعنی اس کے سر پر تاج سجایا۔ پوتے نے دادی اماں کی منشاء کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

اس بار ویدارانی نے تربھون گپت کے شیر خوار بیٹے کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا۔ اس کا نام بھیمہ گپت تھا۔ ویدارانی کی عمر تو بھگوان سے لولگانے کی تھی مگر ایک روز عجیب اتفاق ہوا۔ ایک مردانہ وجاہت کا گھبرو نوجوان گوجر، رانی کے دربار میں ریاست پونچھ کا ایلچی بن کر آیا۔ اسے دیکھ کر باسی کڑھی میں گویا ابال آ گیا۔ ویدارانی تو بس مسلسل اسے قربان ہو جانے والی نگاوں سے تکے جا رہی تھی۔ پہلے تو درباریوں نے ان نگاہوں کو ''ممتا'' گردانا مگر نگہ ہوس کب چھپی رہ سکتی ہے؟

''نوجوان! ایک بار دربار سے باہر جاؤ اور پھر اسی قاتلانہ انداز میں چلتے ہوئے میرے سامنے آؤ۔'' ویدارانی نے عجیب وغریب حکم دیا۔ حکم تو حکم ہوتا ہے۔

پہلے تو نوجوان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا پھر جب وہ بات کی تہہ تک پہنچا تو حیرت میں ڈوب گیا۔ اس انداز دل ربائی پر ویدارانی مرمٹی اور دربار برخاست کر کے نوجوان کو گوشہ تنہائی میں لے گئی۔ چند روز کی غیر حاضری کے بعد رانی ماتا نے دربار لگایا تو ایلچی نوجوان اس کا پتی بن چکا تھا۔ بھیمہ گپت نے ہوش سنبھالا تو اسے اپنی پردادی پر بڑا غصہ آیا مگر ویدارانی نے ایک ہی پھونک سے یہ چراغ بھی گل کر دیا اور خود کشمیر کے تخت پر بیٹھی۔ یہ

۹۹۸ء کا ذکر شر ہے۔ اس رانی نے اٹھارہ برس مزید حکومت کی۔ اس کے عہد حکومت میں بقول روایت، آنند پال نے کشمیر میں پناہ لی تھی۔

محمود غزنوی نے البتہ ۱۰۱۵ء میں اس پر حملہ ضرور کیا تھا۔ محمود غزنوی کے خیال میں کشمیر، پال خاندان کی جائے پناہ تھا اور وہ اس کا تدارک کرنا چاہتا تھا۔ حملے کی دوسری وجہ، خلق خدا کی دکھ بھری صدائیں اس کی سماعت سے ٹکرانے لگی تھیں۔ بہرحال یہ مہم کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ ایک تو افغانی فوج راستہ بھول گئی، دوسرے برف باری کا آغاز ہوا تو تمام راستے مسدود ہو گئے۔ فوج کے کئی سپاہی لقمہ اجل ہوئے اور محمود غزنوی کو یہ مہم ترک کرنا پڑی۔

آنند پال کے بعد اس کا جوشیلا بیٹا ترلوچن پال تخت نشین ہوا تو اس نے محمود کو خراج دینا بند کر دیا، لہٰذا ایک بار پھر میدان کارزار گرم ہوا۔ نندنہ کا قلعہ محمود کی یلغار کا سامنا نہ کر سکا۔ ترلوچن نے قلعے کی حفاظت اپنے بیٹے بھیم پال کو سونپی اور خود کشمیر کی جانب کوچ کر گیا۔ نندنہ کا قلعہ خوں ریز جنگ کے بعد سر ہوا۔

ترلوچن کی معاونت کے لئے کشمیری لشکر دریائے جہلم کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ محمود نے اس کشمیری لشکر کو بھی مار بھگایا۔ ترلوچن کی کمر ہمت ٹوٹ چکی تھی اور کشمیری مددگار بھی بھاگ چکے تھے۔ آخر اس نے اپنی بچی کھچی طاقت سمیٹی اور لاہور کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ بھیم بھی باپ کی ڈھارس بندھاتا رہا۔

قیام لاہور کے دوران اگر یہ دونوں باپ بیٹے عقل سے کام لیتے تو شائد بچاؤ کی صورت پیدا ہو جاتی مگر وہ مسلسل محمود غزنوی کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ مثلاً ۴۱۰ھ بمطابق ۱۰۱۹ء انہوں نے والی کالنجر کی بھرپور امداد کی۔ آخر ۴۱۲ھ یعنی ۱۰۲۱ء میں محمود غزنوی نے اپنے راستے کے یہ دونوں کانٹے ہٹا دیئے۔ ترلوچن پال تو اجمیر کی طرف بھاگ چکا تھا، اس کا نڈر بیٹا بھیم پال لاہور کا مالک و مختار تھا مگر وہ غزنوی سیلاب میں خشک تنکے کی طرح بہہ گیا اور لاہور کو سلطنت غزنویہ میں شامل کر لیا گیا۔ لاہور میں دو

Marfat.com

نائبین مقرر کیے گئے ایک قاضی شہر (یا صوبے دار) دوسرا سپہ سالار۔

اندرونی نظام وانصرام قاضی کا شعبہ ہوا کرتا تھا جبکہ سپہ سالار کے فرائض میں بیرونی معاملات ہوا کرتے تھے۔ دونوں صرف مرکز کو جواب دہ ہوتے تھے۔ آپس میں گویا دونوں ہم مرتبہ تھے۔ یہ دستور سلطان مسعود بن محمود کے زمانے تک رہا۔

لاہور کا پہلا قاضی ابوالحسن علی المعروف قاضی شیراز تھا اور پہلا سپہ سالار عبداللہ قرآتگین۔ اس کے بعد ابوالفتح وافغانی اور تیسرے نمبر پر ابوالفرج کرمانی، اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوا۔ قاضی شیراز مزاج سلطانی سے آشنا تھا۔ یہ آشنائی اس کی مقبولیت کا سبب تھی جس کی بنا پر وہ خود پسند اور مغرور ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کی کسی بھی سپہ سالار سے بن نہ پائی۔ اس طرح لاہور مسلسل عذاب میں رہا سپہ سالار کرمانی تک تو معاملہ کسی نہ کسی طرح چلتا ہی رہا مگر چوتھا سپہ سالار لاہور، اریارق تھا جو قاضی شیراز سے بھی زیادہ منہ زور ثابت ہوا۔ قاضی موصوف جو سپہ سالار کو اپنے سے کمتر سمجھنے کا عادی تھا، اریارق پر قابو نہ پا سکا۔

۱۰۳۰ء میں سلطان محمود غزنوی کے سفر آخرت اختیار کرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد مختصر سی مدت کے لئے تخت نشین ہوا (یعنی صرف چھ ماہ) تو اریارق اس کے احکام کو بھی بالائے طاق رکھ کر اپنی من مانی کرتا رہا۔ لیکن جب محمود غزنوی کا دوسرا بیٹا مسعود تخت غزنی پر رونق افروز ہوا تو اس نے اریارق کے کس بل نکال دیئے۔ اسے پابہ زنجیر کر کے غور بھیج دیا۔ ظلم وتعدی سے جمع کی ہوئی اس کی ساری دولت بحق سرکار ضبط کر لی۔ اس کی جگہ احمد نیالتگین کو تزک واحتشام سے نیا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔

لاہور کے مصائب کا پھر بھی ازالہ نہ ہو سکا۔ احمد نیالتگیں اور قاضی شیراز نئے سرے سے سرد جنگ میں مصروف ہو گئے۔ لشکر سپہ سالار کا حامی تھا مگر قاضی نے مرکز کو یقین دلایا کہ نیالتگین پنجاب میں خود مختار حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ مسعود نے قاضی شیراز کی باتوں میں آ کر اپنے ہی فرستادہ سپہ سالار پر بغاوت کا الزام

Marfat.com

لگا دیا اور اس کی سرکوبی کو ناتھ نامی ایک ہندو سالار کو بھیجا۔نیالتگین کو خبر ہوئی تو وہ گویا ہتھے سے اکھڑ گیا اور شرارت کی جڑ قاضی صاحب قلعہ بند ہو گئے۔نیالتگین نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ یہ بڑی ہی واہیات صورت حال تھی۔ سلطان محمود غزنوی کو آنکھیں بند کئے ابھی دیر ہی کتنی ہوئی تھی۔ صرف چار برس اور اس کے جانشین یہ گل کھلا رہے تھے۔

محاصرے کے دوران ہی ناتھ لاہور پہنچ گیا مگر احمد نیالتگین نے مرکزی فوج کو مار بھگایا۔ اس کی جگہ ایک اور ہندو سالار تلک نے نیالتگین کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا جو ابھی تک قاضی صاحب کا محاصرہ کئے بیٹھا تھا۔ تلک نے نیالتگین پر قابو پالیا اور اس کے ساتھیوں کو عبرت ناک سزا دی۔نیالتگین کا سر کاٹ کا سلطان مسعود کی خدمت میں بھیج دیا۔ ۱۰۲۱ء سے ۱۰۳۷ء تک لاہور میں فساد بپا رہا۔ آخر ۱۰۳۷ء میں سلطان محمود کا چہیتا غلام ایاز لاہور کا صوبے دار مقرر ہو کر آیا تو اہل لاہور نے سکھ کا سانس لیا۔ ایاز کا لاہور جیسے صوبے کا حاکم مقرر ہونا اچھوتوں یا شودروں کے لئے اس دور میں واقعی باعث حیرت تھا کیونکہ رعایا ایاز کی ساری زندگی سے مکمل طور پر آشنا تھی۔

وہ ایک تہی دست غلام کی حیثیت سے محل میں آیا۔ محمود غزنوی نے اس میں پوشیدہ صلاحیتوں کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ رفتہ رفتہ وہ عروج کے اس مقام پر پہنچا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ یہ اسلامی اخوت و مساوات کا وہ روشن پہلو تھا جس میں بلا امتیاز ادنیٰ و اعلیٰ ہر فرد کے لئے عزت و توقیر کے مواقع موجود تھے۔ سب سے بڑی سفارش انسان کا نیک عمل اور اس کی صلاحیت مانی اور گردانی جاتی تھی۔ موروثی یا پیدائشی لحاظ سے نہ کوئی بدبخت کہلاتا تھا نہ سوختہ ساماں۔ یہ اسلام یعنی دین فطرت کی بڑی مؤثر تبلیغ تھی۔ یہ گویا لاہور کے گرد و پیش چھائے ہوئے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی بڑی جان پرور کرن تھی۔

ایاز سے پہلے محمود غزنوی کا نافذ کردہ قانون کہ ایک صوبے میں دو ہم مرتبہ حکمران ہوں گے اور وہ صرف مرکز کو جواب دہ ہوں گے۔ (یعنی قاضی اور سپہ سالار) وقتی ضرورت کے تحت بے شک ٹھیک تھا مگر مرکز کی گرفت کمزور ہوتے ہی یہ قانون باعث

Marfat.com

فساد بن چکا تھا، جیسا کہ سپہ سالار اریارق نے پر پرزے نکالے۔ قاضی شیراز کی ہوس جاہ و حشم کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ مگر بنیادی فتور، قانون میں تھا۔ بہر کیف ایاز کی آمد سے اس نقصان کا ازالہ بھی ہوا اور تبلیغ دین بھی ہوئی۔ اس دور میں لاہور، شہر اور صوبہ دونوں حیثیتوں سے مشہور تھا۔ بحیثیت صوبہ اس کا اپنا پایہ تخت بھی تھا یعنی مندھوکور جو دریائے راوی کے مشرقی کنارے پر آباد تھا اور اسی کے قلعے میں قاضی شیراز نے پناہ حاصل کی تھی۔

ایاز نے لاہور آتے ہی شہر کی دگرگوں حالت کی جانب توجہ مبذول کی۔ فساد مسلسل کی بنا پر نصف سے زیادہ عمارات نذر آتش ہو چکی تھیں، تین روز تک غزنوی افواج نے اس شہر کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ لوگ خوف و ہراس کا شکار تھے۔ ابن الوقت قسم کے حضرات دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک گروہ قاضی شہر کی خوشنودی حاصل کرنے میں مصروف تھا اور دوسرا سپہ سالار کی۔ کدورتیں، نفرتیں عروج پر تھیں۔ ایاز نے امن و امان بحال کیا۔ پرانے شہر کی تعمیر نو کے ساتھ ساتھ موجودہ جگہ پر نیا شہر آباد کیا۔ قدیم شہر کا محل وقوع موجودہ اچھرے کی جانب تھا۔ لاہور کی تعمیر نو سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے پہلے یعنی ۴۳۲ھ میں پایہ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ سلطان مسعود غزنوی کے قتل کے بعد اس کے فرزند شہزادہ مجدود مودود نے لاہور پر حملہ کیا۔ شہزادہ مجدود ۴۳۲ھ میں لاہور ہی میں قیام پذیر تھا۔ وہ قلعہ لاہور میں محصور ہو گیا۔ قلعہ لاہور کی موجودہ شکل وصورت مغل شہنشاہ اکبر کے عہد کی یادگار ہے۔ جو ایاز کے بنائے ہوئے قلعے پر استوار ہوئی۔

ایاز اپنے نو تشکیل کردہ شہر لاہور میں دم آخر تک مقیم رہا اور اسی شہر میں وہ زیرِ زمین ابدی نیند سویا ہوا ہے۔ چوک رنگ محل اندرون شاہ عالمی بزاز ہٹہ کی جانب چند گز کے فاصلے پر ایک گم نام احاطے میں اس کا مدفن ہے۔ محمود غزنوی کے جانشین پرلے درجے کے احمق ثابت ہوئے بہر حال جیسا کہ اشارتاً بیان کیا جا چکا ہے محمود نے دین فطرت کا بیج

ہونے کے لئے سرزمین برصغیر کو ہموار کیا۔ ہند کی صورت حال تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے۔ محمود نے ہند پر سترہ بار چڑھائی کی جسے نام نہاد سیکولر حضرات بنظر حقارت دیکھتے ہیں، مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ سرزمین ہند پر چھائی ہوئی تاریکی کی گھٹائیں کس قدر گھناؤنی تھیں اور یہ صورت حال کس شے کی متقاضی تھی۔

جب اس نے ۲۶-۱۰۲۵ء میں سولھواں حملہ سومنات پر کیا تو وہاں کیا ہو رہا تھا؟ ہم صرف یادداشت تازہ کئے دیتے ہیں۔ اس میں اہم ترین شے شوجی کا لنگ تھا جسے تمام دیوتاؤں پر فوقیت حاصل تھی۔ لوگوں کا اعتقاد تھا کہ ہر روز فرد بشر کی روح، موت کے بعد اس مندر میں آ جاتی ہے۔ مندر کی گھنٹیاں بیس من وزنی طلائی زنجیروں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ ایک ہزار برہمن مندر کی آرائش و زیبائش پر متعین تھے۔ مندر کے اخراجات کے لئے دس ہزار گاؤں وقف تھے۔ ان تمام باتوں کو جو شخص چاہے نظر انداز کر دے مگر انسانیت کی توہین ایک اور انداز سے بھی ہو رہی تھی۔ پانچ سو منتخب کنواری دیوداسیاں شولنگ کے سامنے رقص کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر مندر میں مقیم تھیں۔ ان دیوداسیوں کے اضافی فرائض میں اس طلائی لنگ کو گنگا جل سے روزانہ اشنان کرانا بھی شامل تھا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے پہلے دین فطرت کی روشن کرنیں جو لاہور یا اس کے گرد و پیش کے ماحول کو منور کر چکی تھیں، ان کا تذکرہ بے حد ضروری ہے۔ ان پاک ہستیوں میں سرفہرست ''بی بی پاک دامناں'' ہیں جن کو باامر مجبوری سرزمین لاہور پر قدم رنجہ فرمانا پڑا۔

ایک روایت کے مطابق سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سوئے کوفہ روانہ ہوئے تو اہل قافلہ میں بی بی حاج، بی بی تاج حور، بی بی نور، بی بی گوہر اور بی بی شہناز بھی تھیں۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے ان چھ خواتین کو رخصت ہونے کو کہا اور وہ عازم لاہور ہوئیں۔ یہاں انہوں نے راجوں کی بستی ٹھٹھی میں قیام کیا۔ اجنبی سرزمین،

Marfat.com

نا آشنا لوگ کوئی پرسان حال تھا نہ شناسا۔ چند خدام البتہ ہمراہ تھے۔ صنم کدوں میں ہل چل سی مچی تو ہندی جوتشیوں نے حساب لگا کر اعلان کیا کہ چند پاک ہستیاں اس سرزمین پر آ چکی ہیں۔ اس علاقے پر راجا برماستری کی حکمرانی تھی جس کے راجکمار کا نام بکرما سہائے تھا۔ ایک روایت میں راجا کا نام مہاویرن بھی آیا ہے۔ راجا موصوف نے اپنے راجکمار کو ایلچی بنا کر ان خواتین کی خدمت میں بھیجا اور ان کو دربار میں طلب کیا مگر پردہ دار خواتین نے اس حاضری سے معذوری کا اظہار کیا۔ راج کمار کو بڑی مشکل کا سامنا ہو سکتا تھا۔ اس نے یہ مسئلہ خواتین کے گوش گزار کیا تو بی بی حاج نے اسے اپنے حضور طلب فرمایا اور نظر توجہ سے دیکھا۔ بکرما کے ہوش وحواس گم ہو گئے۔ اندر کی دنیا روشن ہو گئی، اس طرح اس نے دین فطرت کی روشنی کو قبول کیا۔ یہ ساکن جھیل میں پتھر پھینکنے والی بات تھی۔ راج سنگھاسن تھرتھرانے لگا۔ خواتین کی جائے قیام کے گرد لوگ آ جمع ہوئے۔ یہ آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا والی بات تھی۔ خواتین اس قدر خائف ہوئیں کہ خدام کو انہوں نے لوٹ جانے کا اذن دیا اور خود سر بہ سجود ہو کر پردہ پوشی کی دعائیں مانگنے لگیں۔ صدق دل سے کی ہوئی دعائیں قبول ہوئیں۔ زمین میں وسیع وعریض شگاف نمودار ہوا اور ساری خواتین اس میں روپوش ہو گئیں۔ چار خدام اذن کے باوجود واپس نہیں گئے تھے یعنی حافظ ابوالفتح، ابوالفضل، ابوالمکارم اور عبداللہ۔ یہ حضرات بھی ''مزار بی بی پاک دامناں'' لاہور ہی میں مدفون ہیں۔ ان حفاظ کو بھی زمین نگل گئی تھی۔ یہ لاہور کے اندھیرے میں روشنی کی پہلی کرن تھی جو فوراً ہی بجھ گئی۔ آج اس کے آثار ایک مزار کی صورت میں اس سرزمین پر موجود ہیں۔

جب خواتین زمین میں سما گئیں تو ان کی رداؤں کے پلو باہر رہ گئے۔ موجودہ قبور ان پلوؤں کی نشان دہی پر بنائی گئیں۔ راج کمار کا اسلامی نام محمد جمال تجویز ہوا تھا جو ''بابا خاکی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ بابا خاکی، بابو نامی بلیھم جاٹ کی دختر سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا۔ یہ لڑکی اپاہج تھی مگر بابا خاکی کی زوجیت میں آنے کے بعد وہ

Marfat.com

بھلی چنگی ہوگئی۔ چند لوگ یہ دیکھ کر مسلمان بھی ہوئے۔ جمال کی اولاد ایک عرصے تک اس مزار کی مجاوری کرتی رہی...... مسلمان ہونے والے رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے، چند ایک کے ناموں کا سراغ ملتا ہے مثلاً شیخ حاجی عزیز، شیخ داؤد وغیرہ...... امتداد زمانہ کے ساتھ سب نسیاً ہوگئے۔ رہے نام اللہ کا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ورود لاہور سے پہلے جو چراغ رشد و ہدایت یہاں روشن تھا، ان کا اسم گرامی شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ زنجان، اندجان اور سناجان خراسان کے مشہور قصبے ہیں۔ موصوف کا تعلق چونکہ قصبہ زنجان سے تھا لہٰذا زنجانی ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ آپ سیّد الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔ حسینی خاندان کے چند افراد عراق میں قیام پذیر ہوئے۔ تیسری صدی ہجری میں امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ برقعی بغداد سے نقل مکانی کر کے زنجان میں آ بسے۔ موصوف شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا تھے۔ ۳۴۷ھ میں زنجان کے سیّد علی محمود کے ہاں مریم صغریٰ کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا جو راہ حق کا مینارۂ نور ثابت ہوا۔ اس کا نام حسین تجویز کیا گیا۔ قصبے کے امام مسجد سے ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا مگر رفتہ رفتہ باطنی اسرار سے واقفیت کی تڑپ نے سپرد اضطراب کیا تو آستانہ ختلی رحمۃ اللہ علیہ پر حاضر ہوئے اور جنیدیہ سلسلے کے ہو کر رہ گئے۔ یہ سلسلہ حیدر کرار رحمۃ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ راہ سلوک کے مسافر نے احکام شریعت ادا کرنے میں تسہل پسندی سے کام لیا ہوگا۔ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ اکثر نماز عشاء اور فجر ایک ہی وضو سے ادا کرتے۔ سجدوں کی لذت کے طفیل مرشد نے میراں کا لقب عطا کیا جو رموز ولایت میں ایک بلند مقام ہے۔

خرقہ ولایت حاصل کرنے کے بعد اندر کی روشنی دوچند ہوئی تو مرشد نے حکم دیا، حسین بلاد ہند کی طرف کوچ کر جاؤ اور وہاں کی شب تاریک میں شمع ہدایت روشن کرو۔ تعمیل ارشاد میں حسین رحمۃ اللہ علیہ واپس زنجان آئے اور مختصر سے قافلے کی صورت میں

Marfat.com

تبلیغی سفر کا آغاز کیا۔ یہ ۳۷۵ھ کا واقعہ ہے۔ حقیقی برادران یعقوب زنجانی رحمۃ اللہ علیہ اور موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک سفر تھے۔ یہ قافلہ ایک طویل مسافت طے کر کے قذوین، رے، سبزوار، نیشاپور، ہرات، کاکا خیل، جنجوعہ، مہمند، چنبہ، غزنی، کابل، جلال آباد، پشاور، گکھڑ کے مقامات سے ہوتا ہوا ۳۸۷ھ میں لاہور پہنچا اور موجودہ شاہ عالم دروازے کے قریب چند روز کے لئے قیام پذیر ہوا۔ جب اختیاری کے گرفتار نے ظلمت شہر کا جائزہ لیا۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کو جنوبی حصہ اور موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ مستی گیٹ کے گردونواح کا علاقہ عطا کیا اور خود ساحل دریا سے دور مشرقی علاقے میں بسیرا کیا۔ اسی سکونت درویش کی مناسبت سے وہ علاقہ آج ''چاہ میراں'' کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ جس نے نور ازل سے اپنی نسبت جوڑ لی، نام اسی کا زندہ رہا، سیم وزر کے پرستار، سگ دنیا کو دنیا والوں نے یکسر نظر انداز کیا اور درویشان بے ریا کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دی۔ پہلا کام جو حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے سرانجام دیا۔ وہ مقامی زبان سے مکمل آشنائی تھی۔ آپ اس حقیقت سے بھی آشنا تھے کہ بلند آواز میں چیخنے چنگھاڑنے سے کام نہیں بنے گا کیونکہ قرآنی الفاظ میں گدھے کی بلند آواز کو مکروہ کہا گیا ہے جو اہل دل کے نزدیک حرام کے زمرے میں آتی ہے۔ اوپر والا تو اندھیری رات میں پہاڑ کی چوٹی پر رینگنے والے کیڑے کے قدموں کی آواز بھی بخوبی سن سکتا ہے۔ لہٰذا حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں اتر جانے والے مدھم اور خوش گوار لہجے کو اپنایا۔ لاہور کی اکثریت سورج پرست تھی۔ آپ گلی کوچوں میں گھومتے رہتے اور پیغام حق کی دستک ہر مناسب گھر پر جا دیتے۔ بے شک بادی النظر میں یہ دیوانگی تھی مگر اہل جنوں ہی تو کارہائے نمایاں سرانجام دیتے آئے ہیں۔ عقل تو لب بام ہی رہ جاتی ہے۔ جیسے دو گھڑی تماشا کرنے والے تماشائی......

حسب توقع سورج دیوتا کے پرستار اٹھ کھڑے ہوئے ''یہ دیوانہ تو سنجیدہ ہے۔ ہمارے دیوتا کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے۔'' انہوں نے حسب روایت رکاوٹیں کھڑی

کیں مگر حسینی لہجہ اتنا مدلل، اتنا رسیلا ہوتا تھا کہ مخالفین آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے......بس کچھ نہ بن پڑا تو لونڈوں لپاٹیوں کو پیچھے لگا دیا۔ وہ آوازیں کستے، تالیاں پیٹتے اور سنگ زنی کرتے مگر رفتہ رفتہ پتھر میں جونک لگنے لگی۔ لوگوں کا رویہ ضرور بدلا لیکن تیس برس تک کوئی ایک شخص بھی آپ کی بات نہ سمجھ سکا۔ جب مبلغ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی تو مرشد نے بذریعہ کشف صرف جمعے والے دن تبلیغ کا حکم دیا۔ یہ دور چمتکاروں کے چرچا کا تھا۔ جادو ٹونے، ٹوٹکے اور دیگر خرافات ایمان وعقیدے میں شامل تھے۔ ایک جمعے کو آپ حسب معمول دعوت حق دے رہے تھے کہ ایک نحیف ونزار سورج دیوتا کا عاشق چیخنے چلانے لگا ''بند کرو یہ جھوٹی باتیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ان میں تاثیر کیوں نہیں؟'' عاشق آفتاب نے دلیل پیش کی ''میں دو برس سے کسی مرض میں مبتلا ہوں سورج دیوتا کی کرنوں سے مجھے سکون ملتا ہے کیونکہ وہ سچا ہے۔ تم سچے ہو تو میرا روگ دور کر کے دکھاؤ۔''

یہ گویا دعوت مبارزت تھی۔ درویش نے مسکرا کر اسے قریب آنے کا اشارہ کیا اور خلق خدا محو تماشا تھی۔

''میرے محترم بھائی! ہمارے مرشد اول رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خلاف عقل چمتکار کی باتیں ایمان کے زمرے میں نہیں آتیں اور نہ ہی یہ کوئی دلیل ہے۔'' حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری توجہ سے مریض کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر میں تو اسی دلیل سے قائل ہو سکتا ہوں۔ اس قابل ہو تو قائل کر لو ورنہ خاموش ہو جاؤ۔'' مریض نے درشت لہجے میں کہا۔

''اچھا میرے بھائی! اگر ایسا ہی ہے تو ایک گلاس پانی لے آؤ۔'' درویش نے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا۔ درویش نے ایک گھونٹ پیا اور وہی پانی مریض کو پیش کر دیا۔ ''صرف ایک گھونٹ تم بھی بھر لو۔'' اب درویش کا لہجہ یکسر بدلا ہوا تھا۔ ''اس انسانی گروہ میں اگر کوئی اور مریض بھی موجود ہے تو اسے بھی ایک

Marfat.com

گھونٹ پلا دو اور میرے رب کی بارگاہ میں سر جھکا دو۔"

پانچ آدمیوں نے اسی گلاس میں سے ایک ایک گھونٹ بھرا۔ پانی جس حلق سے اترا پیکر خاک کے روگ دور کرتا چلا گیا۔ یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات تھی۔ مریض شفا یاب ہو چکے تھے۔ درویش کی یہ کرامت جنگل کی آگ بن کر شہر میں پھیل گئی۔ یہ بات ان لوگوں کے مزاج مطابق تھی۔ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی صداقت کا چرچا گلی کوچوں میں ہونے لگا۔ وثوق سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے سورج پرست حلقہ بگوش اسلام ہوئے مگر کچھ لوگوں نے اسلام کی حقانیت کو صدق دل سے تسلیم ضرور کیا۔ یہی تو ایمان ہے۔ اس آغاز کے بعد سلسلہ چل نکلا۔

۴۳۱ھ میں جس روز آپ کا وصال ہوا وہی حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور میں وارد ہونے کا دن ہے۔ سورج ایک سمت میں غروب ہوتا ہے تو دوسری سمت میں طلوع ہو جاتا ہے بس کچھ ایسا ہی ہوا۔ یہ گیارہ شعبان کا دن تھا۔ صرف چند روز پیشتر طبیعت ناساز ہوئی تو ایک عقیدت مند رام چندر نے عرض کی "حضور! میری خواہش ہے کہ آپ اب میرے غریب خانے کو رونق بخشیں۔"

"مگر عزیزم! ہمارا تو اب چل چلاؤ ہے۔" حسین زنجانی نے مسکرا کر کہا "محبوب سے وصال کا وقت قریب ہے۔"

"میری تمنا ہے کہ آپ کے سفر آخرت کا آغاز میرے غریب خانے سے ہو۔" رام چندر نے بصد انکسار دلیل پیش کی۔ درویش نے اپنے عقیدت مند کی دل شکنی ناپسند فرمائی اور چپ چاپ موجودہ یکی دروازے کی اندرونی آبادی میں آ گئے۔ (اس مکان کی نشان دہی کوشش کے باوجود نہیں ہو سکی) چنانچہ میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ اسی عقیدت مند رام چندر کے گھر سے اٹھایا گیا۔ یہ معاملات دل کے ہیں، انہیں دلائل کے خنجر سے مجروح نہیں کیا جاتا۔ بس ایسا ہی ہوا تھا۔ کیوں اور کیسے؟ اس کا جواب کون دے؟ چوک نیلم سینما، چاہ میراں روڈ پر مشرق کی جانب جاتے ہوئے چند قدم کے

Marfat.com

فاصلے پر ایک چھوٹی سی سڑک (دائیں جانب) سبز گنبد والے مزار کی جانب جاتی ہے۔ یہی زنجان میں پیدا ہونے والے حسین رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ ہے۔

دوسری قابل ذکر ہستی جو سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے لاہور میں موجود تھی اس کا نام شاہ اسماعیل بخاری ہے۔ مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔ یہ مبلغ دین محمود غزنوی کے عہد حکومت میں لاہور تشریف فرما ہوئے۔ وہ ہستی جس کی خوش کلامی وخوش خصالی کا خطہ لاہور میں ۴۱۲ھ تک چرچا رہا۔ گلی گلی دھوم مچی رہی۔ وہ قلم کاروں کی تسہل پسندی کا شکار ہیں۔ حالات زندگی بے خبری کی دھند میں لپٹے ہوئے ہیں۔ اسے مصلحت ربی کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ جب محمود غزنوی نے لاہور کو اپنی قلم رو میں شامل کیا تو صدائے حق کے علم بردار بھی اس کے ہمراہ تھے۔ شاہ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ شہنشاہ نے اپنا فرض ادا کیا اور درویش بے ریا نے اپنا۔ درویش کارخیر میں مسلسل ۳۶ برس مصروف رہے۔ گفتگو میں اتنی تاثیر تھی کہ ہر وعظ میں سینکڑوں لوگ گمراہی کو ترک کرکے ان کے دست حق پرست پر بیعت کرتے۔ لاکھوں احادیث زبانی یاد تھیں۔ قرآنی ذوق کا یہ عالم کہ منصۂ شہود پر آنے والی ہر تفسیر از بر تھی۔ حوالہ دیتے وقت صفحہ سطر تک کی نشاندہی فرمادیتے۔ ایک شمشیر براں تھی جو روائے تاریکی کو لیر لیر کئے دیتی۔ کنہیا لال سے نور احمد چشتی تک تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شاہ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انداز بیان لاثانی و بے مثال تھا۔ ''مہتاب'' کے لفظ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات (۴۴۸ھ) نکلتی ہے۔ اس زمانے میں مغلیہ شان وشوکت کی عکاسی کرنے والی عمارات تعمیر کرنے کا رواج نہیں تھا لہٰذا مزار کی تعمیر سادہ انداز میں ہوئی۔ مزار پر گنبد تک نہیں تھا۔ البتہ ایک سرسبز وشاداب باغ جس کے گردو پیش وسیع وعریض اراضی تھی، مزار کے لئے وقف تھا۔ اس زمین کی حدود موجودہ مال روڈ پر کیتھڈرل سکول سے رومن کیتھولک گرجا گھر کے وسیع احاطے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ای پلومر اسٹور سے مزنگ جانے والی سڑک آخری حد تھی۔ مشرقی جانب حدود

Marfat.com

مزار پانی والی پرانی کوٹھیوں تک پھیلی ہوئی تھیں جن کا آج نام ونشان تک نہیں ملتا۔ رفتہ رفتہ یہ ساری اراضی مزار کے متولی ومجاور بیچ کر ہڑپ کر گئے۔ علم دین کے سمندر درس وتدریس کے مینار نور اور محرم رازداروں ۔کے مزار کی آج یہ کیفیت ہے کہ اسے تلاش کرنا پڑتا ہے۔ بہرکیف، مال روڈ کی طرف جاتے ہوئے سکول کی عمارت کے ساتھ سڑک کے سیدھے ہاتھ، چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد پختہ اینٹوں کا مزار آتا ہے۔ یہ مزار گوشہ گمنامی میں نگاہوں سے دور ہوتا جارہا ہے۔ ہزاروں مسلمان پاگلوں کی طرح بھاگ دوڑ میں مصروف تربت درویش کے قریب سے گزر جاتے ہیں اور سرزمین لاہور میں شجر صداقت کی آب یاری کرنے والے اس مبلغ کے حق میں دعائے خیر تک نہیں کرتے۔ مزار کے سرہانے چراغ دان ضرور موجود ہے مگر کوئی چراغ نہیں جلتا۔ شاید زمانے نے اس عظیم ہستی کو تہی دست اور مفلس سمجھ رکھا ہے یہی ایک جواز ہوسکتا ہے۔ کیونکہ

زمانہ لاکھ مروت سے کام لے پھر بھی
چراغ گور غریباں جلے جلے نہ جلے

لاہور کے پہلے مسلمان حکمران غلام ایاز کے بسائے ہوئے شہر لاہور کے یکی دروازے سے میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ آ رہا تھا اور سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں طوفان بپا تھا۔ مرشد کے حکم کی وضاحت ہوچکی تھی۔ خطہ لاہور کو مسلسل روشنی کی ضرورت تھی اور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ وہ آفتاب تھا جو ۱۱ شعبان ۴۳۱ھ والے دن اس خطہ تاریک پر طلوع ہو رہا تھا۔

آفتاب سلوک نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا، احمد حمادی اور ابوسعید لپک کر شریک جنازہ ہوئے۔ درویش کا عقیدت مند سوختہ ساماں رام چندر جنازے کے پیچھے سرنگوں جارہا تھا۔ آنکھ کے دریچوں سے گویا جان رس رس کر خارج ہو رہی تھی۔ سیّد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی رسان سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ رام چندر نے اشک بار آنکھوں

سے غم گسار کو دیکھا اور سیلاب کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''عزیزم! حوصلے سے کام لو۔ جو آیا ہے اسے آخر جانا ہے۔'' سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مرہم تسلی سے نوازا۔

''جناب مجھ پر جو بیت رہی ہے آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ میں تو لٹ گیا، برباد ہو گیا۔'' رام چندر نے لرزیدہ لہجے میں کہا۔

سید رحمۃ اللہ علیہ نے نگہ التفات سے نوازنے کے بعد صرف اس قدر کہا ''صبر کا دامن تھام لو گے تو لٹی ہوئی دولت مل جائے گی۔'' شاید یہ طلسمی الفاظ تھے کہ اس سوختہ ساماں کو جیسے قرار سا آ گیا۔

''آپ کی اچھیا کا پالن کرنا ہی پڑے گا۔'' رام چندر نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ سیّد رحمۃ اللہ علیہ نے آداب جنازہ کے مطابق میت کو کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد کاندھا دیا۔ سرہانے سے پائنتی کی جانب آئے۔ بار ولایت ایک کاندھے سے دوسرے کاندھے پر منتقل ہو گیا۔ وہ بوجھ اگر پہاڑ پر آ گرتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ سیّد رحمۃ اللہ علیہ نے بار ولایت برداشت کرنے کے بعد بستی کی جانب دیکھا اور زیر لب کہا ''ردائے لاہور تو جگہ جگہ سے تار تار ہے۔ رفو کا اتنا زیادہ کام؟'' واقعی جن کے مرتبے بلند ہوں ان کی آزمائشیں بھی سوا ہوتی ہیں۔ ''حفظ مراتب'' خیال رکھنا ہی پڑتا ہے۔

سلطنت اسلامیہ انتشار کا شکار ہوئی تو آل سادات کے افراد دنیاوی حکمرانوں کے شر سے بچنے کی خاطر دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کر گئے۔ سادات عظام میں سے ایک گھرانا غزنی آ بسا۔ دنیاوی جاہ و حشم سے محرومی کے باوجود سادات کا یہ گھرانہ علم و فضل کی دولت سے مالا مال تھا چنانچہ یہ خاندان غزنی میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سیّد عثمانؒ غزنی کے ایک محلے جلاب کا وسنیک تھا جو قریبی محلے ہجویر کی ایک پابند صوم و صلوٰۃ خاتون سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا۔ سیّد عثمان کے ہاں اسی سیدزادی کے بطن سے ۴۰۰ھ کے لگ بھگ ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام علی تجویز کیا گیا۔ گویا اس بچے

Marfat.com

کا تعلق جلاب اور ہجویر دونوں محلوں سے تھا۔ سیّد عثمان کا لختِ جگر نورِ ہدایت کا سرچشمہ اور تاریکی ہند کے لئے آفتاب عالم تاب ثابت ہوا اور علی ہجویری جلابی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے برصغیر میں مشہور ہوا۔ خلقِ خدا نے اسے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہا۔

اس ولی وقت کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے امام حسنؓ سے جا ملتا ہے جس کی تفصیل درج ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بن عثمان بن علی بن عبدالرحمان، بن شاہ شجاع بن ابوالحسن بن حسن اصغر بن سیّد زید بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی المرتضیٰ شیرِ خدا۔

حسب دستور بچے کو چار برس کی عمر میں حروف شناسی کے بعد تعلیم قرآن سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اہل خاندان کو یوں محسوس ہوا جیسے تشنہ لب کے ہونٹوں سے جام شیریں لگا دیا جائے۔ جیسے مچھلی کو ذخیرۂ آب فراہم کر دیا جائے۔ جس کام میں دل کی رغبت اور روح کا میلان دونوں شامل ہو جائیں تو اس کی ہر دشواری دور ہو جاتی ہے۔ شدت طلب ایسے ہی رنگ دکھایا کرتی ہے۔ قرآنی تعلیم پایہ تکمیل تک پہنچی تو زبانوں پر عبور کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا۔ عربی، فارسی کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کی گئی۔ پھر فقہ اور تفسیر کی باری آئی۔ علم کلام اور منطق کے بعد فلسفے کو زیر کیا گیا۔ یہ ایک لحاظ سے عمر عزیز میں آنے والی مہمات کو سر کرنے کی تربیت تھی۔ علوم کے سمندر میں غوطہ زن ہونا ضروری تھا تاکہ اس کا استعمال برمحل اور بروقت ہو سکے۔ دوسروں کی جہالت کے خلاف صرف اسی صورت میں برسرِپیکار ہوا جا سکتا ہے جب اپنے اندر کا ہر گوشہ منور ہوا۔ علوم ظاہری کی تکمیل نابغہ روزگار قسم کے اساتذہ نے کی۔ شیخ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی، شیخ ابوالقاسم گرگانی، احمد بن محمد قصاب، ابوعبداللہ بن علی، جوتستانی کے نام مشہور ہیں۔ ابوسعید فضل اللہ بن محمد، مظفر بن احمد بن حمدان جو آسمان فلسفہ کے آفتاب عالم تاب تھے۔ ان کے علاوہ سیّد موصوف نے شیخ ابوالقاسم عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ بن ہوازن القشیری کے آگے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ہر استاد نے کاتبِ تقدیر کی رضاجوئی کے

Marfat.com

لئے صدق دل سے شاگرد رشید کو علوم وفنون سے آراستہ و پیراستہ کیا۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ عہد اضطراب میں داخل ہوئے۔ کسی دست حق پرست کی تلاش میں مارے مارے پھرنے لگے۔ شاہین اگر ابر پاروں کے اوپر محو پرواز ہو تو اسے زیر دام لانے کے لئے کسی ماہر صیاد کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور بلند پرداری میں سیّد موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے مقابل کوئی نہ تھا۔ لہٰذا صیاد بھی کوئی بلند مرتبت ہونا چاہئے تھا۔ ملک شام کی سمت سے خوشگوار ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ اس طرح آپ نے شام کا سفر اختیار کیا جہاں سلسلہ جنیدیہ کے پیشوائے طریقت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے منتظر تھے۔

محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ صاحب جلال و جمال قسم کے درویش تھے۔ بحیثیت مجموعی شان جلالی مزاج پر غالب تھی۔ رسوم و قیود میں جکڑے ہوئے صوفیا کو درشتی سے دھتکار دیتے تھے۔ صوفیانہ لباس تک سے گریز فرماتے۔ بقول سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان جیسی باہیبت شخصیت اس عہد میں اور کوئی نہ تھی۔ ''دنیا کو دھتکارا جائے تو یہ سائے کی طرح پیچھا کرتی ہے۔'' کے مصداق ختلی رحمۃ اللہ علیہ گوشہ تنہائی کی تلاش میں پہاڑوں کی جانب نکل جاتے مگر لوگ پھر بھی پیچھا نہ چھوڑتے۔ دلائل ولایت سے مسلح یہ دورلیش عموماً جبل لکام میں قیام پذیر ہوتے۔ یہ سلسلہ کوہ لبنان کا وہ حصہ ہے جو انطاکیہ کے قریب ہے۔ گوشہ نشینی کی تلاش والا سلسلہ ساٹھ برس پر محیط ہے۔ اس طویل جدوجہد کے بعد خلق خدا کے ذہنوں سے اپنا نام محو کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اہل نظر کے ہاں ان کی قدر و منزلت دگنی ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے غزنی سے شام تک کا سفر طے کیا۔ دکانیں تو ہر شہر کے کوچہ و بازار میں کھلی تھیں مگر جوہری کو کانچ کے ٹکڑے نہیں ہیروں کی تلاش تھی۔

سلسلہ جنیدیہ کے بزرگان حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع کرنے والے مشائخ کے برعکس صحو (ہوش مندی) کو سکر (عالم مدہوشی) پر فوقیت دیتے

Marfat.com

تھے۔ بقول سیدؒ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سکر باز بچہ اطفال کے مانند ہوتا ہے اور صحو مردانِ حق کا میدان فنا۔ شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ صحو کے مرد میدان تھے جوان کے وسیع ظرف کی دلیل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدؒ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے کو پسند فرمایا۔ سلسلہ جنیدیہ میں شمولیت کی ایک اور بھی وجہ سمجھ میں آتی ہے، یعنی یہ سلسلہ حضرت علی شیر خدا تک جا پہنچتا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ مرید شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ علی حضری رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی تربیت کا آغاز ہوا تو مرشد نے پہلا سبق دیا ''عزیزم! رزق کا استعمال دو وجوہات کی بنا پر جائز ہے۔ سلسلہ تارنفس بحال رکھنے اور یاد خدا کے لئے توانائی حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں۔ ہر فالتو لقمہ ہمارے مسلک میں حرام گردانا جاتا ہے۔ زیادہ سونے سے پرہیز لازم ہے کہ یہ غفلت کی نشانی ہے۔ غفلت بھی ہمارے مسلک میں کبیرہ گناہ کے زمرے میں آتی ہے۔ گناہ و ثواب کا معیار عوام اور خواص کے لئے مختلف ہوتا ہے۔ ایک عام فرد بشر جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرلے اس کا نامہ اعمال صاف رہتا ہے جب کہ نیک اعمال کی نیت کر لینے سے نامہ میں صفات کا اندراج شروع ہو جاتا ہے۔ خواص کے لئے یہ دستور نہیں۔ اس میدان میں مکروہات میں ملوث ہونا تو دور کی بات ہے، سہل پسندی اور غفلت ہی سالک کو لے ڈوبتی ہے۔ تیسری شے گفتگو سے حتیٰ الامکان گریز۔ اس لئے کہ لوکلام الفضہ السکوت الذہب'' اگر کلام چاندی ہے تو خاموشی اختیار کر لی جائے۔'' یہ کہہ کر مرشد نے مرید باصفا کی جانب بغور دیکھا اور کہا'' میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ تمہیں گفتگو کی اشد ضرورت پیش آئے گی۔''

Marfat.com

اس درس کا متن مختصر الفاظ میں صرف یہ تھا کہ کم کھانا، کم سونا اور گفتگو سے پرہیز...... جس تربیت کا آغاز اس انداز کا ہو اس کی انتہا کیا ہوگی! اس کا اندازہ صرف اہل دل ہی لگا سکتے ہیں۔ راہ سلوک کی منازل طے ہونے لگیں۔ ایک روز جب آپ کنج تنہائی میں محو مراقبہ تھے تو خیالات منتشر ہونے لگے، یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ آپ کو اس سے پہلے کبھی اس دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہ ابلیس لعین کا پوشیدہ وار تھا۔ اتنے میں ایک نورانی صورت بزرگ اس ویرانے میں آتے دکھائی دیے۔ یہ چونکہ خلاف معمول بات تھی لہٰذا آپ بڑے حیران ہوئے۔

''علی، حیران ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہم کچھ لینے نہیں دینے آئے ہیں۔'' بزرگ کے انداز تخاطب سے آپ اور بھی حیران ہوئے۔

آپ کا تعارف ہو جاتا تو بندۂ ناچیز کی الجھن دور ہو جاتی۔ ''سید موصوف'' نے بصد احترام کہا۔

یہ خضرؑ سے پہلی ملاقات تھی جو آخری ہرگز نہ رہی۔ خضرؑ نے رضائے الٰہی کے عین مطابق علوم باطنی تفویض کیے۔ سیّد موصوف کا انتشار ختم ہو گیا اور برسوں مہینوں کا سفر دنوں میں طے ہونے لگا۔ ملک شام ہی میں آپ کے ساتھ ایک بڑا خوش گوار واقعہ پیش آیا جو مراتب کی بلندی کا پیش خیمہ تھا۔

آپ رئیس العاشقین بلال رضی اللہ عنہ کے روضہ اطہر پر مصروف دعا تھے کہ اونگھنے لگے۔ اس طرح تربت کے سرہانے ہی سو گئے۔ عالم خواب کا منظر اتنا خوشگوار تھا کہ آپ کا انگ انگ کیف وانبساط میں ڈوب گیا۔ مکہ معظمہ کا ماحول تھا۔ سیّد موصوف رحمۃ اللہ علیہ مطاف میں حاضر تھے کہ رحمت دو عالمؐ باب شبیہ کی جانب سے تشریف لائے۔ ایک عمر رسیدہ شخص ان کی بغل میں تھا۔ یہ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے کوئی شفقت سے مجبور لاڈلے بچے کو بغل میں لیتا ہے۔ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لپک کر پائے رسول کو بوسہ دیا اور ساتھ ہی سوالیہ نگاہوں سے چہرۂ پرانوار کی جانب دیکھا۔ حضورؐ امتی کا مفہوم پا گئے

Marfat.com

اور فرمایا ''یہ عمر رسیدہ شخص تمہارا امام یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔''

خواب سے بیدار ہوئے تو مزار بلال رضی اللہ عنہ کا ماحول معطر پایا۔ اس خواب سے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مقام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کو دوام حاصل ہے اور یہ اوصاف شرع کے قائم کرنے والے یعنی حضور پر نورؐ کے طفیل ہے۔ چنانچہ آپ حنفی مسلک پر نہ صرف قائم رہے بلکہ اس کے پر جوش مبلغ بھی تھے۔ آپ نے ایک نہایت لطیف نکتے کی بات کہی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جب سیّد موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے عالم رویا میں دیکھا تو وہ اپنے قدموں سے نہیں چل رہے بلکہ ان کے حامل اور رہبر خود حضورؐ تھے یعنی امام موصوف ''باقی الصفت'' نہیں تھے ورنہ اپنے چلنے والی صفت کا مظاہرہ ضرور کرتے ''باقی الصفت''، اجتہادی امور میں مخطی ہوسکتا ہے یا مصیبت۔ چونکہ انہیں اٹھا کر چلنے والے خود حضور پر نورؐ تھے، لہٰذا امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ اپنی صفات سے فانی اور صفات رسولؐ کے حوالے سے باقی ہوئے۔ لہٰذا ان سے خطا کا صدور ممکن نہیں۔

ہر پل، ہر گھڑی عشق الٰہی میں غرق رہتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کروٹ کروٹ اسے یادوں میں بسانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نو عمری ہی میں مقام ولایت پر فائز ہو گئے اور مرشد نے خلافت عطا فرما کر خدمت دین کا حکم دیا۔ اس طرح دور سیاحت کا آغاز ہوا۔ اس سیاحت کے دوران مختلف مشائخ سے ملاقات ہوئی اور روحانی تقویت نصیب ہوتی رہی۔ ایران، عراق، شام، ترکی، عرب، ماوراالنہر، آذربائیجان، خراسان، طبرستان، قستان، کرمان اور خوزستان کے وسیع وعریض علاقوں میں گھومتے رہے۔ اس سفر کی تفصیل رقم کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔ دورہ لاہور سے پہلے پیش آنے والے دو ایک واقعات کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اہل دل حضرات سیم وزر کو پائے حقارت سے ٹھکراتے رہے ہیں۔ یہی رویہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ قیام شام کے دوران کسی ضرورت مند نے دست سوال دراز کیا

Marfat.com

تو آپ نے اس کی حاجت خندہ پیشانی سے پوری کردی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی مگر پیشہ ور گداگروں کے کانوں میں اس کی بھنک پڑی تو وہ مکھیوں کی طرح آپ کے گرد بھنبھانے لگے۔ جو کچھ آپ کی ملکیت میں تھا سب کچھ حاجت روائی میں صرف ہو گیا۔ سائل کو خالی ہاتھ لوٹانا آپ کے بس میں نہ تھا۔ معاملہ اس حد تک جا پہنچا کہ قرض لے لے کر سائلوں کو عطا کرتے رہے۔ یہ شیطانی ہتھکنڈا تھا جس سے ابلیس لعین خیالات میں انتشار پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے وسائل کو نظر انداز کر کے خرچ کیا جائے تو مسائل پیدا ہوتے ہیں اور مقروض انسان یکسوئی سے نہ عبادت کر سکتا ہے نہ کچھ سوچ سکتا ہے۔ قرض خواہوں کے تقاضوں سے طبیعت بڑی مکدر ہوئی مگر کشادہ دستی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ بعض اوقات ایک عام سا آدمی بھی بڑی خاص بات کر جاتا ہے۔ اگر کوئی غیر معمولی بات، معمولی انسان کے منہ سے نکلے تو بات کی افادیت میں کمی واقع نہیں ہو جاتی۔ معمولی غوطہ خور سمندر کی سہہ سے قیمتی موتی نکال لائے تو وہ بہر حال موتی ہی رہتا ہے اور یہاں تو معاملہ ولی وقت کا تھا۔ اولیاء کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے خالق کائنات نے جو بشری وسیلہ بنا رکھا ہے اسے ''صیر فی'' کہتے ہیں۔ انائے دوست کے مدنظر ایک ''صیر فی'' نے آپ سے ملاقات کی۔

''محترم کیا پریشانی ہے؟'' اس شخص نے دریافت کیا۔

''سائلوں کی حاجت روائی کرتے کرتے مقروض ہو چکا ہوں۔ عبادت میں لذت نہیں رہی۔'' سید رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار تفکر کیا۔

''خیر الامور اوسطہا۔ بہترین امور میانہ روی کے ہوتے ہیں۔'' اس ہمدرد نے نکتے کی بات بیان کی۔

''مگر مجھ سے کسی کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔'' سید رحمۃ اللہ علیہ نے دل کی بات کہہ دی۔

''اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ آپ کوشش کر کے میانہ روی اختیار فرمائیں۔''

Marfat.com

اس ہمدردی کی بات آپ نے پلے باندھ لی۔ سوائے عشق الٰہی کے ہر معاملے میں عمر بھر میانہ روی اختیار کیے رکھی۔

غزنی میں ایک چرب زبان ہندو فلسفی سے ٹکراؤ کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب عمر عزیز صرف اکیس برس تھی یعنی ۴۲۱ھ میں۔ عہد محمود غزنوی کے آخری ایام تھے۔ شنکراچاریہ کی تعلیمات کے طفیل ہندومت کا احیاء ہو چکا تھا۔ ہندو برہمن سوائے اپنے کسی کی علمی فضیلت کا اعتراف کرنا مہاپاپ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی ملک تھا تو صرف ہند اور اگر کسی کے پاس علم تھا تو بس ہندو فلسفی۔ ان کے اذہان میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی کہ ہندو برہمنوں کے علاوہ کوئی اور بھی ودیا ساگر (علم کا سمندر) ہو سکتا ہے، اور اگر کوئی علمی موشگافی کر بیٹھتا ہے تو وہ بے ساختہ سوال کرنے کے عادی تھے کہ اتنی گہری بات آپ نے کس ہندو گرو سے سیکھی؟ یہ مناظرہ یا علمی مباحثہ سلطان محمود غزنوی کی موجودگی میں ہوا۔ محمود غزنوی چونکہ سترہ بار ہندوانا کو چور چور کر چکا تھا، لہٰذا ان کے فلسفی اور دانش ور حملہ آور کے اس اقدام کو علمی میدان میں چیلنج کیا کرتے تھے۔ مسئلہ جہاد زیر بحث تھا۔

''جس دین میں قتل جزو ایمان ہو وہ دین انسانیت کی فلاح کا مدعی کیسے ہو سکتا ہے؟'' ہندو فلسفی نے سوال کیا۔

''جس طرح تخریب کا مزدور تعمیر کا معمار ہوتا ہے۔'' سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر مگر مدلل جواب دیا۔

''آپ کے پاس ایک (بزعم خویش) اچھی چیز ہے وہ دوسروں پر زبردستی کیوں تھونپتے ہیں؟ بزور بازو تبلیغ دین دھرم کی خامیوں پر دلالت کرتی ہے۔'' بظاہر ہندو فلسفی کی بات صداقت پر مبنی دکھائی دیتی تھی۔

''ہم دین کے معاملے میں زبردستی کے ہرگز قائل نہیں۔ یہی ہمارے مرشد اول کا فرمان ہے اور یہی خدائی حکم۔''

Marfat.com

سید رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیت کی تشریح پیش کی تو ہندو فلسفی زیر لب مسکرانے لگا۔ یہ وہی مسکراہٹ تھی جو پنچھی کو زیر دام آتے دیکھ کر صیاد کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگتی ہے۔

''طلوع اسلام کے وقت سے آپ کے تین مطالبے چلے آرہے ہیں۔'' فلسفی نے وضاحت کی۔ ''اور یہ مطالبے ہر جنگ سے پیشتر آپ کے اسلاف دہرایا کرتے تھے۔ اول ہمارا دین قبول کرو۔ دوئم جزیہ ادا کرو۔ سوئم ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ زبردستی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا اسی کا نام جہاد ہے؟''

فلسفی کا یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔ محمود غزنوی نے بھی بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس کا اپنا کردار ہدف بن رہا تھا اور بادی النظر میں بات سچ دکھائی دے رہی تھی مگر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا جواب دیا جو تا قیامت چرب زبانوں کا منہ بند کرنے کو کافی تھا، اور رہے گا۔

''ہر سچائی جو دل کی گہرائیوں میں بسیرا کر لے اظہار کا تقاضا کرتی ہے۔'' سید رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے دھیمے لہجے میں آغاز کیا۔ ''انسان کی سب سے بڑی عدالت اس کے اپنے اندر کی عدالت ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنی سچائی کا اظہار نہیں کرتا تو اندر کی عدالت اسے منافق قرار دے دیتی ہے یا تو وہ اس سچائی سے تائب ہو جائے یا پھر اسے دلائل سے منوائے۔''

''اور شمشیر آپ کے ہاں بڑی مؤثر دلیل ہے۔'' فلسفی نے مداخلت کی۔

''مؤثر نہیں، سب سے آخری۔ وہ اس لئے کہ پورے جسم میں ناسور پھیلنے سے پیکر خاک کا چھوٹا حصہ کاٹ دینا ہی مناسب ترین فیصلہ ہوا کرتا ہے۔ اگر حریف تلوار سونت کر میدان میں اتر آتا ہے تو اسے دلائل سے قائل نہیں کیا جا سکتا، گھائل کرنے کے بعد سینے سے ضرور لگایا جا سکتا ہے۔'' اب سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا لہجہ بلند ہوتا جا رہا تھا ''ایک نادان بچہ رنگین شعلوں کی طرف لپکے تو اسے روکنے کے لئے سختی بھی کی جا سکتی

Marfat.com

ہے۔ ہمارے اسلاف دعوت حق اس لئے دیا کرتے تھے کہ حریف کو سینے سے لگا سکیں اور تاریخ شاہد ہے کہ دعوت قبول کرنے والے کا، ایک پل میں دعوت دینے والے سے مضبوط ترین رشتہ استوار ہو جایا کرتا تھا، ایک رشتہ جو اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دینے کا سبق دیتا تھا اور اس کا زبانی نہیں عملی اظہار چاہتا تھا۔ اگر کوئی گروہ یا شخص اس دعوت کو جو دلیل اول ہوا کرتی تھی، رد کر دیتا تو اس کو نفسیاتی سزا دی جاتی۔ حکومت کا حق اس سے چھین لیا جاتا کیونکہ حکومت کا حق صرف انسانوں کو ہے۔ جو شخص چمکنے والے سورج کا انکار کر دے وہ حیوانی سطح پر گر جاتا ہے۔ بہت سی بھیڑیں جب اندھے کنوئیں میں گرنے لگیں تو چند ایک کو لاٹھی سے مار کر بھگا دینا عین دانشمندی ہے۔ سارے ریوڑ کی فلاح کے پیش نظر چند کو ہلاک بھی کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

''جزیہ دیتے وقت انسان کو ہر پل نچلی سطح پر گرنے کا احساس ہوتا رہے گا اور یہی احساس اسے سوچنے پر مجبور کرے گا اور یہی سوچ اسے راہ راست پر لے آئے گی۔ اگر وہ عمر بھر گمراہی میں مگن رہنے کا فیصلہ کر لے تو بھی خسارے والا سودا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ گمراہی اس فرد یا چند افراد تک محدود رہے گی۔ اقتدار پر ایک گمراہ شخص فائز ہو جاتا ہے تو اپنی گمراہی کو پھیلانے کی صلاحیت کا مالک بن جاتا۔ وہ مجسم برائی کے سرچشمے کا روپ دھار لیتا ہے۔ عقل کا یہی تقاضا ہے کہ اس کا قلع قمع کر دیا جائے۔ کسی شخص کو برائی پھیلانے کا کوئی حق نہیں خواہ وہ بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ۔ یعنی برائی کو اصالتاً پھیلائے یا وکالتاً۔ ایک شخص آپ کے سینے سے لگنے کے لئے تیار نہیں، برائی پھیلانے کا حق طلب کرتا ہے، آپ کے نزدیک اس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟'' علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال کیا تو فلسفی تذبذب کا شکار ہوا۔

''آپ اس پل میری دعوت قبول کر لیں میں صدق دل سے آپ کو عمر بھر کے لئے سینے سے لگانے کو تیار ہوں۔'' درویش حق رحمۃ اللہ علیہ نے پیش رفت جاری رکھی '' گلے ملنے سے مراد گزند پہچانا ہمارے لئے حرام اور ایک دوسرے کی صدق دل سے معاونت ہم

پر فرض ہو جائے گی۔ کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں؟'' سیدّ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے اس سوال پر فلسفی بدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ہر مقام و مرتبے کا برہمن، مسلمان کو اچھوت سمجھتا تھا۔

''محترم! اسی غیر فطری رویے کو ہم انسانی سطح سے گرنے کا نام دیتے ہیں۔'' درویش نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ''ہماری دعوت قبول کر کے ہمارے سینے سے لگ جائیں یا جزیہ ادا کر کے احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں۔ برائی پھیلانے کا حق طلب نہ کریں۔ ہمارے خلوص کا تو یہ بھی تقاضا ہے کہ اگر آپ خود کو گزند پہنچانے کی کوشش کریں تو ہم اس میں بھی مزاحمت پیش کریں کیونکہ ہم کو خبر ہے کہ آپ بے خبر ہیں۔''

واضح ہو کہ اس مباحثے کے وقت سیدّ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف اکیس برس تھی۔ اکتیس برس کی عمر میں جب آپ لاہور تشریف لے آئے تو آپ نے پیغام محبت سے خلق خدا کی تسخیر کی۔ فلسفی نے جہاد پر نکتہ چینی کی تھی۔ لہٰذا جزو ایمان کا دفاع ضروری تھا۔ درویش اس حدیث سے بھی واقف تھا کہ جس دل میں جہاد کی تڑپ نہ ہو وہ ایمان سے خالی ہوتا ہے۔ اسی عقیدے کو تو غیر مسلم، سینہ مسلم سے خارج کر دینے کی سعی لاحاصل میں مبتلا رہے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ سچائی اور حقیقت مطلقہ کیا ہے؟ تو اس کو فلسفیانہ موشگافیوں سے الجھایا ضرور جا سکتا ہے۔ کامل یقین کا تقاضا یہی ہے کہ جس حقیقت پر ایمان ہو اس کی تشہیر کی جائے اور یہی سیدّ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا عمر بھر رویہ رہا۔ اگر کوئی شخص ایک حقیقت کو تسلیم بھی کرتا ہے اور اسے دوسروں تک نہیں پہنچاتا تاکہ دوسرے بھی اس سے استفادہ کر کے اپنی عاقبت سنوار لیں تو وہ نہ صرف منافق بلکہ انسانیت دشمن بھی ہے۔ جب اس ہندو فلسفی سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ اپنے آبائی مزاج پر اتر آیا۔

''اگر آپ سچے ہیں تو کوئی کرامت دکھائیں۔ کوئی مافوق الفطرت عمل پیش

Marfat.com

کریں۔ ''فلسفی نے کہا''یا میں آپ کو چمتکاری دکھاتا ہوں۔''

ہندو جوگی سنیاسی اس عمل میں مہارت تامہ کے مالک تھے اور انہی شعبدوں کے طفیل خلق خدا کا ناطقہ بند کیے ہوئے تھے۔ سیّد موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق شعبدہ بازی شعائر ایمان میں جائز نہیں تھی۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟'' سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنجیدگی سے پوچھا'' کیا میں آپ کو پرندوں کی طرح ہوا میں اڑ کر دکھاؤں؟'' سیم وزر کے پہاڑ پیش کروں؟ آپ کی ہتھیلی پر چمکتا ہوا سورج رکھ دوں؟'' اب آپ کا لہجہ شمشیر براں جیسا تھا۔''ایسی دلیل طلب فرما رہے ہیں جو کوئی دلیل ہی نہیں۔''

''ہمارے ہاں سچائی کا یہی معیار ہے۔'' فلسفی نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

''اگر آپ کو یہی پسند ہے تو بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟'' درویش نے پر جلال انداز میں کہا۔ تماشائی مہر بہ لب کسی ان ہونی کے منتظر تھے۔ چند ایک ایسے بھی تھے جو اس نوعمر مبلغ کی شکست کو صاف دیکھ رہے تھے جو بہت بڑا دعویٰ کر رہا تھا۔ ہر فصیل جاں میں دل دھڑک رہا تھا اور ہر چشم تماشا محو انتظار تھی۔

''میں آپ کی ہتھیلی پر''لدراس'' دیکھنا چاہتا ہوں۔ ابھی اور اسی پل۔'' ہندو چمتکار نے عجیب وغریب مطالبہ پیش کیا۔''لدراس'' نیپال میں پائے جانے والے منفرد نوعیت کے حامل شجر کا پھل ہوتا ہے جو نہایت قلیل مقدار میں شجر پر لگتا ہے۔ اس کا دانہ رنگین چمکتے موتی کی طرح ہوتا ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق جس کی ملکیت میں لدراس ہو اس پر دولت کی لکشمی دیوی کی خاص نظر کرم ہوتی ہے۔ یہ پھل صرف چند روز کے لئے مخصوص موسم میں لگتا ہے۔

''یہ نہایت واہیات مطالبہ ہے۔'' محمود غزنوی مداخلت کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ جو شمشیر کو دلیل مانتا اور گردانتا تھا ایک مبلغ کی متوقع شکست کیسے برداشت کر سکتا تھا!

''سلطان معظم، آپ مداخلت سے گریز کریں۔'' منصف نے محمود غزنوی کو ٹوکا

Marfat.com

''نوجوان مبلغ دین چیلنج قبول کر چکا ہے اسے ''لدراس'' ہتھیلی پر دکھانا ہوگا ورنہ اس کی شکست کا اعلان کر دیا جائے گا۔'' منصف نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔

پھر وہ ہوا کہ خلق خدا دنگ رہ گئی۔ چشم فلک نے ایسا نظارہ کاہے کو دیکھا ہوگا! درویش نے دست حق پرست دراز کیا اور اس کی ہتھیلی پر ''لدراس'' چمک رہا تھا۔ اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ۔ تماشائیوں کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ ہندو حریف کا رنگ فق ہو گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

سید علی ہجویری الجلابی رحمۃ اللہ علیہ نے سرزمین لاہور پر جس دور میں قدم رنجہ فرمایا شمالی ہند کے ان پرآشوب حالات کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ ملک ایاز شمالی ہند کا دل شہر لاہور کی ازسرنو تعمیر کر چکا تھا اور دل کی بہتر کارکردگی جسم انسانی کی سلامتی کی دلیل ہوتی ہے اسی طرح لاہور کی سلامتی اور امن وامان کو سارے خطے کا استحکام قرار دیا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے ۱۰۴۰ء والا یہ سال لاہور کی سیاسی بدبختی کا سال بھی تھا۔ اسی سال سلطان مسعود بن محمود غزنوی سلجوقی ترکوں سے شکست کھا کر عازم ہند ہوا۔ حسن ابدال کے قریب ماڑی گلہ میں اس کے جان نثار دستے نے بغاوت کی اور اسے پابند سلاسل ہو کر بصارت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مسعود نے اپنے سگے بھائی کی بصارت چھین لی تھی اب اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ محمود کے جانشین واقعی ناخلف ثابت ہوئے تھے۔ اس سیاسی انتشار کا اثر سرزمین پنجاب پر ہوا اور لاہور کو خطہ پنجاب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی شاید یہی وجہ تھی کہ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور آنا پڑا۔ بادشاہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا اور حسب توقع روٹی بوٹی کی تقسیم پر باہم دست وگریبان تھے۔ حالات کا تقاضا تھا کہ خلق خدا کے دلوں کی تسخیر کی جائے۔ شمشیر سے علاقے فتح ہوتے ہیں اور کلام نرم ونازک، دلائل اور برہان سے قلوب کو مسخر کیا جاتا ہے۔

برسبیل تذکرہ وادی کشمیر میں دیدارانی کا انتقال ہو چکا تھا اور خاندان موہرکوٹ کا راجا سنگرام راج تخت پر متمکن تھا۔ یہ راجا داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ورود لاہور کے

Marfat.com

ایک برس بعد تک زندہ رہا۔ اسی راجا کے ہاں لاہور کا حاکم ترلوچن پال پناہ گزین ہوا تھا اور سنگرام راجا نے اپنے وزیر تو نگ کو لشکر جرار دے کر محمود غزنوی کی سرکوبی کو بھیجا تھا مگر تو نگ کو منہ کی کھانا پڑی تھی۔

فصیل شہر لاہور کے باہر جہاں موجودہ مزار ہے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے قیام کیا۔ درویش کو خلق خدا سے تھوڑا دور ہٹ کر مناسب روحانی علاج کا اہتمام کرنا تھا۔ کامیاب ارتکاز کے لئے گوشہ تنہائی شرط اول ہے۔ لاہور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے دین فطرت سے متعارف ہو چکا تھا۔ سلطان مسعود بن محمود کے دور تک کلمہ گو بھی یہاں آ چکے تھے۔ ان میں علماء قیل وقال بھی تھے، ہنر مند شعبدہ باز بھی۔ خیر وشر کی کشمکش ہر دور میں ہر جگہ موجود رہی ہے۔ اسی رطب و یابس کا نام زندگی ہے۔ قابل ذکر حضرات جن سے درویش خدا کی ملاقات ہوئی ان میں شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اہل دل حضرات میں کیا جا سکتا ہے۔ وہ سفر آخرت کی تیاری فرما رہے تھے۔ جب سیّد موصوف رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملاقات کرنے پہنچے تو شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر نزع کا عالم طاری تھا۔ سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ وہ آنکھیں جو ہمیشہ کے لئے بند ہونے والی تھیں۔

''میری جان! اتنا بوجھ کیسے اٹھاؤ گے؟'' شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے متفکر لہجے میں کہا ''گھٹا ٹوپ اندھیرا...... صاحبان اقتدار، ہوس میں گرفتار...... اب سارا بوجھ تمہارے کندھوں پر ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں کر سکا۔''

''ایسا نہ کہیے۔''...... درویش نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ سے جو کچھ بن پڑا آپ نے کیا، اس ناچیز سے جو ہو سکا کر گزرے گا۔ ہمارا کام صرف حکم بجا لانا ہے۔ کامیابی تو رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔''

''میرے لئے دعا کرو کہ میرا انجام بخیر ہو۔'' پاک طینت بزرگ کو صرف انجام بخیر کی فکر تھی۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دست دعا بلند کیے تو ۷۸ سالہ شیخ حسام رحمۃ

اللہ علیہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

شہر سے باہر ویرانے میں علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ چٹکاروں کے شہر میں حالات پر غور و فکر فرماتے رہے...... خلق خدا کی توجہ حاصل کرنے کے لئے حسب روایت اور رسم رواج پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ ہوا۔ چند روز بعد ایک عمر رسیدہ خاتون جائے قیام کے قریب سے گزری۔ اس کے سر پر دودھ بھری گاگر تھی۔ آپ نے بڑے احترام سے اسے اپنے قریب بٹھایا اور گفتگو کا آغاز کیا۔

''محترم خاتون، یہ دودھ کہاں لے جا رہی ہو؟''

''رائے راجو کی نذر کرنے۔'' بڑھیا نے جواب دیا۔ ''ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ اگر ہم اپنے مویشیوں کا دودھ راجو مہاراج کی نذر نہ کریں تو دودھیل جانوروں کا دودھ خشک ہو جاتا ہے اور......'' بڑھیا کچھ کہتے کہتے مہر بہ لب ہوگئی۔ ''کہئے خاتون، مسئلہ کیا ہے؟'' درویش نے پوری توجہ سے مفلس خاتون کی الجھن دور کرنے کی کوشش کی۔

''اگر ہم دودھ کا نذرانہ پیش نہ کریں تو جانوروں کے تھنوں میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔''

''یہ سراسر ظلم ہے۔'' درویش نے متفکر لہجے میں کہا۔ ''رائے راجو کو دودھ کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو سنا ہے شہر کا نائب حکمران ہے۔''

''بس جی! بندے کی ہوس تو کبھی پوری نہیں ہوتی۔ بڑھیا نے دکھ بھری داستان بیان کرنے کے بعد کہا۔ ہم غریبوں کے منہ کا نوالہ چھن جاتا ہے مگر کیا کریں مہاراج، مجبوری ہے۔''

''دیکھو خاتون! آج یہ دودھ ہمیں دے جاؤ تمہارے مویشی اگر پہلے سے دگنا دودھ نہ دیں تو کل ہم سے دگنے دودھ کی قیمت وصول کر لینا۔'' درویش نے بڑھیا کی سمجھ کے عین مطابق بات کی......''

دوسرے روز وہ بڑھیا نہ صرف اپنے سر پر دودھ بھری گاگر اٹھا لائی بلکہ اس کے

پیچھے گوالنوں گوالوں کی لمبی قطار چلی آ رہی تھی جو اپنے جانوروں کا دودھ دگنا کروانے کی تمنا لئے آسرانہ درویش کی جانب اڈے چلے آ رہے تھے...... ولیٔ وقت نے کسی آنے والے کو مایوس نہیں کیا۔ سب کا نذرانہ قبول کرلیا اور خلق خدا دامن میں خوشیاں سمیٹے واپس ہوئی...... سیّدعلی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قیام گاہ دریائے راوی کے کنارے پر تھی۔ (اس دور میں دریا کی گزرگاہ یہی ہوا کرتی تھی۔) یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی کہ کوئی مہاجوگی، بڑی کرنی والا درویش دریا کنارے ڈیرا لگائے بیٹھا ہے اور خلق خدا کو فیض یاب کررہا ہے۔ رائے راجو کو خبر ہوئی تو وہ آتش زیرپا ہوا اور بھناتا ہوا درویش کے ٹھکانے آیا۔ جب اس نے درویش کو ایک نظر دیکھا تو اس کی بصیرت نے سوچ سمجھ کر اقدام کا فیصلہ سنا دیا۔

''مہاراج! آپ نے ہمارا دودھ کیوں بند کردیا؟'' راجو جوگی نے استفسار کیا۔

''نیک طینت لوگ خلق خدا کو فیض پہنچاتے ہیں ان کے منہ سے نوالے نہیں چھینتے...... تم نے یہ کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔'' درویش نے سرزنش کی۔

''آپ میں کوئی کمال ہے تو مجھے قائل کریں میں باتوں سے مرعوب ہونے والا نہیں۔'' راجو نے ترت جواب دیا۔ میں قائل بھی کرسکتا ہوں اور گھائل بھی، مگر سرعام شعبدے بازی اس ناچیز کو پسند نہیں...... اپنی ریاضت کا کمال تم پیش کرو تاکہ میں کوئی اندازہ لگا سکوں۔''

رائے راجہ نائب شہر ہونے کے علاوہ باکمال جوگی بھی تھا۔ خرق عادت کمالات دکھانا اس کا شعار تھا۔ اس نے پر تولنے والے انداز میں اپنے بازو بلند کئے اور پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنے لگا۔

''چرند پرند کی عادات اپنانے کا نام تمہارے ہاں ''کمال'' ہے واہ میاں جوگی مہاراج'' درویش نے انگشت شہادت سے اپنی نعلین کی طرف اشارہ کیا۔ جوتیاں ہوا میں پرواز کرنے لگیں بات یہیں ختم نہیں ہوئی فقیر کی جوتیوں نے جوگی پر حملہ کردیا اور ہدف محو

Marfat.com

پرواز جوگی کا سر پر غرور تھا۔ جوگی کی جان پر بن آئی چیختا چلاتا واپس درویش کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا سر ان کے قدموں میں رکھ دیا۔ ''مہاراج! شما کیجئے اور اس پاپ کی گٹھڑی کو سیدھا راستہ دکھایئے۔''

لاہور میں سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ رائے راجو کوئی معمولی شخصیت نہ تھا۔ بڑی کرنی والا جوگی مہاراج تھا وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا تو اس کے چیلے اپنے گرو کی اتباع میں دین فطرت پر ایمان لے آئے۔ لاہور میں پہلے مسلمان کو خدا کے درویش نے شیخ ہندی کا لقب عطا فرمایا اسی شیخ ہندی کی اولاد مزار داتا کی مجاور بنی۔ اس کے بعد لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

مسلمانوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھنے لگی۔ نطق فقیر میں وہ تاثیر تھی کہ لوگوں کے دل گداز ہو جاتے اور گداز دلوں کو گرفتار محبت ہونے میں وقت ہی کتنا درکار ہوتا ہے؟ ایک یا دو پل؟ پتھر دل کو اسیر کرنا البتہ بڑا دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔ آپ سے پہلے مسلمان حکمران کی وجہ سے لاہور میں چند ایک مساجد کا وجود ضرور تھا مگر ولی وقت کو درس و تدریس کے لئے ایک ایسی مسجد کی ضرورت پیش آئی جس کی بنیاد خالص تقویٰ پر استوار ہو لہٰذا درویش نے اپنے دست مبارک سے جائے قیام کے قریب ایک مسجد تعمیر کی۔ تکمیل تعمیر کے بعد ایک مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس مسجد کا رخ قبلے سے ذرا جنوب کی جانب دکھائی دیتا تھا۔ قیل وقال کے ماہرین پنجے جھاڑ کر ولی وقت کے پیچھے پڑ گئے۔

''اس مسجد کا رخ صحیح نہیں۔ یہ دین میں بدعت کبیرہ بلکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے۔'' علماء نے فتویٰ صادر فرما دیا، ولئ وقت کے دست حق پرست پر بیعت کرنے والے پریشان ہوئے تو آپ نے سب کو تسلی دی۔ آخر ایک روز چیدہ چیدہ حضرات کو مسجد میں نماز پڑھنے کی دعوت دی۔ امامت کے فرائض خود سرانجام دیئے اور نماز پڑھنے کے بعد مقتدیوں سے مخاطب ہوئے۔ ''آپ حضرات میں سے بعض کو اعتراض ہے کہ اس مسجد کا قبلہ درست نہیں، آج اس بات کا فیصلہ بھی کئے دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر آپ نے دست

Marfat.com

مبارک بلند کیا۔ مقتدی ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ کعبۃ اللہ اور مسجد کے درمیان حائل سارے پردے اٹھ گئے مسافتیں سمٹ گئیں۔ بیت اللہ ہر چشم تماشا کے عین سامنے تھا۔ دیدار بیت اللہ کے اس انداز کی تشریح بعد میں سلطان العارفین حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انداز میں کی۔

''مرشد دا دیدار باہو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو''

اعتراض کرنے والے شرمسار ہوئے تو اہل دل تماشائی مشکور وممنون۔ گھر بیٹھے بٹھائے بیت اللہ کا دیدار جو ہو گیا تھا اور شرمساری کا سبب یہ تھا کہ محراب مسجد اور بیت اللہ عین ''سیدھ'' میں تھے۔ سر مو فرق نہیں تھا۔

یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی جو زکوٰۃ کو ٹیکس کا نام دیتے ہیں اور اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ کہتے ہیں۔ کل کی سمجھ میں نہ آنے والی بات کا انکار کر کے ''جزو'' کی سمجھ میں آ جانے والی بات کے اسیر رہتے ہیں۔ یہی پرلے درجے کی جہالت ہے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لاہور میں یہ مسجد پہلی اسلامی درسگاہ تھی۔ تشنگان جوق در جوق آتے اور اپنی پیاس بجھاتے مسجد کے قریب ایک سادہ سا حجرہ تھا۔ اسی حجرے میں ولئی وقت کا قیام تھا۔ شروع شروع میں آپ بچوں کو پڑھایا بھی کرتے تھے پھر اچانک آپ نے یہ سلسلہ ترک کر دیا۔ ایک عاشق زار نے اس کا سبب پوچھا تو بڑا لا جواب، جواب دیا۔ ''حکومت کی بو دماغ میں پیدا ہونے لگی تھی۔'' یہ تھا خود احتسابی کا معیار، مقام ''گنج بخش'' پر فائز ہونا کوئی آسان بات تو نہیں۔ آفتاب، مقام سوز پر فائز ہو کر ہی روشنی فراہم کرتا ہے۔

سنت نبویؐ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آپ رشتہ ازدواج میں بھی منسلک ہوئے۔ پہلی شادی عنفوان شباب میں کی۔ شریک زندگی کا یہ ساتھ مختصر ثابت ہوا۔ شریک حیات چند سال بعد سفر آخرت اختیار کر گئی پہلی بیوی کی وفات کے بعد تجرد کا سلسلہ گیارہ برس تک

Marfat.com

قائم رہا۔ دوسری شادی کے متعلق حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے الفاظ پیش خدمت ہیں..... فرماتے ہیں۔

''میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں خداوند کریم نے مجھے گیارہ برس تک آفت اہل وعیال سے بچایا ہوا تھا مگر تقدیر نے مجھے ایک بار گرفتار بلا کر دیا اور میں ارادے اور خواہش کے بغیر زیر دام آ گیا۔ ہوا یوں کہ میں ایک بار بن دیکھے عشق مجازی میں گرفتار ہو گیا۔ یہ دور ابتلا ایک برس پر محیط ہے۔ قریب تھا کہ میرا دین وایمان تباہ ہو جاتا کہ مجھ پر حق تعالیٰ کی خاص نگاہ کرم ہو گئی اور ایک سال بعد میری خلاصی ہو گئی۔''

اس سے ایک بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دوسری شادی ایک برس تک رہی بہر حال یہ دونوں شادیاں ورود لاہور سے پہلے کے واقعات ہیں۔ ''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ'' میں شک وشبے کی گنجائش نہیں مگر کائنات میں صرف یہی ایک رنگ نہیں۔ صوفیاء عشق مجازی کو دور ابتلا کا نام دیتے ہیں کیونکہ یہ منزل نہیں یہی وجہ ہے کہ رب العزت کے خاص کرم نے ولئ وقت کو مجاز سے نجات دلا کر سپرد حقیقت کر دیا۔

آپ کی کنیت چونکہ ابوالحسن ہے لہٰذا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسری بیوی سے ایک لڑکا تولد ہوا ہوگا جس کا نام حسن رکھا گیا۔ وہ ضرور صغرسنی میں فوت ہو گیا ہوگا۔ یہ معاملہ گردش ایام کی دھند میں لپٹا ہوا ہے اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ دو مرتبہ لاہور تشریف لائے۔ پہلی بار ۴۳۱ھ میں یہ قیام ۲۱ برس پر محیط ہے۔ اس کے بعد آپ کو خدمت مرشد میں حاضر ہونا پڑا کہ مرشد کا سفر آخرت قریب تھا اور سید کے علاوہ کون اپنے محسن ومربی کو الوداع کہنے کی جسارت کر سکتا تھا۔ مرید کا قیام دم آخر بیت الجن میں تھا، لاہور میں قلب درویش سپرد اضطراب ہوا۔ بیتابی دل حد سے بڑھی تو آپ نے شام کا سفر اختیار کیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر دمشق اور بانیار کے درمیان مرشد کی ہستی بیت الجن واقع تھی۔ طالب ومطلوب برسوں بعد ملے شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے جس پودے کو آبیاری کی تھی وہ اب نخل ثمر بار بن چکا تھا۔ لاہوری

Marfat.com

سرگرمیوں سے شیخ بخوبی واقف تھے۔ آخری عمر میں اپنی محنت اکارت نہ جانے کی خوشی میسر تھی۔ جہاں دلی تعلق ہو دوریاں فاصلے بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

''عزیزم! کیسی گزری؟'' شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا۔

''بفضل خدا محنت رنگ لا رہی ہے۔ شب تاریک قریب الاختتام ہے۔'' علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بصد احترام جواب دیا۔

''جان جگر! اعتقاد کے متعلق چند باتیں گوش گزار کرنی ہیں۔'' مرشد کو دم رحلت بھی دین کی فکر تھی۔

''ارشاد فرمایئے بندہ ہمہ تن گوش ہے۔''

''ہر نوع کے حالات میں نیکی بدی کا خالق ''قادر مطلق ہے'' مرشد لب کشا ہوئے ''لہٰذا بندے کو لازم ہے کہ ہر حال میں کبیدہ خاطر نہ ہو۔ اگر بندہ رنج و غم کو دل میں بسیرا کرنے کی اجازت دیتا ہے تو یہ قادر مطلق پر نکتہ چینی کے مترادف ہے۔ عزیزم! اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا اور اب میرے قریب بیٹھ جاؤ مجھے دم آخر تم سے دوری پسند نہیں۔''

حضرت علی ہجویری نے مرشد کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ مرشد نے پرانوار نگاہیں شاگرد رشید کے چہرہ پر گاڑ دیں اور طائر روح کو قفس عنصری سے پرواز کی اجازت دے دی۔

دم آخر اس اعتقادی مسئلے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ تقاضائے بشری کے پیش نظر مرشد کو دیکھتے ہی حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رنجیدہ خاطر ہو گئے تھے۔ محسن و مربی کی جدائی کا دل پر اثر ضرور ہوا تھا مگر مرشد کامل نے جاتے جاتے حق ادا کر دیا۔ یہ واقعہ ۴۵۳ھ کا ہے۔

مرشد کی تجہیز و تکفین کے بعد ولئی وقت دوبارہ عازم لاہور ہوئے اور اپنے وظیفے کا عین اس جگہ سے آغاز کر دیا جہاں سے چھوڑ کر گئے تھے۔ کلام پر تاثیر وہ خدمت سرانجام دے رہا تھا جو تیر و تفنگ کے بس میں نہ تھی۔ دن کو تشنگانِ علم کی درس و تدریس، رات کو

Marfat.com

طالبان حق کی تلقین ورہنمائی ہوتی۔ کارکردگی کی جانب توجہ دینے کی فرصت ہی نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں منکرین سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے، ہزار ہا دیوانے عقل و ہوش کے دائرے میں آئے، ہزار ہا ناقص مقام اکملیت پر فائز ہوئے اور کاملوں کو رہنمائی نصیب ہوئی۔

درویش کامل ہونے کے ساتھ ساتھ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ عالم باعمل بھی تھے۔ ایسا عالم جو علوم ظاہری و باطنی کا گہرا اور بے کراں سمندر ہے۔ باطنی علوم کے متعلق ساحل پر کھڑا شخص لب کشائی کی جرات کیسے کر سکتا ہے البتہ اس بحر ذخار میں غوطہ زن ہستیوں کے بقول سیّد موصوف کی گہرائی کی حد تھی نہ انتہا۔ معین الدین چشتی جیسے حضرات جس ہستی سے فیض حاصل کرنے کو باعث صد افتخار گردانیں، نظام الدین اولیاء جس ہستی کی تصنیف کو مقام مرشد عطا فرمائیں اس کے کمالات میں لب کشائی کی جرات کون کرے الغرض ایک چشمہ فیض اُبل رہا تھا اور خلق خدا مستفیض ہو رہی تھی۔ گفتار اور کردار ہجویری ایک ایسا تند سیلاب تھا جس میں سارے مت دین دھرم کے نظریات خشک تنکوں کی طرح بہہ گئے آخر اس کی وجہ کیا تھی؟ ہند تو ہر نظریہ حیات اور تہذیب کے لئے کان نمک ثابت ہوا تھا۔ اس کا سادہ اور آسان جواب یہ ہے کہ سیّد موصوف نے جو نظریہ حیات پیش کیا وہ مقامی مخلوق کے دل میں اتر جانے والا تھا۔ تمام لوگوں کو ہمیشہ کے لئے بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ چند لوگوں کو ایک حد تک دام تزویر میں لانا ممکن ہے۔ سرزمین ہند تو ایسے بھی تشنہ لب تھی۔ برہمن مت کے گورکھ دھندے سے خلق خدا نے نجات حاصل کرنے کی بارہا کوشش کی مگر الہامی رہنمائی میسر نہ آنے کی بنا پر وہ از سر نو پرانے شکنجے میں جکڑی جاتی۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی خوبی تو یہ تھی کہ جو کچھ وہ کہتے اس پر پہلے خود عمل پیرا ہوتے گویا وہ محض گفتار کے غازی نہ تھے بلکہ کردار کے غازی بھی تھے۔ اسوہ حسنہ کا انہوں نے عملی نمونہ پیش کیا تو اس روشنی نے خلق خدا کے سینے منور کر دیئے۔ خلق خدا تو گویا اجالے کی تلاش میں تھی۔ کامیابی کی دوسری بڑی وجہ اس سچائی کی سادگی تھی جو دلوں میں

اتر جانے والی تھی۔ سرفہرست تخلیق کائنات کا تصور تھا۔

ہندوؤں میں تخلیق کائنات کا جو تصور رائج تھا وہ اتنا الجھا ہوا اور ناقابل فہم قسم کا تھا کہ دلوں کی تسکین نہیں ہو پا رہی تھی اول تو خالق کا تصور ہی عجیب و غریب تھا۔ پھر مختلف مکاتب فکر کے گروہ ایک دوسرے کی تردید فرما رہے تھے۔ مثلاً برہما نے کائنات ایک سنہرے انڈے سے پیدا کی۔ یہ انڈا کہاں سے آیا؟ ہندو روایت کے مطابق برہما نے پہلے بہت سا پانی پیدا کیا اس میں ایک بیج بویا۔ وہ بیج انڈے کی شکل وصورت اختیار کر گیا تو برہما نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ انڈے کا نصف حصہ سنہرا تھا جس سے آسمان معرض وجود میں آیا اور دوسرا حصہ روپہلا تھا جس سے زمین کی تخلیق ہوئی لیکن اس نظریے کے برعکس ہندوؤں کی جہان پستک لنگ پران میں برہما اور وشنو کو باہم دست وگریباں دکھا کر دونوں کی تخلیقی قوتوں پر خط تنسیخ کھینچا ہوا تھا اوشو لنگ کو خلقت کا بانی قرار دیا تھا۔ آریاؤں کے دیوتا جو ویدک تعلیم کے مطابق کائنات کے کرتا دھرتا تھے ایک دور میں پس پردہ چلے گئے۔ اندارتک کو بھلا دیا گیا اور شو شکتی کو کائنات کے کاروبار کا مالک و مختار بنا ڈالا گیا۔ ایک گروہ مظاہر قدرت کی پرستش کرتا تھا۔ آفتاب کے عاشق زار الگ تھے۔ سیّد علی ہجویری نے خدا اور اس کی وحدانیت کو متعارف کرایا اور اپنے پیش رو بزرگان کی تائید کی تو بات خلق خدا کے دل کو لگی۔ ایک سجدہ اگر ہزاروں سجدوں سے نجات دلا دے تو یہ سودا خسارے والا تو نہیں ہوتا۔ انسان جبلی طور پر خسارے والے سودے سے گریز کرتا ہے اور سود مند سودے کی طرف لپکتا ہے۔

خدا کی وحدانیت کے بعد تصور آخرت تھا۔ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایسا معاشرہ تھا جو تناسخ اور آواگون کے جال در جال میں جکڑا تڑپ رہا تھا۔ مکتی اور نجات کا ایک لامتناہی گورکھ دھندا تھا کہ ہندومت نے بالخصوص لوگوں کی مت ماری ہوئی تھی۔ آتما کبھی کتے کے جسم میں حلول کرتی کبھی گدھے کے۔ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و سنت کے مطابق خیر وشر کی تشریح کی جزا وسزا کا تصور پیش کیا۔ گناہ ثو' ۔ی وضاحت کی

Marfat.com

تو یہ سچائی بھی لوگوں کو من موہنی سی لگی۔ اور انہوں نے آواگون کے شکنجے کو ایک ہی جھٹکے سے توڑ ڈالا۔

رہی سہی کسر ہندومت کے نظام ذات پات نے پوری کر دی۔ شودر طبقہ ویش اور نچلا برہمنوں کی خاک پا بھی نہ تھے۔ نچلہ طبقہ پیدائشی بد بخت اور سوختہ ساماں تھا۔ اس جھوٹ کو خلق خدا کب تک برداشت کرتی۔ اسی محاذ پر تو بدھ اور جین مت کے وارے نیارے ہوئے تھے۔ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی مساوات کا عملی درس دیا تو لوگ گویا دیوانے ہو گئے۔ ساری زنجیریں توڑ کر انہوں نے دامن ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ یہ امید کی ایسی زنجیر تھی جسے وہ کسی طور پر ہاتھوں سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔

معاشرے میں عدل و انصاف کی داستان سنائی گئی۔ اسوہ حسنہ کے روشن پہلو خلق خدا کے سامنے رکھے گئے تو نچلے طبقے کے سارے زخم تازہ ہو گئے۔ ان کو وہ ناانصافیاں سپرد اضطراب کرنے لگیں جو برہمن مت نے ان سے روا رکھی تھیں۔ یہ عدل و انصاف کی کند چھری سے ذبح کرنا مہینوں برسوں کی بات نہ تھی، چند دنوں کا قصہ نہ تھا صدیوں پر محیط داستان خونچکاں تھی۔ اسلامی مساوات کے تذکرے نے گویا رستے ناسوروں پر ہم رکھ دیا۔

طہارت اور پاکیزگی کا تصور ہندومت میں مکروہ اور گھناؤنی قسم کا تھا۔ گائے کا بول و براز پوتر (پاک) تصور ہوتا تھا۔ جوگیوں سنیاسیوں کے بعض سمپردائے (فرقے) جسم پر گندگی ملنا جائز قرار دیتے تھے اس کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات کے مطابق طہارت کا جو تصور سیّد موصوف نے پیش کیا وہ پسندیدہ اور فطرت انسانی کے عین مطابق تھا۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا بڑا خوشگوار اثر ہوا۔ جوگ سنیاس میں غیر فطری رسوم اس قدر تھیں کہ انسانی ذہن عاجز آ چکا تھا۔ مکتی اور نجات کے لئے اتنے تکلیف دہ طریقے رائج تھے کہ خلق خدا ان سے کتراتی تھی۔ دنیا کو تیاگ کر پہاڑوں کی کچھاروں میں راہ فرار اختیار کرنا

عام سی بات تھی۔علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کے رطب ویابس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے نجات کے راستوں کی نشاندہی کی فصیل جاں کو کانٹوں کی سیج کے سپرد کرنا فضول اور لغو قرار دیا جو معاشرے کے ہر فرد و بشر کو پسند آیا۔

ہر معاشرے میں چند افراد دردِ دل کے مالک ہوتے ہیں وہ دنیا کے بکھیڑوں میں الجھنا پسند نہیں کرتے اور خالق سے خوشگوار تعلقات کو ہر شے پر فوقیت دیتے ہیں۔یعنی اپنے ظاہر کو سنوارنے سے زیادہ باطن کو زیادہ قابل توجہ گردانتے ہیں۔یہ عشاق کا گروہ ہر مذہب وملت میں پایا جاتا ہے۔ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی صفائی کا تصور اسلام میں بھی موجود ہے۔باطن کا سمندر تو ویسے بھی گہرا اور وسیع وعریض ہوتا ہے اس کی غواطی/غوطہ زنی ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔اہل ہنود میں یہ تصور غیر فطری قوانین کا مجسمہ تھا۔

ویسے تو مکمل ہندومت ہی رسومات کے مجموعے کا نام تھا مگر دھرم کا یہ محاذ ہجویری فکر نے ہدف خاص قرار دیا۔سیّد نے ایسے دل گداز حضرات کے لئے ایک ایسی کتاب تصنیف کی جو راہ سلوک کے مسافروں کے لئے تاحیات مینار نور کا درجہ رکھتی ہے۔اس کتاب میں انہوں نے اسلامی تصوف کے اسرار ورموز دل کش پیرائے میں کھول کر بیان فرمادیئے۔اس کے علاوہ غیر اسلامی تصوف ونظریات جو امت مسلمہ کے عقائد میں در آئے تھے ان کی نشاندہی بھی کردی۔تاکہ کوئی راہ سلوک کا مسافر بے خبری میں مارا نہ جائے۔یہ دینی خدمت عظمیٰ صدقہ جاریہ کا مقام رکھتی ہے اور تاقیامت آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہے۔یہ عوام الناس کے لئے بھی اتنی ہی مفید ہے جتنی خواص کے لئے، کیونکہ یہ اسلام کے پیغام محبت اور سلامتی کے پرچار کا دلنواز مرقع ہے۔اس کا نام انہوں نے کشف المحجوب رکھا یعنی اسرار ورموز کو کھول کر بیان کرنے والی کتاب مگر اس کتاب پر تبصرے سے پیشتر ان کی دیگر تصانیف کا مختصر سا تعارف بے حد ضروری ہے۔

منہاج الدین:۔ اس کتاب میں مناقب اہل صفہ مرقوم ہیں۔ وہ حضرات

Marfat.com

جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں علم دین کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ ان حضرات کی پہلی درسگاہ مسجد نبوی کے اندر موجود تھی اور یہی پہلی اسلامی یونیورسٹی تھی۔

کتاب الفناوالبقا: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں حقیقت فنا اور بقا پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بقا کے لوازمات کی نشاندہی اس کے درجات وغیرہ پر مدلل بحث پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان دو کتب کے علاوہ اسرار الخرق المونات پھر تصوف کی ایک حیران کن تصنیف ''کتاب البیان اہل العیان'' یعنی چشم بینا رکھنے والوں کے لئے مکمل وضاحت۔

بحر القلوب اور الرعایہ بحقوق اللہ یہ دونوں کتب علم کا سمندر ہیں۔

ولی وقت کو شعروشاعری سے بھی شغف تھا مگر ان کا دیوان زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

کشف المحجوب کی پذیرائی ہر مکتبہ فکر میں ہوئی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرشد کامل کا درجہ دیا۔ شرف الدین یحییٰ خیری، جہانگیر اشرف سمنائی رحمۃ اللہ علیہ، داراشکوہ قادری جیسے اہل قلم و دانش اور اس کتاب کی تعریف وتوصیف میں رطب اللساں رہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا سبب سیدّ علی ہجویری کے دست راس ابوسعید ہجویری تھے جو تصوف کے اسرار ورموز سے آشنائی کے تمنائی تھے۔ برصغیر میں اسلامی تصوف کی پہلی اور مکمل کتاب اسے ہی گردانا جاتا ہے۔ ''اثبات علم'' سے لے کر ''آداب سماع'' تک اس میں کل ۱۳۹ ابواب ہیں جن سے مکمل واقفیت آج وقت کی اشد ضرورت ہے۔ فارسی زبان میں اس موضوع کو جس انداز میں ولئ وقت نے بیان کیا وہ اپنا جواب آپ ہے۔

پہلے باب کا آغاز علم کی ماہیت سے ہوا ہے۔ علم جو حیوان ناطق کو مقام آدمیت پر فائز کرتا ہے علم جس کی بنا پر اس مشت غبار کو مسجود ملائکہ کا مقام عطا ہوا۔ راہ سلوک میں یہی علم سالک کے مقامات میں بلندی کی ضمانت بنتا ہے۔ جس ضابطہ حیات میں علم کا حصول

Marfat.com

فرض قرار دیا گیا۔ اسی پر یقین کے مدعی اس میدان میں پیچھے رہ گئے یہی لمحہ فکریہ ہے۔ علم کا سرچشمہ خالق کائنات ہے اور علم کی افادیت اس پر عمل کرنے سے مشروط ہے۔ خالق اور مخلوق کے علم میں وہی فرق ہے۔ جو بحر ذخار و بیکراں اور قطرہ آب میں ہو سکتا ہے۔ علم اگر نافع نہیں تو وہ خام ہے۔ کسی نہ کسی مقام پر خرابی ضرور ہے۔ عالم میں یا علم میں۔ اصولی علم ظاہر و باطن کا احاطہ کرتا ہے۔ اسی وسیلے سے ہر فرد بشر پر لازم ہے کہ وہ اپنے ظاہر کو سنوارے اور باطن کی گہرائی میں غوطہ زنی کرے۔ ظاہر بغیر باطن کے منافقت اور باطن بغیر ظاہر کی زندقہ ہے۔ شرعی قوانین کی اتباع بندے کا ظاہر اور اپنی اندر کی جان کاری علم حقیقت کے زمرے میں آتی ہے۔ علم حقیقت اصل میں ذات وصفات باری تعالیٰ سے آشنائی کا نام ہے۔ ظاہری اور باطنی علم سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لازم ملزوم ہیں اور حیات قلب کے لئے دونوں یکساں اہمیت کے حامل۔ علم حقیقت کے فقدان سے انسانی قلب جہالت کی بنا پر مردہ ہوتا ہے اور علم شریعت نہ ہو تو بوجہ نادانی انسان کا دل عارضے میں مبتلا ہو جائے گا۔

دوسرے باب میں غناوفقر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ فقر سے مراد پیشہ ور گدائی ہرگز نہیں یہ تو ایک لعنت ہے جس میں آج ہماری قوم مبتلا ہے۔ فقر، ہونے نہ ہونے سے بے نیازی کا نام ہے۔ یعنی سیم وزر کی کثرت وجہ انبساط نہ ہو اور تنگ دستی و تہی دامانی وجہ غم نہ ہو۔ فقر میں تنگ دستی کو اس لئے فوقیت حاصل ہے کہ اس کیفیت میں اسرار کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے۔ مال ومتاع سے بے نیازی الطاف خفی کا سبب بنتی ہے۔ ایک فقیر کا کمال یہ ہے کہ اس کے ترازو میں پوری کائنات، مچھر کے پر برابر وقعت اختیار کر جائے۔ یعنی اس کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو۔ تصوف میں فقر کا یہی مفہوم ہے۔ جہاں تک غنا کا تعلق ہے تو اس صفت کی سزاوار ذات باری تعالیٰ ہی ہے۔ فقر کو ذات باری تعالیٰ سے منسوب کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں بے نیازی کے ساتھ کمی کا وجود ہر حال موجود ہوتا ہے اور صفات خداوندی میں ''کمی'' محال ہے۔ بندہ اور صاحب بندہ میں صفات کو برابر ثابت کرنا کج

نفی کی دلیل ہے کیونکہ بندے کی ہر صفت جس کا امکان ذات بندہ میں ہو، وہ بہر حال مانگے کی تصور ہوگی۔ صفات خداوندی قدیم اور صفات بندہ حادث اور فانی ہونے کی بنا پر دونوں کو ایک نظر سے دیکھنا کچھ مسلک ہجویریہ میں جائز نہیں۔ اسی مسلک پر کیا موقوف یہ ایک ازلی وابدی حقیقت ہے جس کا انکار جہالت ہے...... اور جہالت علم کی ضد ہے۔ غنائے بندہ کا کوئی سبب ہوتا ہے جبکہ غنائے مطلقہ سبب سے بے نیاز ہے۔ وجود بشر اور حاجت لازم وملزوم ہیں لہٰذا محتاج، غنی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد علی ہجویری صفت غنا کو خدا کی ذات سے مختص کرتے ہیں۔ البتہ جسے خدا غنی فرمادے اس کا غنی ہونا محال نہیں رہتا۔ بندہ مقام غنا پر فائز ہوجائے تو غفلت اس کے لئے آفت بن جاتی ہے جیسے فقر میں حرص، بندے کے لئے فقر، غنا سے بہتر ہے کیونکہ اس میں ماسوا کے دھیان کا احتمال نہیں رہتا۔

تیسری فصل باب دوئم میں فقر وفقیر سے متعلق اقوال مشائخ اور ان کی تشریح مرقوم ہے۔ تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ لفظ صوفی کی تشریح شائخ نے مختلف انداز میں کی ہے مثلاً ایک گروہ کا خیال ہے کہ صوف یعنی اونی لباس زیب تن کرنے والا صوفی ہے دوسرا کہتا ہے صف اول میں رہنے والا صوفی ہے تیسرے گروہ کا کہنا ہے کہ صوفی کا تعلق اصحاب صفہ سے ہے اور چوتھے مکتبہ فکر کے حضرات لفظ صوفی کو اسم صفا سے مشتق گردانتے ہیں مگر سیّد موصوف نے تمام تشریحات پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ ان کے ہاں ماسوا کے خیال اور کدورت سے پاک وصاف دل والا صوفی ہوتا ہے کیونکہ تصوف باب الصل سے ہے جس کا خاصہ تکلیف اٹھانا ہے اور صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے۔ صوفی اپنی ذات کو فنافی الذات کر کے بقا حاصل کرتا ہے اور اس مقام کو مجاہدے سے تلاش کرنے والا متصوف ہوگا لیکن کمترین مقام کا حامل یعنی متصوف وہ ہے جو سیم وزر کے لئے ڈھونگ رچاتا ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خیالات کو مشائخ کے اقوال سے سچ ثابت کرتے ہیں اور جنید بغدادی کے رویے کی تائید فرماتے

Marfat.com

ہیں۔اس میں تصوف کی بنیاد آٹھ خصائل پر استوار ہوتی ہے۔سیدنا ابراہیمؑ کی سخاوت، اسماعیلؑ کی رضا، صبر ایوبی، اشارات حضرت زکریا کے، غربت حضرت یحییٰ کی، سیاحت حضرت عیسیٰ کی، موسوی پیرہن اور فقر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں یہ ایک اخلاقی رویہ ہے۔اخلاق جو انسان کا خلق خدا سے رویہ ہوتا ہے، اخلاق جو عبارت عبادت کا منطقی نتیجہ ہوتا ہے۔

چوتھے باب میں سیّد موصوف نے لباس صوفی پر بحث کی ہے۔تصوف کی جملہ شرائط کو پورا کئے بغیر گدڑی پہننے کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے فرماتے ہیں پہلی شرط تو یہ ہے کہ کوئی فرد بشر یہ لباس از خود پہننے کا مجاز نہیں۔برس ہا برس کی تربیت کے بعد بندے کا راہنما (مرشد، استاد، شیخ) یہ فریضہ سرانجام دیتا ہے اور اس تربیت کا خلاصہ یہ ہے کہ گدڑی پہننے والا خلق خدا کو اپنی ذات سے افضل تسلیم کرے اور اس کا عملی ثبوت پیش کرے ورنہ ''رہا صوفی گئی روشن ضمیری'' والی بات صادق آئے گی۔علی ہجویری کے نزدیک گدڑی زیب تن کرنا کفن پہننے کے برابر ہے۔اس کے بعد زندگی کی لذتوں سے کنارہ کشی لازمی امر بن جاتا ہے۔

امت مسلمہ کو جتنا گزند تصوف کے بہروپ نے پہنچایا اسے احاطہ تحریر میں لانا دشوار ہے۔عقیدت و احترام کے محاذ پر غیروں نے ہر دور میں کامیاب شب خون مارے حالانکہ مومن وہ ہے جو نہ دھوکا دیتا ہے نہ دام تزویر میں آتا ہے۔(لانخدا ولانخداؑ)

چھٹا باب ملامت کی دلنواز تشریح پر مشتمل ہے۔ایسی وضاحت جو بربط دل کے تار ہلا دیتی ہے اور اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا چلا جاتا ہے۔بندے کو خلق خدا کا طوق رسوائی پہنانا اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو تقویت پہنچانے کے مترادف ہے۔لہٰذا ''ملامت'' قابل نفرت نہیں۔مجاز تک میں لوگ رسوائی کو پسند فرماتے ہیں۔عشق حقیقی میں تو اس کا مقام، اوج ثریا ہونا چاہیے۔بندے کے تعلقات صاحب بندہ سے خوشگوار ہوں لیکن اس کے باوجود خلق خدا اسے رسوا کرے تو تصوف کی زبان میں اسے ملامت کہتے ہیں۔صوفیاء

Marfat.com

اسے ناپسند نہیں فرماتے جیسے شیخ ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے سر بازار کہا "اے پیر زندیق! کہاں کا ارادہ ہے۔" ان کا ایک غمگسار لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا۔ شیخ نے اسے منع فرمایا اور گھر پہنچ کر اسے خلق خدا کے بے شمار خطوط دکھائے جس میں موصوف کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ شیخ الاسلام، شیخ الحرمین، شیخ زہاد وغیرہ وغیرہ۔

مخلوق کی ملامت کو روا رکھتے ہوئے خالق کی غلامی میں امکان سے بڑھ کر ڈوب جانا صوفیا کے ہاں "جوہر ملامت" ہے۔ ابو یزید ایک بار سفر حجاز سے لوٹے تو خلق خدا ان کے استقبال کو اُمڈ پڑی...... پل بھر کے لئے ابو یزید یادِ خدا سے غافل ہو گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ روزے سے تھے مگر آپ نے سرعام روزہ توڑ ڈالا۔ استقبال کو آنے والے ملامت کرنے لگے۔ ابو یزید نے بعد میں کفارہ ادا کیا مگر نمود و نمائش پر ضرب کاری لگائی اور نفس کی سرکشی کو نیست و نابود کر ڈالا۔ گویا ملامتی طرز استدلال، ریا کی ضد ہے۔ آج بھی اگر ہم ہجویری طرز فکر کو اپنا لیں تو سب کچھ سنور سکتا ہے۔ موصوف، ملامت کو عشاق کے لئے سرسبز و شاداب نخلستان، احباب کے لئے سامان تفریح، مشتاقان دید کے لئے راحت اور مریدوں کے لئے سرور کا درجہ دیتے ہیں۔

ایک بار سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مسلسل تین ماہ تک مزار ابو یزید پر قیام فرمایا طہارت کا خاص خیال رکھنے کے باوجود سرور کی لذت سے محروم رہے۔ آخر خراسان کا سفر اختیار کیا۔ دوران سفر ایک نام نہاد صوفیاء کی جماعت سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے ولئ وقت کو نگہ حقارت سے نوازا تمسخر اڑانے سے بھی گریز نہ کیا۔ طنز کے تیر برساتے رہے ایک منچلے نے تو پھل نوش جاں کر کے چھلکے آپ کی طرف اچھال دیئے...... یہ آتش زیر پا ہو جانے والی بات تھی مگر سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس تحقیر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مطلوبہ کیفیت کا حصول اسی جگہ اسی پل ہو گیا...... بغور دیکھا جائے تو بزرگان حق پرست جہلا کی ہم جلیسی اسی بنا پر گوارا فرماتے تھے۔ یہ واقعی بڑی گہری بات ہے۔ مسلک ہجویری میں ذرا سی بات پر بھڑک اٹھنا ناپسندیدہ فعل ہے۔

Marfat.com

کشف المحجوب میں مسلسل سات ابواب صوفیاء کے فرقوں اور ان کے عقائد پر مشتمل ہیں۔ ہر فرقے پر ناقدانہ اور محققانہ بحث دل نشین انداز بیاں میں کی گئی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ولئ وقت کے پیش نظر آج کا دور خرابی تھا۔ رضا اور مقامات کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ بندے کی رضا اور رضائے ربی میں امتیاز سالک کے لئے ضروری ہے۔ رضائے ربی مجسم عطا ہے اور رضائے بشر، سر تسلیم خم کرنا اور اس انداز سے خم کرنا کہ جلال و جمال میں تمیز نہ رہے یعنی جلال سے اسی طرح لطف اندوز ہوا جائے جیسے جمال سے کیف وانبساط کا حصول ہوتا ہے۔ سجدے کا کمال یہ ہے کہ پیکر خاک کے ساتھ دل بھی سجدہ کرے اور اس میں روح کا میلان بھی شامل رہے۔ عطائے ربی پر راضی ہونا (خیر و شر کی صورت میں) مقام معرفت ہے۔ صرف خیر پر خوش ہونا اہل دنیا کا شیوہ ہے۔ مقامات کے لالچ سے بے نیاز ہو کر اس کی محبت کا دم بھرنا حقیقت عشق ہے۔

سکر اور صحو تصوف کی دو معروف اصطلاحیں ہیں گروہ طیفوریہ جس کے بانی بایزید بسطامی تھے سکر کے پر جوش مبلغ تھے جبکہ علی ہجویری صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے۔ ایک سالک جب جمال یار کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے ہوش و خرد مغلوب ہو جاتے ہیں اس بے خودی میں عقل سے بیگانگی بھی متوقع ہوتی ہے جسے دیوانگی کہتے ہیں اور راہ سلوک کا مسافر پکار اٹھتا ہے۔

گیسوئے تابدار کو اور بھی تاب دار کر
ہوش و خرد شکار کر' قلب و نظر شکار کر

محبت کے اس غلبے کا نام سکر ہے اور یہ محویت، کیفیت فنا تک لے جاتی ہے۔ صحو اس سے بلند تر مقام کا نام ہے۔ یعنی جمال محبوب کے مشاہدہ کے بعد حیرت و وحشت کا باقی نہ رہنا۔ کوہ طور پر سیدنا موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اور جس انداز میں ہوش و خرد ہوئے وہ سکر کی بہترین مثال ہے اس کے برعکس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربت کی انتہا تک پہنچنے کے باوجود قابہ قوسین او ادنٰی (دو قوسیں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم) ہوش

Marfat.com

وحواس میں رہے تو یہ صحو کی مثال ہے...... صحو میں غفلت سے اجتناب شرط اولیں ہے یہی وجہ ہے کہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے میدان مرداں کہا بہر حال اصل دونوں کی ایک ہے...... لیکن اگر ان دونوں کیفیات میں تصنع کی رمق شامل ہو جائے تو نتائج تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ دور حاضر کے نام نہاد صوفیاء کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

حضرت سہل بن سسری کے پیرو سہلیہ کہلاتے ہیں۔ موصوف کی تعلیم کے مطابق حصول مراد مجاہدہ نفس اور ریاضت کا مرہون منت ہے جسے یہ حضرات اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کا نام دیتے ہیں۔ اس سارے عمل کی غرض وغایت نفس کی مخالفت کرنا ہے۔ ہجویریہ وضاحت کے مطابق نفس کی مخالفت محبت کا سرچشمہ ہے اور محبت کی انتہا عبادت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ گویا اصل عبادت ہی نفس کی مخالفت ہے۔ نفس کی پہچان سالک کے لئے بے حد ضروری ہے وہ اس لئے کہ اپنے ظرف وشرف کا اندازہ ہو سکے۔ کیونکہ جس سے محبت کا دعویٰ کیا جا رہا ہے وہ جبار وقہار ہونے کے ساتھ ساتھ بے نیاز بھی ہے گویا مختلف صفات کا دلنواز مرقع۔ اپنے آپ کی پہچان نہ ہونے کا یہ مطلب ہوگا کہ ہدف تک رسائی دشوار ہو جائے گی اسے کہتے ہیں چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں۔ ظاہری بات ہے کہ سالک کو جب اپنی ذات کا عرفان ہو جائے گا تو وہ اپنی خامیوں کا تدارک ضرور کرے گا یہ اہتمام اس کی کامیابی کا ضامن ہوگا اسے کہتے ہیں من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ اور یہی مطلوب ومقصود ہے۔ بقول علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ سسری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں غلو فرمایا کیونکہ سسری رحمۃ اللہ علیہ مجاہدے کو مشاہدے کی علت قرار دیتے ہیں گویا یہ بھی ایک اکتسابی فعل ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تو عشق مجاز میں بھی سو فیصد درست نہیں۔ مجاہدے کے ساتھ رضائے محبوب کا ہونا شرط ہے یعنی ''عنایت ایزدی'' بقول علی ہجویری مجاہدہ وصال حق کی علت نہیں ہو سکتا اسے وصل حق کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔ نفس خواہشات کا سرچشمہ ہے اور خواہشات کی پیروی کفر وگمراہی تک لے جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جنید بغدادی ترک خواہشات کو وصال یار کا درجہ دیتے ہیں اور ہجویری

Marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عبادت عظمیٰ ہے۔

ہوائے انسانی کی ازل سے دو ہی اقسام رہی ہیں۔پہلی لذت اور شہوت دوسری جاہ طلبی۔یہی معاشرے میں فساد کی جڑ اور گمراہی کا سبب تھا، ہے اور رہے گا۔

لذت اور شہوات کی پیروی سے خلق خدا بحیثیت مجموعی محفوظ رہتی ہے مگر جاہ طلبی بین الاقوامی فتنے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔بصیرت ہجویریہ کا یہ انداز ہر زمانے پر صادق آتا ہے۔فرقہ حکیمیہ کے بانی عبداللہ بن علی الحکیم ترمذی تھے ان کے ہاں ولی اللہ ہر دور میں معاشرے کا معتبر ترین بندہ ہوتا رہا ہے۔اس لئے کہ اس پر نگہ کرم ہوتی ہے ولایت کا خلاصہ فکر ہجویریہ میں یہ ہے کہ اولیاء میں خالق کی دوستی کے سبب ماسوا سے بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے وہ غم واندوہ سے دور ہوتے ہیں اور خوف ان کے قریب نہیں آسکتا۔قرب قیامت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ کرہ ارض ایسے بندوں سے خالی ہو جائے گا۔ بے خوف لوگوں کے عدم وجود سے معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جانا سمجھ میں آنے والی بات ہے۔فرقہ معتزلہ کا مشہور نظریہ تھا کہ خالق اپنے بندوں سے بلا امتیاز یکساں محبت کرتا ہے لہٰذا ولی برگزیدہ نہیں ہوتا......اس کا مدلل جواب علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی تخلیق سے مساوی محبت اگر تسلیم کر لی جائے تو جنت دوزخ کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔چناؤ، انعام واکرام ہر نظام کو بروئے کار لانے کے لئے بے حد ضروری ہے۔رسالت اس کی بہترین مثال ہے۔فرقہ حشویہ کے مطابق برگزیدگی کا دور ختم ہو چکا ہے مگر علی ہجویری نے دوٹوک الفاظ میں اس کی تردید کی اور خواص کی درجہ بندی بھی کر دی یعنی اخیار، ابدال، اوتاد، قباء اور قطب یا غوث......

امت مسلمہ میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ولی کی عاقبت کے خوف سے بھی مسمے قرار دیتا ہے اور اولیاء کے لئے غرور کو جائز مانتا اور گردانتا ہے۔سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل سے اس کی تردید کی مگر اولیاء سے کرامت کے ظہور پر مفصل روشنی ڈالی جس میں ثابت کیا کہ افضل ترین ذات انبیاء کی ہوتی ہے دوسرے درجے پر اولیاء فائز

ہوتے ہیں اور اولیاء کا مقام فرشتوں سے بلند تر ہوتا ہے۔

کشف المحجوب فنا اور بقا پر بھی مدلل بحث کرتی ہے۔امت مسلمہ میں یہ نظریہ بھی موجود ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات کا مٹا دینا اور بقا کا خلاصہ یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ سے متحد ہو کر بندہ اس میں حلول کر جائے۔تصوف ہو یا حقیقت یہ بات قرین قیاس نہیں اور سید موصوف نے تو ان دونوں کی تردید کی۔ذات باری تعالیٰ میں حلول محال ہے اس لئے کہ حادث اور قدیم، خالق اور مخلوق، صانع اور مصنوع باہم متحد ہو ہی نہیں سکتے۔ جہاں تک فنا کا تعلق ہے تو اس سے مراد شہوات ولذات کو نیست و نابود کر کے بشری تقاضوں سے الگ ہو جانا ہے۔اس کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ قرب وبعد، فراق ووصال صحو وسکر میں امتیاز اٹھ جائے۔اس منزل پر پہنچ کر بقا کا حصول ہوتا ہے۔سادہ الفاظ میں دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی فنا ہے اور راضی بہ رضا ہو کر سر تسلیم خم کرنا بقا۔یہی وہ مقام ہے جہاں بندے کے افعال کو صاحب بندہ اپنی جانب منسوب کرتا ہے۔چونکہ ذات باری تعالیٰ کو فنا نہیں لہٰذا اس نسبت کی بنا پر مشت غبار کو بھی بقا کا حصول ہو جاتا ہے۔فرقہ حلولیہ کو حضرت علی ہجویری نے نہ صرف رد کیا بلکہ اسے زندیق اور کافر قرار دیا۔فانی پیکر کو ازلی ابدی ذات کے مساوی قرار دینا نہ صرف کفر ہے بلکہ ذہنی دیوالیہ پن سے بھی نچلا درجہ ہے۔گذری پہن کر حلول حلول الاپنے سے حقیقت نہ بدل سکتی ہے نہ چھپ سکتی ہے۔راہ سلوک میں بقول علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ حجاب (پردے) ہوتے ہیں۔ معرفت یا عرفان پہلا حجاب ہے۔یہی وہ موضوع ہے جس میں فرقہ معتزلہ نے امت مسلمہ میں انتشار کی بنیاد ڈالی۔یہ مشیت ایزدی کا صریحاً انکار کوئی آج کی پیداوار نہیں ذہنی کج روی کا بڑا پرانا مسئلہ ہے۔معتزلہ کے بقول عرفان ایک اکتسابی مسئلہ تھا یعنی علم اور عقل کے وسیلے سے ذات باری تعالیٰ کی پہچان ہو سکتی تھی علی ہجویری نے دلیل پیش کی کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو ہر عالم اور عاقل نور معرفت کا حامل ہوتا جب کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ذہن کے دروازے خالق کی نگہ کرم ہی سے کھلتے ہیں۔فہم وفراست قوت مدرکہ

Marfat.com

معرفت کے اسباب ہیں علت تامہ نہیں۔علت تامہ صرف اور صرف اس کی عنایت ہے۔
باب علم حیدر کرار کا قول ہے کہ ''میں نے خدا کو خدا ہی کے وسیلے سے پہچانا اور اس کے نور کی روشنی میں ماسوا کو دیکھا۔''

حضرت عبداللہ بن مبارک کے بقول معرفت کسی شے پر تعجب نہ کرنا ہے کیونکہ تعجب مقدور سے وراشے پر ہوتا ہے لیکن خالق کائنات ہر کمال پر قادر ہے پھر تعجب کس بات کا۔
ذوالنون مصرف فرماتے ہیں کہ معرفت، خالق کے مسلسل لطف وکرم کی وجہ سے سربستہ رازوں کے انکشاف کا نام ہے۔اس سے دل روشن اور بصیرت کمال اوج پر جا پہنچتی ہے اور بندہ آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مشیت ایزدی پر ایمان ایک بنیادی مسئلہ ہے امت مسلمہ میں جب بھی انتشار و فساد کا آغاز ہوا اسی ایمان کی کمزوری کی بنا پر ہوا۔تعلیمات ہجویری چونکہ ایک سچے مسلک کی تشریح پر مبنی ہیں لہٰذا اس سے واقفیت آج کی اشد ضرورت ہے۔
دوسرا حجاب جس کی ولی وقت نے دل نشیں وضاحت کی وہ توحید ہے۔اس میں تین باتیں قابل غور ہیں۔خالق کو اپنی وحدانیت کا خود بھی احساس ہے دوسری وہ اپنی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے اور تیسری بندہ کے گوشہ دل میں اس کی وحدانیت کا عرفان موجود ہوتا ہے۔راہ سلوک کا مسافر منزل پر پہنچ کر محسوس کرتا ہے کہ خالق لامحدود ہے اطراف کی قیود سے مبرا، وہ قید مکاں سے آزاد، اس کی ذات وصفات تغیر پذیر نہیں۔

تیسرا حجاب ایمان کا ہے۔ایمان کی علت معرفت ہے یا بندگی؟ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ معرفت فضول ہے جس میں بندگی نہ ہو۔معرفت تو شوق اور محبت کا نام ہے اور وہ محبت کا اعلان جھوٹا ہے جس میں طاعت نہ ہو۔ یہ کہنا غلط ہے کہ بندگی کی ضرورت حصول عرفان تک ہے۔ چوتھا حجاب طہارت ہے۔ایمان کے بعد اسی کا درجہ آتا ہے مگر طہارت ظاہر اور باطن دونوں کی ضروری ہے۔ باطنی طہارت سے مراد دل کی

Marfat.com

شکوک وشبہات سے پاک ہونا ہے جس کے بغیر معرفت کا حصول ممکن نہیں۔اس کا آغاز توبہ سے ہوتا ہے۔توبہ احکام الٰہی کو نظر انداز کرنے پر تاسف کا نام ہے توبہ کی شان یہ ہونی چاہیے کہ احکام الٰہی کی مخالفت ترک کی جائے اور مخالفت کی طرف لوٹنے کا قطعاً خیال نہ ہو۔ یہ رویہ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب ندامت کا احساس اجاگر ہو جائے۔یہی ندامت خدا کو مرغوب ہے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

پانچواں حجاب نماز کا ہے جو راہ راست پر قائم رہنے کا وسیلہ ہے۔اس میں وضو طہارت ظاہری ہے تو بہ طہارت باطنی، قبلہ رو ہونا مرشد سے رابطہ، قیام مجاہدہ نفس، قرات ذکر، رکوع تواضع، سجدہ معرفت نفس، تشہد مقام محبت اور سلام ان مقامات سے باہر آنے کا نام ہے۔اصل نماز تو یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو تو روح ملکوت تک رسائی حاصل کر لے۔مردان حق ایسی نمازیں ادا کر چکے ہیں۔

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے جو جزو ایمان ہے۔سالک کو زکوٰۃ میں سخی نہیں بلکہ جواد ہونا چاہیے۔سخی دوران سخاوت کی بیشی میں امتیاز کا قائل ہوتا ہے جبکہ جواد اس امتیاز سے کوسوں دور یہاں ذہن میں وسوسہ ہوتا ہے کہ تہی دستی، فقر کا طرہ امتیاز ہے تو پھر زکوٰۃ کا سوال کہاں سے پیدا ہوا۔علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔زکوٰۃ مال و متاع ہی کی نہیں تندرستی کی بھی ہوتی ہے۔صحت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دکھ تکلیف میں مبتلا سالک شکر بجالائے اور اسے منجانب اللہ تصور کرتے ہوئے اظہار مسرت کرے۔علاوہ ازیں صحت کی زکوٰۃ تندرست اعضاء کو مصروف پرستش رکھنا ہے۔باطن کی زکوٰۃ پاکیزگی اور عرفان کا حصول ہے۔

ساتواں حجاب روزہ ہے۔اس سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح پابند سلاسل کرنا کہ ہوا و ہوس کا گزر تک نہ ہو۔بھوک سے عاجزی پیدا ہوتی ہے جسم کی ابتلا دل کو روشن کرتی

Marfat.com

پاکیزگی ہے۔

آٹھواں حجاب حج کا ہے۔صوفی کا ہر گناہ سے تائب ہونا سفر حج پر نکلنا ہوتا ہے۔ احرام زیب تن کرنا انسانی عادات سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہے۔وقوف عرفات سے مراد مشاہدے کا کشف حاصل کرنا مزدلفہ نفس کی تمناؤں کو ترک کرنا اور خانہ خدا کا طواف جمال یار کا مشاہدہ ہے۔صفا و مروا میں دوڑنا دل کی صفائی میں جدوجہد کرنا، قربانی سے مراد ماسوا کی خواہشات کا ذبح کرنا اور کنکریاں پھینکنا یعنی رمی مراد دنیاوی رشتوں ناطوں سے فرار حاصل کرنے کے مترادف ہے۔صوفی کو اگر یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں تو اس کا حج نہیں ہوا۔

کشف المحجوب کا آخری باب آداب سماع پر مشتمل ہے۔اس کا متن پیش خدمت ہے۔مسلک ہجویریہ میں محفل سماع مباح یعنی جائز اور روا ہے مگر اس کی شرائط اتنی کڑی اور آداب اتنے پاکیزہ ہیں کہ ان کی بجا آوری تقریباً ناممکن ہے۔ بلا ضرورت محفل سماع کا انعقاد ممنوع ہے۔اس ضرورت کا فیصلہ ظاہر ہے۔عدالت دل میں ہوگا۔دو محافل کے درمیان طویل وقفہ لازم ہے تاکہ سماع کا وقار قائم رہ سکے۔محفل میں سالک کا مرشد موجود ہونا چاہیے......عوام الناس کی شرکت ممنوع ہے۔قوال فاسق و فاجر نہ ہوں۔(شراب کے جام نوش فرما کر قوالی کا انعقاد جائز ہے یا ناجائز اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے)۔بوقت سماع، دنیاوی آلائش سے سینہ پاک ہو۔کھیل تماشہ مقصود نہ ہو دل کے گداز میں ارتقاء مطلوب ہو۔کیفیت وجد میں کسی سے معاونت کی امید نہ ہو اور نہ اس میں تکلف برتا جائے۔محفل سماع میں نوعمر لڑکے نہ ہوں......رقص ہر حالت میں ناجائز اور ناپسندیدہ ہے۔

سید علی ہجویری نے احیائے دین کا اگر کوئی کام نہ کیا ہوتا تو صرف اس کتاب کی وجہ سے ان کا نام اہل دل حضرات کے سینوں میں تاقیامت زندہ رہتا۔یہ کتاب واقعی اسرار و رموز کو کھول کر بیان کرنے والی ہے جو سینوں کو روشن اور دماغوں کو معطر کرتی ہے۔اس کا

Marfat.com

مختصر تعارف صرف اس لئے پیش کیا گیا کہ ایک تو یہ وقت کی ضرورت ہے دوسرے ذکر علی ہجویری اس کتاب کے تعارف کے بغیر نامکمن رہ جاتا۔

صفر کا مہینہ تھا اور ۴۶۵ھ ولی وقت کی طبیعت ناساز ہوئی۔ شیخ ہندی نے اظہار تفکر کیا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''میں نے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ میں غیر فانی ہوں اور پھر اس تجربے سے تو ہر فرد بشر کو گزرنا ہے۔ شیخ! کبیدہ خاطر ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔''

آفتاب عالمتاب غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا اور لاہور میں اپنے دست حق پرست پر دین فطرت قبول کرنے والے پہلے ہوش مند انسان کو تسلی و تشفی سے بھی نواز رہا تھا۔ شاید اسے علم تھا کہ سرزمین لاہور سے دور قصبہ گیلان یا جیلان میں صرف پانچ برس بعد ایک ایسا سورج طلوع ہونے والا ہے جو کرہ ارض کے گوشے گوشے کو منور کر دے گا۔ خلق خدا نے اس غروب ہونے والے آفتاب کو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہا تو جیلان میں طلوع ہونے والے مہر منور کو پیران پیر ظاہر اور باطنی علم سے بڑھ کر اور کون سا خزانہ ہو سکتا ہے کہ خلق خدا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو گنج بخش کا خطاب نہ دیتی۔

۲۰ صفر والے دن سرزمین لاہور کو چونتیس برس تک منور کرنے کے بعد مقام سوز پر فائز یہ سورج غروب ہو گیا مگر کیا واقعی اس کی کرنیں بھی دم توڑ گئیں اپنے گرد و پیش نگاہ دوڑایئے کتنے لوگ ہر روز اپنے اپنے ظرف و شرف کے مطابق ان روشن کرنوں سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ کیا اس میں شک و شبے کی گنجائش ہے۔ آج ہی پر کیا موقوف ماضی قریب و بعید بھی جھانکیے۔ سینہ روشن ہو جائے گا۔ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتی جیسی شخصیت شاہان وقت کو خاطر میں نہ لانے والی ہستی، وصال ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سو برس بعد کشاں کشاں مزار اقدس پر حاضر ہوتی ہے۔ خزانے حاصل کرنے کی غرض سے نہیں چلہ کشی کے لئے روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے۔ شیخ الاسلام نے روحانی ملاقات میں کن موضوعات پر لب کشائی کی ہوگی۔ کیا کچھ طلب کیا ہوگا اس طلب و عطا کے متعلق تو لب کشائی کی جسارت کوئی نہیں کر سکتا جو بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے

وہ ہر چشم تماشا کے عین سامنے ہے۔ وہ مقام بھی محفوظ ہے جہاں شیخ الاسلام نے چلہ کشی فرمائی اور جس انداز میں خراج تحسین پیش کیا وہ تو دنیا دیکھ ہی رہی ہے۔ چلہ کشی کا دورانیہ اختتام پذیر ہوا تو قطب العین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مرشد و راہنما بے ساختہ پکار اٹھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جانے اس کامل کو کون سا خزانہ ہاتھ لگا تھا۔ وہ رہنمائی تھی، روشنی تھی یا مدارج میں ترقی و بلندی یہ تو خیر چھٹی صدی ہجری کی بات تھی حسین ڈاہڈا شاہ حسین یا مادھولال حسین نے کمال کہاں سے حاصل کیا۔ ابوبکر بکھوی یا بہلول دریائی تو نشاندہی فرما کر سرخرو ہو گئے شاہ حسین اسی آستانے پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے اور خزانہ حاصل کر کے رہے...... یہ سلسلہ تو صدیوں سے جاری ہے۔ موجودہ صدی میں بھی ایک مرد قلندر پیدا ہوا تھا۔ لوگوں نے اسے حکیم الامت کا خطاب دیا۔ وہ گداز دل کا مالک انسان اس خطاب کا مستحق تھا۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں

کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

یہی پکارتا ہوا آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا۔ مشرق و مغرب کا علم ایک جرعے میں پی چکا تھا پھر بھی سپرد اضطراب تھا۔ شاہان وقت کو رموز کشور کشائی اور آداب جہانداری سکھانے والا۔ محمد اقبال علامہ، رات رات بھر ہجویری دربار میں حاضری دیتا رہا۔ جب سکون قلب نصیب ہوا، بے قراریوں کو قرار آیا تو بے ساختہ پکار اٹھا۔

سید ہجویر مخدوم امم

مرقد او پیر سنجر را حرم

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت

صبح ما از مہر او تابندہ گشت

حکیم الامت کی صبحیں روشن کرنے والی ہستی کو گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نہیں تو اور کسی

Marfat.com

نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ جس آستانے پر ایسی بلند مرتبت ہستیاں زانوئے ادب تہ کرتی ہوں وہاں ہم آپ جیسے کس شمار و قطار میں ہیں۔ برصغیر پاک و ہند آستانہ ہجویریہ ہی وہ سرچشمہ فیض ہے جہاں سے عوام اور خواص یکساں مستفیض ہوتے ہیں۔ یہ آستانہ لاہور بھاٹی دروازے کے مغرب میں داتا دربار کے نام سے مشہور ہے۔

سلطان محمود غزنوی کے خاندان میں سے سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے اس دربار کی بنیاد رکھی۔ مغل شہنشاہوں نے اپنے اپنے ادوار میں حسب توفیق اس کی توسیع میں حصہ لیا۔ آج بھی اس کی آرائش و زیبائش زور و شور سے جاری ہے مگر کاش اس درویش بے ریا کی تعلیمات پر بھی کوئی توجہ دیتا ورنہ تو یہ کلیوں پر قناعت کرنے والی بات ہے۔ شاید نادانی اسے ہی کہتے ہیں۔

اس مضمون کی تکمیل میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔

(۱) کشف المحجوب از سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (نسخہ سمرقند)
(۲) تحقیقات چشتی از نور محمد چشتی
(۳) تاریخ لاہور از کنہیا لال
(۴) تذکرہ اولیائے پاکستان جلد اول از علامہ فقری
(۵) تذکرہ اولیائے کرام از سیّد صباح الدین عبدالرحمان
(۶) آب کوثر از شیخ محمد اکرام
(۷) History of IndoPakistan Hindua and Pathanperiod By Sayed Abdul Qadir
(۸) تاریخ ہند از میلا رام چڈہ جلالپوری
(۹) تاریخ پاک و ہند جلد اول از سیّد عبدالقادر و محمد شجاع الدین
(۱۰) پاک و ہند کی اسلامی تاریخ از ریاض الاسلام، ایم اے رحیم، عبدالحمید
(۱۱) مکمل تاریخ کشمیر از محمد الدین فوق

(۱۲) کتاب الہند از البیرونی

(۱۳) پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء از سبط حسن

(۱۴) شریمد بھگوت گیتا ترجمہ خواجہ دل محمد ایم۔اے

(۱۵) خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے بٹالوی

(۱۶) تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند دوسری و تیسری جلد از سیّد فیاض محمود و پروفیسر عبدالقیوم۔

(۱۷) تمدن ہند از گستان باولی ترجمہ سیّد علی بلگرامی

(۱۸) سمپر دائے از پروفیسر بی بی رائے

(۱۹) نقوش لاہور نمبر

(۲۰) مقالات از مولوی محمد شفیع

(۲۱) اورینٹل کالج میگزین ۱۹۴۴ء فروری

(۲۲) طبقات ناصری جلد اول از منہاج سراج ترجمہ غلام رسول مہر

(۲۳) Our Universe. Byroy-a. Gallant

ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری جلابی المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور میں آمد کے وقت برصغیر، شمالی ہند و لاہور اور کشمیر کے سیاسی سماجی حالات کی مکمل تفصیل اور تعلیمات ہجویری کا جائزہ۔

Marfat.com

# مناقب وسلام حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

## مسدس مبارک

در مدح جناب قطب الاقطاب فرد الافراد پیشوائے اہل توحید وتفرید حضرت داتا گنج بخش صاحب علی ہجویری نور اللہ مرقد، (از سلطان العاشقین معارف آگاہ حضرت خواجہ مستان شاہ صاحب کابلی رحمۃ اللہ عیہ)

مالک ملک دو عالم خواجہ ہر دوسرا　　نہ سپہرش سایہ گرداں مہر و ماہش خاکپاء
اولیاء اللہ لا خوف علیہم راسزا　　کیست آں ظل الٰہی نور پاک مصطفیٰ
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شاہباز قاف قدسؔ وطائر سدرہ نشین　　بل بود سکاں سدرہ مرد را زیر نگیں
حامل بار امانت حامی دنیا و دیں　　آستاں بوس حریمش غوث قطب اجمعیں
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

نور پاک مصطفیٰ پروردہ رب جلیل　　کعبہ معنی دلہا رابود ہم چوں خلیل
فیض عامش کردہ جاری خلد آسازیں قبیل　　جوئے شہد وجوئے شیر وسلسبیل وزنجبیل
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

روضہ پرنور پاکش درزمیں ہمچوں بہشت　　بہرہا زفیض عاشش خاص وعام وخوب وزشت
تیر رفتہ باز گرداند بدل ساز و سرشت　　خوش بسفتہ دراوصافش معین الدین چشت

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

نور بیچون تقدس درمیان ماء وطین　　حق پرستاں راکشودہ دیدۂ حق الیقین
خازن گنجینہ اسرار را باشد امیں　　سایہ الطاف ایزد رحمتہ للعالمین

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ناصیہ فرسا ہمہ روئے زمین بردرگہش　　پہلوئے شیر فلک رامے دراندرو بہش
از خدا آکہ دل راخیال آگہش　　شد معین الدین فریدالدین بطوفش چلہ کش

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اے شہنشاہ دو عالم خواجہ مالک رقاب　　ازفراقت دیدہ ما گریہ دارد چوں سحاب
تابشد خورشید عالم درزمین زیر نقاب　　ہرزماں خواند فلک یالیتنی کنت تراب

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اے کہ ازخوبان عالم بردہ ای یکسر سبق　　چرخ خیر مقدمت کردہ ستارہ درطبق
سینہ بے کینہ ات ازتیغ وحدت گشتہ شق　　آفتاب ملک معنی ذات آں دیدار حق

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

Marfat.com

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شاہ جیلاں غوث اعظم شیخ ارض و سما گفت در جمع مریداں از کرامت بارہا
ہم زمانہ گر ہمی بودم علی ہجویر را تازہ بیعت کردلے بردست آں بیضالقاء
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شاہ عالم فخر آدم قطب جملہ اولیاء سید عالی نسب فرزند خاص مصطفیٰ
سر حق اسرار احمد نور پاک مرتضیٰ مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا!
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

چشم مستت سرمہ کش از کحل مازاغ البصر مقبس از روضہ پرنور ترشمس وقمر
مہر تو منقوش بردل ہمچو نقش کا الحجر یک نظر برحال مسکین وفقیراں یک نظر
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

طوف کویت مے نمایند جملہ طوافیاں چوں طواف کعبہ اللہ مے نمایند حاجیاں
در صفاء و مروہ کویت ہمہ نعرہ زناں صاحب بیتے نظر برحال زار عاجزاں
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جسم زاریم ونظر تاروح وروحانی شویم برجہم از خاکدان تیرہ نورانی شویم
تابکیبک گویاں جان وایچانی شویم عید وملت رانما تا جملہ قربانی شویم

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

لاہور از فیض قدومت رشک بستاں ارم — میرسد بر طوف کویت ہندی و رومی عجم

کعبہ ثانی شدہ بر عاشقاں زاں لاجرم — برزبان پیرو برنا گشتہ جاری ومبدم

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شہسوار اوج ولایت عرش اعلیٰ — لطف کن از فیض عامت خواجہ عالم پناہ

زاں نظر جو حضرت اجمیر کردی بادشاہ — کن بحال زار مستان شاہ کابل یک نگاہ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

# خانقاہ عالیہ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

﴿کنہیالال ہندی﴾

کنہیالال ہندی (پیدائش جون ۱۸۳۰ء وفات ۲۳ فروری ۱۸۸۰ء) لاہور کے مشہور ماہر تعمیرات تھے۔ لاہور کی کئی اہم تاریخی عمارتیں ان کی ہنرمندی کا شاہکار ہیں۔ انہوں نے چند کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں سے ''تاریخ پنجاب'' اور ''تاریخ لاہور'' اہم ترین تاریخی حوالہ ہیں۔ گزشتہ صدی میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا ناک نقشہ کیا تھا اس کے بارے میں کنہیالال ہندی نہایت اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔

یہ متبرک وقدیمی مقبرہ لاہور کے مشہور و مزین مزاروں ومقبروں میں سے ہے۔ دور دور سے مسلمان معتقد لوگ اس مزار کی زیارت کو آتے ہیں۔ بادشاہان سلف بھی کمال ادب سے اس مزار کا طواف کرتے تھے چنانچہ سلطان ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش وغیرہ بادشاہوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف اس مزار پر موجود ہیں۔ یہ بزرگ سلطان مسعود، سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آیا اور مسلمانی دین کے پھیلانے میں بہت کوشش کی۔ بڑے بڑے بزرگوں مثل خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری وخواجہ فرید پاک پتن وغیرہ نے یہاں آکر چلے کاٹے اور فیض پایا۔ داراشکوہ اپنی کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' اور مولانا جامی اپنی کتاب ''نفحات الانس'' میں اس

Marfat.com

بزرگ کی تعریف بہ حد کمال لکھتے ہیں اور بے شک یہ بزرگ ایسا ہی ہوگا جیسا اس کی تعریف کتابوں میں درج ہے۔ ۴۳۱ھ میں اس نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے لاہور کو مشرف کیا اور ۴۶۵ھ میں وصال ہوا۔ چونتیس برس برابر لاہور میں رہ کر ظاہری و باطنی علم پھیلایا اور خدا پرستی کا طریق لوگوں کو سکھلایا۔ اس کی لاکھوں کرامتیں کتابوں میں درج ہیں۔ اندر کے دروازے پر یہ شعر لکھے ہیں۔

خانقاہ علی ہجویری
خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بہ دیدہ حق بیں
تاشوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود
بسال وصلش برآید از سردار

اس عالی شان و متبرک مقبرے کے گرد بڑی بڑی عالیشان عمارتیں تھیں چنانچہ روضہ اور مسجد شاہ اشرف اسی کے جوار میں تھی مگر سب کی سب سکھوں کی نذر ہوئیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اگرچہ ادب اس مزار کا بہت کرتا تھا اور ہزاروں روپے نذرانے کے بھیجتا تھا مگر باہر کی عمارت اس نے بھی ایک نہ چھوڑی۔ سب کے پتھر اتروا کر ان کی بنجیں زمین سے نکلوادیں۔ صرف مزار کا مکان باقی رہ گیا۔ اس احاطہ مزار کا دروازہ جنوب کی سمت کو ہے۔ اندر کو جائیں تو ایک دروازہ سنگین دہلیز کا غرب کی سمت کو ہے جس کے اندر ڈیوڑھی ہے۔ اس کے اندر ہو کر جائیں تو شرقی دروازے میں سے صحن مربع کے اندر انسان جا پہنچتا ہے۔ صحن کے چاروں طرف مکانات دالان وغیرہ بنے ہیں جن میں بڑے بڑے قرآن، شاہان سلف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے رحلوں پر رکھے ہیں اور لوگ ان کو پڑھتے رہتے ہیں۔ جنوبی سمت مجاور رہتے ہیں۔ صحن کے وسط میں مثمن چبوترہ ہے اور اس پر مزار ہے۔

چبوترہ سنگ مرمر کا ہے۔ اوپر بھی فرش سنگ مرمر کا۔ قبر بھی ایک ٹکڑا سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ چبوترے کے آٹھوں پہلوؤں پر چوبی پنجرہ ہے۔ پہلے اوپر مزار کے گنبد نہ تھا مگر ۱۲۷۸ ہجری میں مسمی نور محمد سادھو نے یہ گنبد بنوایا تھا۔ جواب موجود ہے۔ گنبد مدور نہایت خوبصورت ہے۔ آٹھوں دہن رکھے گئے ہیں۔ آٹھوں میں نیچے پنجرے اور اوپر آئینے لگا کر بند کر دیئے گئے ہیں۔ جنوبی دروازہ رکھا گیا ہے اس احاطے کے مطابق جنوب و مشرق کے گوشے میں ایک عالیشان مسجد گنبد دار بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد حضرت نے خود بنوائی تھی مگر اب ۱۸۷۸ء میں دوبارہ بنائی گئی ہے۔ اس حاطے کے شمالی والان میں سے احاطہ قبر شیخ امام الدین کی طرف رستہ ہے اور وہ احاطہ حضرت کے احاطے سے بجانب مشرق و جنوب دیوار بہ دیوار ہے۔ شیخ امام الدین کی قبر کا احاطہ بھی نہایت مکلف بنا ہے۔ قبر نواب شیخ امام الدین کی سنگ مرمر کی بنی ہے اور قبر کی جنوبی دیوار پر یہ شعر لکھے ہوئے ہیں۔

دریغا کہ بے ما، بسے روزگار
بروید گل و شگفد نو بہار
بسے برود بر دی ماہ واردی بہشت
بیاید کہ ما خاک باشیم و خشت

یہ قبر سنگ مرمر کی نہایت عمدہ و مقطع بنی ہے جو بعد وفات نواب شیخ امام الدین کے بیٹے نواب غلام سبحانی نے بنوائی تھی اور اللہ بخش نامی حکاک نے اس قبر کو بنایا اور قبر کی چھاتی پر جو پتھر لگا ہے اس پر یہ تاریخی ابیات لکھے ہیں۔

چوں کہ نواب شیخ امام الدین
شد ز دنیا رود بہ خلد نہاد
گفت ھاتف بہ سال تاریخش
احمد مجتبیٰ شفیعش باد

Marfat.com

اس کے نیچے یہ شعر لکھا ہے:

چوں بخاکم بگذری دامن کشاں
از سر اخلاص الحمدے بخواں

چار دیواری مقبرہ کے باہر جنوب کی سمت بہت سے مزار پختہ و مسجدیں بنی ہوئی ہیں اور بہت سی نشست گاہیں مجاروں کی۔ اس مزار کے مجاور بہت سے ہیں، گنتی ستر آدمیوں سے زیادہ ہے۔ آمدنی چڑھاوے کی وہ بہ حصہ مساوی تقسیم کرتے ہیں۔ یہ بزرگ یعنی علی گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہجویری حسنی سید ہے۔ اس طرح پر اس کا شجرہ درج کتب ہے:

''شیخ علی بن سیّد عثمان بن سیّد علی بن سیّد عبدالرحمٰن بن سیّد عبداللہ بن سیّد ابوالحسن بن سیّد حسن بن سیّد زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضٰی۔''

اور پیری شجرہ اس کا اس طرح پر ہے کہ یہ بزرگ خواجہ ابوالفضل بن حسن ختلی کا اور وہ خادم شیخ علی حقیری کا اور وہ خادم شیخ شبلی کا اور وہ جنید بغدادی کا اور وہ سری سقطی کا اور وہ معروف کرخی کا اور وہ داؤد طائی کا اور وہ حبیب عجمی کا اور وہ حسن بصری کا اور وہ علی المرتضٰی کا۔

اس بزرگ نے عربی و فارسی میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں چنانچہ کتاب ''کشف المحجوب'' بہ زبان فارسی تصوف کے علم میں اس نے ایسی لکھی ہے کہ اس کا ثانی روئے زمین پر نہیں ہے۔

اس مزار پر آٹھویں روز بہ روز جمعہ میلہ ہوتا ہے اور خلقت کثیر جمع ہوتی ہے۔ بڑا میلہ یعنی عرس ماہ صفر کی ۱۷ تاریخ کو ہوتا ہے اور دوسرا میلہ آخری چہار شنبہ کے روز۔ یہ دونوں میلے بڑے بھاری ہوتے ہیں۔ دور دور سے خلقت آتی ہے اور اس میلے میں شامل ہوتی ہے۔ جمعرات کی رات کو بھی بہت لوگ شب بیدار آتے ہیں اور تمام رات عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

Marfat.com

## از جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہور

یا جناب مصطفیٰ سلطان داتا گنج بخش
یا محمد بادشاہ دین و دنیا گنج بخش

میرے صاحب میرے مالک میرے آقا گنج بخش
میرے حضرت میرے والی میرے مولا گنج بخش

مانگنے کے واسطے آیا ہے در پہ آپ کے
یہ فقیر بے نوا عاجز گدا یا گنج بخش

خیر بخشو اپنے گنجینے سے یا خیر الوریٰ
خالق اکبر نے ہے تجھ کو بنایا گنج بخش

آپ کے در کے ہیں سائل بادشاہان جہان
نام ہے مشہور دنیا میں تمہارا گنج بخش

گنج علم و گنج عرفان گنج سیم و گنج زر
بخشو اس دریوزہ گر کو میرے داتا گنج بخش

کون آیا ہے سخی دنیا میں ثانی آپ کا
اور ہوا ہے کون اس رتبے کا پیدا گنج بخش

مانگنے آتا ہے جب کوئی گدا دربار پر
آپ دیتے ہیں اسے فی الفور سارا گنج بخش

ایک گر مانگے کوئی دس اس کو کرتے ہو عطا
کون ایسا دوسرا دنیا میں ہوگا گنج بخش

ہے یقین اب سرور مفلس غنی ہو جائے گا
پالیا ہے اس نے اب یثرب میں گھر اپنا گنج بخش

Marfat.com

# گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس اور اس کی تعمیر

﴿نسیم عباسی﴾

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت شیخ ہندی نے آپ کا مزار مبارک اور اردگرد چوکور چبوترہ تعمیر کرایا۔ حضرت شیخ لطف اللہ المعروف لطفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چبوترہ کو وسیع کیا۔

چبوترہ کے اوپر چاردیواری اور لکڑی کی چھت سلطان ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی نے بنوائی جبکہ خاندان مغلیہ کے فرمانروا جلال الدین محمد اکبر کے عہد میں چوکور چبوترہ کو ہشت پہلو مقبرہ کی صورت دی گئی اور مزار کے اردگرد چاردیواری بنائی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ دالان بھی تعمیر ہوئے جہاں زائرین قیام کرتے تھے...... ۱۲۴۰ھ میں راجہ رنجیت سنگھ کے فیل بان میاں عوض خان نے ہشت پہلو آستانہ کے دروں میں لکڑی کی خوبصورت جالیاں لگوائیں جو چوبی کاریگری میں اعلیٰ نمونہ تھیں۔

## گنبد کی تعمیر:

۱۲۷۸ء میں نور محمد سادھو نے پختہ گنبد تعمیر کروایا جبکہ ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء میں مولوی فیروزدین (مالک فیروز سنز لاہور) نے چوبی جالیوں کی جگہ سنگ مرمر کی جالیاں اور مزار مبارک کی بیرونی دیواروں پر سنگ مرمر لگوایا اور گنبد پر سبز ٹائلیں لگوائیں۔

۱۹۴۲ء میں سجادہ نشینوں نے مزار مبارک کے سرہانے نو (۹) فٹ چوڑی سنگ مر

Marfat.com

مر کی جالی تعمیر کی تا کہ خواتین باپردہ فاتحہ خوانی کر سکیں۔ ازاں بعد خواتین کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے غلام گردش کی تعمیر کے وقت اسے ہٹا دیا گیا اور شمال مشرقی حصہ کو خواتین کے لئے مخصوص کر دیا گیا......۱۹۶۶ء محکمہ اوقاف نے یہاں دیوار تعمیر کی اور اس پر سنگ مرمر لگوایا۔

غلام گردش کی تعمیر:۔

امیر النساء زوجہ میاں شاہنواز نے ۱۹۴۴ء میں مزار مبارک کے چاروں جانب غلام گردش کی تعمیر کروائی۔ ان کی وفات کے بعد ادھورا کام سجادہ نشینوں نے مکمل کیا۔ غلام گردش کی پشت بنوائی اور فرش پر سنگ مرمر لگوایا ازاں بعد محکمہ اوقاف پنجاب نے غلام گردش کو کشادہ کیا۔

گنبد کی مرمت:۔

۱۹۶۸ء میں گنبد کے اندر دراڑ آ گئی تو میجر میر ابراہیم نے مرمت کرایا......سورۃ یاسین کی آیات اور اللہ جل شانہ کے اسماء الحسنٰی حاجی دین محمد خوشنویس نے لکھوائے۔

ماہنامہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور، مدیر مسؤل صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد، ماہ ذیقعد وذوالحج ۱۴۱۱/۰ جون ۱۹۹۱ء شمارہ ۶...... مضمون نگار صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد صفحہ ۳۴-۳۵

مسجد گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور آمد پر جہاں سکونت اختیار کی وہیں ایک مسجد تعمیر کی اور بندگان خدا کی رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس موقع پر لاہور کے بعض علماء کرام نے آپ کی تعمیر کردہ مسجد کی سمت قبلہ پر اعتراض کیا تو آپ نے معترضین کو دعوت پر مدعو کیا اور ان سے خطاب کیا اور فرمایا آیئے نماز پڑھتے ہیں آپ کو اعتراض کا جواب مل جائے گا چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کرائی

Marfat.com

اور جب وہ سر بسجود ہوئے تو خانہ کعبہ کو اپنے سامنے پایا، نماز کے بعد معترضین نے ندامت کا اظہار کیا اور آپ کی کرامت اور علم و عرفان سے بہت متاثر ہوئے۔

جب یہ مسجد بوسیدہ ہوگئی تو گلزار شاہ مادھو نے اسی جگہ مسجد بنوائی جس کا ایک گنبد تھا ازاں بعد جھنڈو نامی شخص نے اس کی مرمت کرائی......۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں چودھری غلام رسول کٹھ والا نے اس مسجد کو دوبارہ بنوایا۔ اس کی محراب کی جگہ اب بھی ایک سفید سنگ مرمر کا نشان موجود ہے۔ جو غلام گردش کے جنوب مغربی کونے کے قریب موجود ہے۔ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء میں مسجد کے صحن کے جنوبی حصہ میں وضو کر کے ایک حوض اور اذان کے لئے دو منزلہ برج بنوایا گیا۔ بعد ازاں حوض اور برج مسمار کر دیا گیا......اس مسجد کو راوی کے سیلابوں نے بھی بہت نقصان پہنچایا۔

مسجد کی توسیع اور محکمہ اوقاف:۔

محکمہ اوقاف نے دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور اس سے ملحقہ جائیداد ۱۱ جنوری ۱۹۶۰ء بروز پیر اپنی تحویل میں لی۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے زندگی بھر تبلیغ دین واشاعت اسلام اور بندگان خدا کی رہنمائی کی۔ آپ کی جامع کمالات شخصیت مخلوق کو علمی، مذہبی، روحانی اور اخلاقی ضروریات بہم پہنچاتی رہی اور آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کا روحانی فیض جاری ہے اور آپ کے مزار مبارک پر ہر وقت عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ لہٰذا محکمہ اوقاف نے درگاہ کو تحویل میں لیتے ہی اس بارے منصوبہ بندی شروع کر دی تھی تا کہ زائرین وزائرات کو سہولت مہیا ہو سکے لہٰذا محکمہ نے ابتدائی سطح پر دربار شریف کے ساتھ عظیم الشان مسجد کی تعمیر شامل تھی۔ چنانچہ مسجد کی تعمیر کے ڈیزائن کی تیاری کے لئے ایک بین الاقوامی مقابلہ منعقد کرایا گیا جس میں ملکی و غیر ملکی ماہر تعمیرات نے حصہ لیا اور ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی جس کے سربراہ سابق صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق شہید تھے نے ۱۹ فروری ۱۹۸۰ء کو موصولہ ڈیزائنوں کا جائزہ لیا اور میسرز نقوی اینڈ صدیقی کا ڈیزائن منتخب

کرلیا گیا۔اس ڈیزائن میں شاہی مسجد ٹھٹھہ، بادشاہی مسجد لاہور، مسجد وزیر خان اور برادر اسلامی ملک ترکی کی گرین مسجد کی اس اعلیٰ طرز تعمیر کی روایات کو سمونے کی سعی کی گئی ہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق شہید نے ۲۸ جنوری ۱۹۷۸ء کو مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی مالی اعانت کی جناب میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان جو اس وقت وزیر اعلیٰ تھے، نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے منصوبہ کی تکمیل کے لئے مکمل سرپرستی کی......

بعض فنی لوازمات اور مطلوبہ قطعہ اراضی دستیاب نہ ہونے پر مسجد کی باقاعدہ تعمیر ۱۹۸۲ء کے وسط میں شروع ہوئی۔ یہ مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے ملحق واقع ہے اور اسی وجہ سے یہ مسجد، مسجد داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہلائی بلکہ آپ کے نام نامی کی نسبت سے پورا شہر (داتا کی نگری) کہلاتا ہے۔ مسجد کی تعمیر بحمد للہ ۱۹۸۹ء میں مکمل ہوئی اور اس کا افتتاح ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ، ۲۸ نومبر ۱۹۸۹ء 2 بجے دوپہر جناب میاں نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب نے کیا۔ اس تقریب میں مقامی علماء مشائخ اور دانشور حضرات کے علاوہ بھارت سے دہلی مرکزی مسجد کے امام عبداللہ بخاری، سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء اور مشائخ نے بھی شرکت کی جو محکمہ اوقاف پنجاب کے لئے بڑا اعزاز ہے۔

## حجرۂ اعتکاف:

حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے سامنے جنوب کی جانب حجرہ جسے شیخ ہندی نے تعمیر کروایا، چلہ کشی کی تھی۔ جلال الدین اکبر نے اس حجرہ کو پختہ تعمیر کروایا۔ ازاں بعد ۱۹۴۲ء میں حجرہ کی جگہ سنگ مرمر کی جالی دار دیوار اور اس کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد بنوا دیا تھا۔ جو آج بھی موجود ہے، البتہ حجرۂ اعتکاف کی مشرقی و مغربی دیواروں کی جگہ سنگ مرمر کی جالیاں ہیں جو محکمہ اوقاف پنجاب نے لگوائی ہیں اس کی لمبائی ۱۱ فٹ اور چوڑائی ۹ فٹ ہے۔

Marfat.com

**دربار شریف اور دروازے:**

۱۹۶۰ء میں سیّد مراتب علی نے مزار مبارک کی جنوبی جانب ایک سہہ درہ دروازہ بنوایا جب حکومت ایران نے ۱۹۷۴ء میں سنہری دروازہ تحفہ کے طور پر دیا تو اسے سہ درہ کے درمیانی حصہ میں نصب کر دیا گیا۔ اسی طرح بیگم سیّد مراتب علی نے ایک دروازہ شمال مشرق کی طرف تعمیر کروایا جو خواتین کے لئے مخصوص تھا۔ اب یہ دروازہ داتا دربار کمپلیکس فیز دوم کی تعمیر کی وجہ سے ختم ہو گیا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں بیگم چودھری عید محمد نے مزار مبارک کی مشرقی جانب ایک دروازہ تعمیر کرایا...... یہ بھی ختم ہو گیا ہے۔

Marfat.com

# ہمارا داتا

صاحبزادہ نصیرالدین گولڑہ شریف

ہر گھڑی وقت میں ہے سب کا سہارا داتا
سارے داتاؤں کا داتا ہے ہمارا داتا

کی مدد تو نے تجھے جب بھی پکارا داتا
تیری خیرات پہ ہوتا ہے گزارا داتا

یہ سعادت بنے بخشش کا اشارا داتا
قبر سے لے کر اٹھوں نام تمہارا داتا

کیوں نہ ہو مجھ کو دل و جان سے پیارا داتا
زندگی ایک تلاطم ہے! کنارا داتا

سر جھکانے نہیں دیتا کسی چوکھٹ پہ مجھے
تیری غیرت تری نسبت کا سہارا داتا

دل ہو انوار سے معمور! مقدر جاگے
جس طرح ہو تری رحمت کا اشارا داتا

نام آجائے ترا لب پہ جو غرقابی میں
لینے آئے مجھے طوفاں میں کنارا داتا

دل بیتاب کی تسکین مرے بس میں نہیں
لو سنبھالو! کہ یہ ہے کام تمہارا داتا

آج انوار محمد سے فضا ہے جگمگ
اللہ اللہ یہ منظر، یہ نظارا داتا

بس یہی میری دعا ہے مری حسرت مری آس
آسکوں پھر تری چوکھٹ پہ دوبارا داتا

روشنی شمع شریعت میں تری ذات سے ہے
گلشن دیں ترے ہاتھوں نے سنوارا داتا

شہر لاہور پہ کیوں بارش انوار نہ ہو
سج رہا ہے حسنی راج دلارا داتا

غوث اعظم کے حوالے سے نصیر آیا ہے
اک نظر اس پہ بھی ہو جائے خدارا داتا

Marfat.com

# ہجویری مسجد

﴿محمد نسیم عباسی﴾

لاہور شہر پاکستان کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ یہ صدیوں سے برصغیر پاک و ہند کا ایک اہم علمی و تہذیبی مرکز رہا ہے۔ اس کی سرزمین نے حکمت و معرفت کے رازوں کا کبھی نہ ختم ہونے والا خزینہ اپنے دامن میں سمویا ہوا ہے اور اسے عظیم المرتبت شخصیات کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ انہیں میں ایک ہستی حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کا نام اس شہر کی شناخت اور پہچان ہے اور اس نسبت سے اسے ''داتا کی نگری'' کہا جاتا ہے۔

مختلف ادوار میں سلاطین اسلام نے یہاں کئی تاریخی عمارات، باغات، مقبرے اور مساجد تعمیر کی ہیں۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح قنوج کے بعد یہاں ایک مسجد آدینہ یعنی جمعہ مسجد اور مینار قائم کیا۔ اس طرح یہاں اسلامی عمارات کا آغاز ہوا۔ البتہ لاہور کے علاوہ دیگر شہروں، منصورہ، ملتان، دیبل اور الرور میں مساجد قائم ہو چکی تھیں۔ محمود غزنوی نے لاہور میں مسلم آبادی کے لئے ایک علاقہ آباد کیا تھا، جسے ایاز ملک نے نہ صرف وسعت دی بلکہ اسے از سر نو تعمیر کیا۔ عہد غزنویہ میں اس شہر کو دارالخلافہ بننے کا اعزاز بھی ملا ہے اور اسے ''غزنوی خورد'' کہا جاتا تھا۔

عہد غزنوی میں اور اس کے بعد متعدد اولیائے عظام اور علمائے کرام غزنی سے

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند بالخصوص لاہور تشریف لائے اور انہوں نے تبلیغ دین واشاعت اسلام کا کام کیا۔ ان شخصیات میں سید اسماعیل بخاری، (م ۱۰۵۶ء) سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰۴ء) سیّد احمد توختہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۰۵ء) سیّد حسن زنجانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۰۳ء) سیّد یعقوب زنجانی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ شاہ صدر دیوان (م ۱۲۷۶ء) سیّد اسحاق زنجانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۶۲ء) پیر ہادی رہنما رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۶ء) شامل ہیں۔ ان بزرگان دین کے مزارات کے ساتھ واقع مساجد ان کی حیات مبارکہ میں ہی تعمیر ہوگئی تھیں اور اب ان کی جگہ نئی مساجد تعمیر ہو چکی ہیں، جن سے دور حاضر کے مسلمانوں کی اسلام سے گہری وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔

عہد مغلیہ سے قبل تعمیر کردہ مساجد میں سے اکثر مساجد شہید ہو چکی ہیں اور ان کی تعمیر اور تزئین وآرائش از سر نو کی گئی ہے مثلاً جامع مسجد نیلا گنبد، مسجد چوہٹر بندگی، مسجد مفتیاں، نیویں مسجد (اندرون یکی دروازہ) اور بالخصوص جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ عہد مغلیہ کی زیادہ تر تاریخی مساجد اصل حالت میں موجود ہیں، زیادہ تر مغل سلاطین کی تعمیر کردہ ہیں۔ اس دور میں لاہور کو سیاسی ومعاشی وحربی اعتبار سے ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس دور میں خانقاہیں، مقبرے اور مساجد بڑی تعداد میں تعمیر ہوئیں۔

عہد مغلیہ کی مساجد کی چند خصوصیات نمایاں ہیں جو دوسری مساجد سے انہیں منفرد کرتی ہیں۔ تمام مساجد کے ساتھ خانقاہیں، مدرسے اور باغات موجود ہیں مثلاً حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت محمود ایشاں رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ چراغ۔ اس دور میں مسجد عموماً سادہ تعمیر ہوتی تھیں۔ مشرق میں صحن، مغرب میں محراب کے ساتھ ایک ایوان جو تین گنبدوں سے ڈھکے ہوئے تین محرابوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ وضو کے لئے صحن میں حوض بنایا جاتا تھا۔ محرابوں میں سادہ چونے کے پلستر ونگار بنائے جاتے تھے۔ عہد جہانگیری میں مسجدوں کو مزید وسعت اور شان وشوکت دی جانے لگی۔ مریم زمانی کی مسجد اس دور کی حسین مثال ہے۔ اس دور میں پتھر کا فی استعمال ہوتا تھا۔ پتھر کی جالیاں، منقش

Marfat.com

پتھروں کی ریلنگ کا عام استعمال ہوتا تھا۔

## حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور آمد اور مسجد کی تعمیر:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ غزنی سے لاہور پہنچے تو آپ نے سنت نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے یہاں ایک مسجد تعمیر کی جسے آپ نے تبلیغ کا مرکز بنایا۔ لاکھوں افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت یہاں کفر والحاد کا دور دورہ تھا۔ مسلمانوں میں دینی بے رغبتی عام تھی۔ آپ کی جامع کمالات شخصیت مخلوق کو علمی، مذہبی، روحانی اور اخلاقی ضروریات بہم پہنچاتی رہی اور آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کا روحانی فیض جاری ہے اور آپ کے مزار مبارک پر ہر وقت عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسجد تعمیر کروائی تھی اس کی چھت لکڑی کی تھی۔ اس مسجد کو دریائے راوی کے سیلابوں سے بھی بہت نقصان پہنچا ہے، اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی تعمیر و مرمت کا کام جاری رہا ہے۔ ۱۸۶۲ء میں گلزار شاہ سادھو نے نئی مسجد بنوائی اور اس پر گنبد بھی بنوائے۔ ۱۹۲۱ء میں چودھری غلام رسول کٹھ والا نے پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد بنوائی جس کا قطعہ تاریخ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں رقم فرمایا ہے۔

سال بنائے حرم موماناں
خواہ زجبرئیل و ہاتف مجو
چشم بہ المسجد الاقصیٰ فگن
الذی بارک ہم بگو

## جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیر نو:

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے لاکھوں عقیدت مندوں کی سہولت کے پیش نظر محکمہ اوقاف پنجاب نے ایک جامع منصوبہ تشکیل دیا جس میں سرفہرست دربار سے ملحق ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر شامل تھی۔ اس مسجد میں نمازیوں اور زائرین کو ہر قسم کی سہولتیں

Marfat.com

فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شہر کے وسط میں ایک قدیم درگاہ پر مسجد کی توسیع کر کے اسلامی روایات کا احیاء کیا گیا ہے۔ یہ مسجد اپنے خوبصورت اور دلکش فن تعمیر کی وجہ سے آنکھوں کو ٹھنڈک، دماغوں کو تازگی اور دلوں کو روحانیت بخشتی ہے۔ تعمیراتی کام کی عمدگی سے اس کے منتظمین اور تعمیراتی اداروں کے جمالیاتی ذوق اور ان کی تعمیر و اسلامی ثقافت سے گہری وابستگی کا ثبوت ملتا ہے۔

جامع مسجد تمام اسلامی ادوار اور جدید طرز تعمیر کو سامنے رکھ کر تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد پاکستان میں اپنے طرز تعمیر کے لحاظ سے قدیم و جدید اسلامی فن تعمیر کا حسین سنگم ہے اور اپنی انفرادیت کی بنا پر تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ یہ مسجد دینی اعتبار سے بھی ایک ممتاز مقام رکھتی ہے کیونکہ یہاں شاہ و گدا بغیر کسی امتیاز کے ہر وقت اپنی دینی اور روحانی تسکین کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ یقیناً مسجد ہمیشہ علم و روحانیت کا گہوارہ رہے گی۔

مسجد کا ڈیزائن:

جامع مسجد کی تعمیر کے ڈیزائن کی تیاری کے لئے ایک بین الاقوامی مقابلہ منعقد کرایا گیا جس میں ملکی اور غیر ملکی ماہرین تعمیرات نے حصہ لیا۔ تارکردہ ڈیزائن کا جائزہ ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی جس کے سربراہ سابق صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق شہید تھے نے لیا۔ چنانچہ ۱۹ فروری ۱۹۸۰ء کو موصولہ ڈیزائنوں میں سے ایک پاکستانی فرم میسرز نقوی اینڈ صدیقی کا ڈیزائن منتخب کر لیا گیا۔ اس مسجد کے ڈیزائن کی تیاری میں شاہی مسجد ٹھٹھہ، بادشاہی مسجد لاہور، مسجد وزیر خان اور برادر ملک ترکی کی گرین مسجد کی اعلیٰ طرز تعمیر کی روایات کو سمونے کی سعی بلیغ کی گئی ہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق شہید نے اسلام سے والہانہ شیفتگی کے پیش نظر از خود اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی خطیر رقم سے مالی اعانت فرمائی۔ چنانچہ دیگر فنی لوازمات اور مطلوبہ قطعہ اراضی دستیاب ہونے پر مسجد کی باقاعدہ تعمیر ۱۹۸۲ء کے وسط میں شروع ہو سکی۔

Marfat.com

## (الف) مسجد کی جائے وقوع:

یہ عظیم الشان مسجد پرانی مسجد کی جگہ پر ہی مزید اراضی حاصل کر کے تعمیر کی گئی ہے۔ یہ بھاٹی دروازہ سے باہر دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے ملحق واقع ہے اسی وجہ سے آج یہ مسجد ''مسجد داتا صاحب'' کے نام سے موسوم ہے، بلکہ آپ کی نسبت سے پورا شہر ''داتا کی نگری'' کہلاتا ہے۔

## (ب) مسجد کا ایوان:

مسجد کی تعمیر میں ایوان، محراب، صحن اور مینار بنیادی عنصر ہوتے ہیں۔ جامع مسجد داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایوان (یعنی محراب و منبر والا حصہ) ایک محراب نما گنبد کی شکل میں تیار کیا گیا ہے، جو ۱۶۰ فٹ لمبا، ۹۰ فٹ چوڑا اور ۴۰ فٹ اونچا ہے۔ ایوان کے بیرونی حصہ میں شیشے سے بنی ہوئی نہایت دیدہ زیب سکرین نصب کی گئی ہے جو اپنے معیار کے اعتبار سے بلاشبہ دنیا میں منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اسے دوست ممالک برطانیہ اور اٹلی میں تیار کیا گیا ہے۔ ایوان تین محراب نما گنبدوں پر محیط ہے۔ یہ گنبد اس طرح قائم کئے گئے ہیں کہ ان سے مسجد کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ مسجد کا یہ تمام محراب دار حصہ دراصل مقصد نماز کے اعتبار سے مسجد کی روح شمار ہوتا ہے۔ گنبد میں سٹین لیس سٹیل کے فریم میں مختلف رنگوں کے شیشے استعمال کئے گئے ہیں جو اسلامی طرز تعمیر کے نمونوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ ان میں کوفی رسم الخط میں ''یا اللہ'' اور ''یا محمد'' اس انداز سے خط بہار کی شکل میں ۲۴ قیراط طلاء میں تحریر کئے گئے ہیں کہ دونوں اطراف سے راست سمت نظر آتے ہیں۔

گنبد کی مغربی سمت میں محراب بنائی گئی ہے جس کے اطراف میں دو اور محرابیں ہیں جن میں سرامک ٹائلز نصب ہیں اور ان پر کوفی رسم الخط میں سات سات مرتبہ سورہ اخلاص تحریر کی گئی ہے۔ اس طرز تحریر سے سات زمینوں اور سات آسمانوں کی تعداد کو ظاہر

کیا گیا ہے اوراسی طرح دیواروں پر چاروں اطراف میں دھات کے ذریعے سورہ نور، آیۃ الکرسی اور درود شریف تحریر ہے۔ یہ کتابت ملک کے نامور خطاط جناب رشید بٹ نے کی اور اسے دھات میں ڈھال کر آویزاں کرنے کا کام مشہور میٹرجیکل انجینئر محمد ظہیر الدین نے انجام دیا۔

شمال اور جنوب دو گیلریاں تعمیر کی گئی ہیں جن میں سرامک ٹائلز پر نہایت دیدہ زیب نقش ونگار بنائے گئے ہیں۔ سرامک ٹائلز دوست برادر ملک ترکی کے مشہور شہر استنبول میں تیار کی گئی ہیں جنہیں محکمہ اوقاف کے انجینئر نے نہایت خوش اسلوبی سے موقع پر نصب کیا ہے۔ اسے ہر عام وخاص نے سراہا ہے۔ ایوانی دیواریں اور فرش خوبصورت سنگ مرمر کے ہیں۔ محراب والی دیوار پر ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی ہے۔

(ج) صحن:

مسجد کے ساتھ ایک مستطیل شکل وہیئت میں ایک کشادہ صحن ہے۔ اس کی پیمائش ۳۰۰x۱۴۰ فٹ ہے فرش مصلیٰ بندی کی صورت میں سنگ مرمر سے تیار کیا گیا ہے۔ صحن کے دونوں اطراف میں گنبد دار برآمدے بنائے گئے ہیں، تاکہ نمازی ایوان تک پہنچنے میں موسم کے ناخوشگوار اثرات سے محفوظ رہیں۔

(د) مسجد کا زیریں حصہ:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کا تعویز سطح زمین سے پندرہ فٹ بلند ہے۔ اس لئے مسجد کا صحن اس کے برابر رکھا گیا ہے اور اس کا زیریں حصہ بھی تیار کیا گیا ہے جو بطور مسجد استعمال ہوگا۔ یہ حصہ ستونوں پر قائم ہے جو نہایت مہارت کی عکاسی کرتا ہے۔ زیریں وبالائی حصوں کے باہمی ربط کے لئے صحن کے درمیان سے دوطرفہ سیڑھیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ اس حصہ میں دو بڑے ہال ہیں اور نمازیوں کے وضو وطہارت کے لئے طہارت خانے بنائے گئے ہیں۔ جہاں ڈیڑھ صد افراد بیک وقت وضو

Marfat.com

کر سکتے ہیں۔ وضو خانوں کی پیائش ۱۴۰x۴۰ فٹ ہے۔ وضو کے بعد اس سے ملحقہ دو ہالوں یا بالائی حصہ میں نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ زیرین ایوانوں کے اطراف میں سنگ مرمر اور لوہے کی نہایت خوبصورت جالیاں نصب ہیں جہاں سے روشنی اور تازہ ہوا آتی ہے۔ اس حصہ میں روشنی اور موسمی اثرات کے پیش نظر نمازیوں کی سہولت کے لئے متعدد انتظامات کئے گئے ہیں۔ روشنی کا انتظام اس انداز سے کیا گیا ہے کہ ستونوں کی بالائی سطح سے یہ منعکس ہو کر آتی ہے۔ اس سے نور کے ابھرنے کا تصور دیا گیا ہے۔

**(ہ) ڈیوڑھیاں:**

مسجد کے شمال اور جنوب میں نمازیوں کی آمد و رفت کے لئے ڈیوڑھیاں تعمیر کی گئی ہیں جو مسجد کو دربار روڈ اور ذیلدار روڈ سے ملاتی ہیں، جن کی مدد سے نمازی براہ راست مسجد میں داخل ہو سکیں گے۔ یہ گنبد و محراب کی صورت میں سرامک ٹائلز سے اس انداز سے تعمیر کی گئی ہیں کہ ان سے اسلامی برادر ممالک ایران و ترکی کے فن تعمیر کی عکاسی ہوتی ہے۔ حسن اتفاق سے پاکستان میں یہ خصوصیت صرف اس مسجد کو حاصل ہے جو اس کی انفرادیت کو عیاں کرتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ دوسرے مذاہب میں نہیں ملتیں۔

**(و) برآمدے:**

مسجد کے صحن میں خوبصورتی اور موزونیت پیدا کرنے کے لئے مسجد کے شمال و جنوب ہر دو رخ پر دو برآمدے بنائے گئے ہیں جو مسجد کی دلکشی کو مزید دوبالا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایوان تک پہنچنے کے لئے یہ گزرگاہیں نمازیوں کو موسمی اثرات سے محفوظ کرنے میں بھی نمایاں کردار ادا کریں گی۔

**(ز) مینار:**

مسجد کے شمال و جنوب میں دو بڑے مینار تعمیر کئے گئے ہیں، جو ترکی کی مشہور گرین

Marfat.com

مسجد استنبول کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ مینار ۱۹۰ فٹ بلند ہیں جو لاہور میں سب سے اونچے ہیں۔ ان میں ۱۳۵ فٹ تک سیڑھیاں ہیں اور آخر میں ایک چبوترہ ہے، جہاں سے لاہور شہر کا دور دور تک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ میناروں کا ۴۰ فٹ بالائی حصہ مخروطی شکل کا ہے جس میں سٹین لیس سٹیل کی پونے دو من وزنی گولڈ لیفڈ کونیں نصب کی گئی ہیں۔ میناروں کا زیریں حصہ مربع شکل کا ہے جسے سرامک ٹائلز سے نہایت خوبصورت انداز سے مرصع کیا گیا ہے۔ یہ مینار نہایت اعلیٰ تعمیری اصولوں پر تیار کئے گئے ہیں اور یہ معماری کا ایک بہترین نمونہ ہیں جو مسجد کو دیگر مساجد سے ممتاز کرتے ہیں۔ بڑے میناروں کے علاوہ بارہ مختلف سائز کے چھوٹے مینار بھی بنائے گئے ہیں۔ دو سو فٹ بلند میناروں پر گولڈ لیفڈ کونوں کی تنصیب ایک بہت بڑا چیلنج تھا، جسے محکمہ اوقاف کے انجینئرز نے نہایت مہارت سے سرانجام دیا۔

## اعانت:

مسجد کی تعمیر میں سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہید کی جانب سے ڈیڑھ کروڑ روپے کی مالی اعانت کے علاوہ جناب میاں محمد نواز شریف وزیراعظم پاکستان جن کی اسلام سے وابستگی اظہر من الشمس ہے، ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے مسجد کی تعمیر میں نہ صرف سرکاری سطح پر مالی تعاون کیا بلکہ ذاتی حیثیت کو بروئے کار لاتے ہوئے گراں قدر مالی اعانت بہم پہنچائی ہے۔

## رقبہ:

مسجد ۱۲ کنال اراضی پر محیط ہے اور یہ مسجد بادشاہی مسجد اور فیصل مسجد اسلام آباد کے بعد تیسری بڑی مسجد ہے، جس میں پچاس ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

## تعمیراتی فرمیں:

مسجد کے ڈیزائن کی تیاری اور اس کے مختلف تعمیراتی مراحل سے میسرز نقوی اینڈ

Marfat.com

کمپنی کے جناب قمر علوی اور جناب محمد مقتدر، میسرز کنفورس لمیٹڈ کے جناب نسیم سہگل اور جناب ملک عبدالحمید، عراقی مسلم کمپنی کے جناب سمیر ایس محمود اور جناب بی اے شفاف، نیشنل آرٹس کالج کے معروف آرٹسٹ جناب پروفیسر احمد خان، سمال انڈسٹریز کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب غلام رسول، معروف خطاط جناب رشید بٹ اور نامور میٹرجیکل انجینئر جناب محمد ظہیر الدین نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ مسجد کے اس عظیم الشان منصوبہ کی نگرانی کے لیے محکمہ اوقاف پنجاب نے ایک علیحدہ ڈائریکٹوریٹ پروجیکٹ ڈائریکٹر جناب محمد بشیر ملک کی سربراہی میں تشکیل دیا تھا۔ انہوں نے اس منصوبہ کو اول تا آخر بعض نامساعد حالات میں جس تکنیکی مہارت، شب وروز کی محنت اور جانفشانی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے، وہ قابل تحسین ہے۔

اس منصوبہ کی تکمیل میں جناب ضیاء الحق (مرحوم) اور جناب میاں محمد نواز شریف کے علاوہ سابق گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان، سیکرٹری اوقاف پنجاب جناب آفتاب احمد خان (مرحوم) جناب سید سبط الحسن، جناب اشفاق حسن، جناب تجمل حسین قریشی اور محکمہ اوقاف پنجاب کے سیکرٹری صاحبان، جناب منظور احمد لغاری، جناب محمد یوسف خان، جناب چودھری طالب حسین اور جناب چودھری عبدالرشید اور سابق سیکرٹری جناب ارشاد الحق کیانی نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ عمل درآمد کمیٹی کے فاضل ارکان کی خدمات بھی قابل تحسین ہیں جنہوں نے تعمیر کے دوران محکمہ اوقاف کو اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

## جامع مسجد سے ملحق توسیعی منصوبہ کی تیاری:

محکمہ اوقاف پنجاب نے جامع مسجد اور دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے گردونواح کے ماحول کو خوبصورت اور نمایاں بنانے کے لیے ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے جس کی منظوری جناب وزیراعلیٰ پنجاب دے چکے ہیں۔ یہ منصوبہ ۲۵ کنال اراضی پر محیط ہوگا۔ نقشہ کے مطابق زیرزمین تین بیسمنٹ ہوں گے۔ دو بیسمنٹ کار پارکنگ کے

Marfat.com

لئے مخصوص ہوں گے جہاں بیک وقت چار سو کاروں کی پارکنگ کی گنجائش ہوگی جبکہ تیسرے بیسمنٹ میں آڈیٹوریم، انڈسٹریل ہوم برائے خواتین، لنگر کی پکوائی، طہارت خانے، دفاتر، سکیورٹی فورس، ڈاکخانہ اور دکانات ہوں گی۔ نئے منصوبے کے ڈیزائن میں زائرین کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کے لئے کوشش کی گئی ہے۔

Marfat.com

# داتا حضور ہیں

ابوالعاصم محمد سلیم حماد

در سرتاج انبیاء کے سائل　　گنج بخشی پہ وہ سدا مائل
شرع و دین حبیب کے قائل　　قصد شیطان کی راہ میں حائل
داتا حضور ہیں

لطف و جود و کرم سے ہیں معمور　　مرقد پاک جلوہ زار نور
قاطع شرک کفر سے نفور　　مے عشق حبیب سے مخمور
داتا حضور ہیں

فقہ و دیں کی حقیقتوں کا نشاں　　علم و عرفاں کی روشنی کا جہاں
نور حق کی تجلیوں کا سماں　　حور و غلمان خلد کے مہماں
داتا حضور ہیں

حق و صدق و شعور کی آواز　　درد مندوں کے مونس و دمساز
چراغ دنیائے فقر کے شہباز　　مرکز نور جلوہ ہائے ناز
داتا حضور ہیں

اہل فقر و غنا کے سلطاں بھی　　آرزوئے شہ رسولاں بھی
زہد و تقویٰ کے حسن ذیشاں بھی　　قلب حماد کے نگہباں بھی
داتا حضور ہیں

Marfat.com

# حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری

﴿شیخ محمد اکرم﴾

شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰۹ء کے قریب پیدا ہوئے اور مختلف اسلامی ممالک کے سفر کے بعد سلطان مسعود کے دور میں سیّد موصوف دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ کچھ دیر تک درس دیتے رہے پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، جن میں سے رائے راجو جو سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا، خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔ مسلمان کرنے کے بعد آپ نے اس کا عرف شیخ ہندی رکھا اور اس کی نسل کے لوگ اب تک آپ کے مزار کے خدام و مجاور ہیں۔ آپ کی وفات ۴۶۵ھ میں یعنی ۱۰۷۲ء کے قریب ہوئی۔

جب داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پاکستان آئے اس وقت تصوف اپنی تاریخ کے دوسرے دور میں تھا۔ منصور حلاج، ذوالنون مصری اور خواجہ بایزید بسطامی نے تصوف میں بعض نئی (اور غیر اسلامی) چیزیں داخل کر دی تھیں، لیکن ابھی زہد و اتقا کو تصوف میں نمایاں جگہ حاصل تھی اور داتا صاحب تو شرع اور اصول دینی پر پوری طرح عامل تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے صوفی فرقوں کا حال لکھا ہے۔ اس میں حسین فارسی (منصور حلاج) اور ابو سلمان کے حلولی فرقوں کو ملحد اور لعنتی کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابو سلمان کون اور انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا۔ لیکن جو شخص حق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔"

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مثلاً کشف المحجوب، کشف الاسرار منہاج الدین، البیان لاہل العیان۔ یہ کتابیں اس وقت لکھی گئیں جب تصوف کی مشہور کتابیں مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اور ابن عربی کی فصوص الحکم ابھی نہیں لکھی گئی تھیں اور تصوف کی موجودہ تدوین، جس نے بعض باتوں میں اسے شرع اسلامی سے ایک مختلف نظام بنا دیا ہے، نہ ہوئی تھی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں متاخرین صوفیہ کا غلو یا نیم پختہ عقائد اور خیالات کا طومار نہیں۔ بیشتر دنیا اور دنیاداری سے دور رہ کر مرشد کی پیروی کر کے اللہ اللہ کرنے اور دل کو کبر و حرص سے پاک رکھنے کی باتیں ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے۔ دیوان تو اب نہیں ملتا البتہ نثر کی بعض کتابوں میں اشعار موجود ہیں۔

کشف المحجوب جسے پروفیسر نکلسن نے انگریزی قالب میں ڈھالا ہے، آپ کا شاہکار ہے اور چونکہ فارسی زبان میں تصوف پر یہ پہلی کتاب ہے اس کی تاریخی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنے رفیق ابو سعید ہجویری کی خواہش پر جو آپ کے ساتھ غزنی چھوڑ کر لاہور آئے تھے، لکھی اور اس میں تصوف کے طریقے کی تحقیق، اہل تصوف کے مقامات کی کیفیت، ان کے اقوال اور صوفیانہ فرقوں کا بیان، معاصر صوفیوں کے رموز و اشارات اور متعلقہ مباحث بیان کیے ہیں۔ اہل طریقت میں اس کتاب کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ دارا شکوہ کا بیان ہے: "کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچکس را بر اں سخن نیست و مرشدے است کامل۔ در کتب تصوف بہ خوبی آں در زبان فارسی تصنیف نہ شدہ۔

کشف المحجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں صوفیاء کے درمیان سماع کا رواج ہو گیا تھا۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: (ترجمہ)

''کرمان میں ایک دفعہ میں شیخ ابواحمد مظفر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سفر کے کپڑے تھے اور پریشان حال تھا۔ مجھے فرمانے لگے: ''اے ابوالحسن! تمہیں کس چیز کی خواہش ہے۔'' میں نے کہا: ''مجھے اس وقت سماع کی طلب ہے۔ انہوں نے ایک قوال کو بلوایا اور درویشوں کی ایک جماعت بھی جوش وخروش کے ساتھ آئی۔ مجھے سماع کے الفاظ نے مضطرب کر دیا۔ جب وقت گزرا اور میرا جوش کم ہوا تو شیخ ابواحمد پوچھنے لگے کہ سماع کا کیا اثر ہوا۔'' میں نے کہا: ''یا شیخ! بڑی مسرت ہوئی۔ فرمانے لگے کہ ایک وقت آئے گا کہ سماع اور کوے کی آواز میں تیرے لئے فرق نہ رہے۔گا کیونکہ طلب سماع اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ حاصل نہ ہو۔ جب مشاہدہ حاصل ہوتا ہے سماع کی خواہش مٹ جاتی ہے۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بالآخر آپ نے سماع سے توبہ کر لی اور نہایت صاف طور پر لکھا:

''میں عثمان جلابی کا بیٹا علی اس کو دوست رکھتا ہوں جو سماع میں نہ پڑے اور طبیعت کو پریشان نہ کرے کیونکہ اس میں بڑے خطرے ہیں اور بڑی آفت یہ ہے کہ عورتیں کسی اونچے مقام سے سماع کے حال میں درویشوں کو دیکھتی ہیں اور نوجوان اور نوخاستہ ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آفت سے مجھ پر جو کچھ گزرا ہے، گزرا ہے (آئندہ کے لئے) استغفار پڑھتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں کہ میرے ظاہر اور باطن کو آفتوں سے نگاہ میں رکھے۔''

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کا متاخرین سے مقابلہ کریں تو ان کے اصابت رائے، خلوص اور تقویٰ کی داد دینی پڑتی ہے لیکن زاہدانہ رنگ جو ابتدائی صوفیوں میں کبھی کبھی رہبانیت کی حد تک جا پہنچتا تھا، ان میں بھی موجود تھا۔ اپنی تصانیف میں انہوں نے عورتوں کی خوب خبر لی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: (ترجمہ)

Marfat.com

'بہشت میں سب سے پہلا فتنہ جو آدمؑ پر مقدر ہوا ہے۔ اس کا اصل یہی عورت تھی۔ پہلے پہل جو فتنہ دنیا میں ظاہر ہوا یعنی ہابیل اور قابیل کی لڑائی۔ اس کا سبب بھی یہی ذات شریف تھی اور جب خدا نے چاہا کہ دو فرشتوں (ہاروت، ماروت) کو سزا دے تو اس کا سبب بھی عورت ہی کو قرار دیا اور آج کے دن (یعنی ۵۶۵ھ کے قریب تک) دینی اور دنیاوی فتنوں کے تمام اسباب کا ذریعہ یہی عورتیں ہیں۔''

آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق واضح واقفیت نہیں ملتی لیکن کشف المحجوب میں اس مسئلے پر جو اندراج ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ فرماتے ہیں:

''میں جو کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک شادی کی آفت سے بچائے رکھا۔ پھر تقدیر سے میں آزمائش میں ڈالا گیا۔ میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کا اسیر ہوا۔ بغیر اس کے کہ میں نے اسے دیکھا ہو۔ ایک سال تک میں اس کے خیالات میں غرق رہا۔ نزدیک تھا کہ یہ چیز میرے دینی معاملات میں خلل انداز ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کمال لطف و فضل سے عصمت کو دل بیچارہ کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی۔''

آج کل بعض واعظ اور اہل مذہب اس امر پر بڑا زور دیتے ہیں کہ ہم بدترین زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ انگریزی تعلیم اور مغربی اثرات نے ہماری خوبیوں کو نیست و نابود کر دیا ہے اور آج سے پہلے اسلامی حکومت کے دوران میں ہر طرف نیکیوں کا دور دورہ تھا۔ تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس خوشگوار نظریے میں صداقت کا عنصر کس قدر ہے لیکن یہ دلچسپ نفسیاتی حقیقت ہے کہ راہبانہ طبیعتیں ہمیشہ دنیا کو دارالشیاطین سمجھتی رہی ہیں۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے کی نسبت جب دنیا کے سب سے بڑے ''بت شکن'' نے ابھی ابھی اپنا کام پورا کیا تھا لکھتے ہیں:

''خداوند بزرگ و بلند نے ہمیں اس زمانے میں پیدا کیا ہے جب لوگوں نے حرص و لالچ کا نام شریعت اور تکبر و جاہ و ریاست کی طلب کا نام عزت اور علم ریائے خلق کا نام

Marfat.com

خوف الٰہی اور دل میں کینہ پوشیدہ رکھنے کا نام حلم، لڑائی جھگڑے کا نام بحث مباحثہ، ہذیان طبع کا نام معرفت، نفسانی باتوں اور دل کی حرکتوں کا نام محبت، خدا کے رستے سے منحرف اور بے دین ہونے کا نام فقر اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا نام فنا فی اللہ اور ترک شریعت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔"

Marfat.com

# حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

مصحف اسرارِ حق بے شک ہے روئے گنج بخش
مخزنِ علمِ لدنی گفت گوئے گنج بخش

روکشِ فردوسِ اعلیٰ ہے جو کوئے گنج بخش
دل کھچا جائے مرا پھر کیوں نہ سوئے گنج بخش

ہیں نگاہِ قدسیاں میں بھی عظیم المرتبت
اللہ اللہ بارک اللہ آبروئے گنج بخش

لطفِ حق سے تھا انہیں حاصل حضوری کا شرف
دیدِ روئے مصطفیٰ تھی آرزوئے گنج بخش

پی رہے ہیں تشنہ کامانِ محبت خم پہ خم
بادۂ عشقِ نبی ہے در سبوئے گنج بخش

منکشف ہوتے ہیں بیشک اس پہ اسرارِ نہاں
ہو ارادت سے جو کوئی رو بروئے گنج بخش

کب تہی دست ان کے در سے ہے پھرا سائل کوئی
بہرِ الطاف و کرم جاری ہے جوئے گنج بخش

ان کے ذکرِ حق میں ذوق و وجد کی کیفیتیں
رقت و سوزِ دروں تھا در گلوئے گنج بخش

بے مراد و بے ادب، گستاخ بدبخت ازل
منکرِ منشائے فطرت ہے عدوئے گنج بخش

مہبطِ نورِ معارف ہے فدا قلبِ حضور
ہو نہ کیوں ہر اہلِ دل کو جستجوئے گنج بخش

Marfat.com

# کشف المحجوب کے صحیح ترین نسخے

﴿جلیل نقوی﴾

حضرت داتا گنج بخش سیّد علی بن عثمان بن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق اور مقبول بارگاہ تصنیف ''کشف المحجوب'' تصوف کی ایسی بلند پایہ کتاب ہے کہ گزشتہ قریباً ایک ہزار سال سے ہر عہد اور ہر مقام کے بزرگان کرام، صوفیائے عظام اور اولیائے بلند مرتبت سے اس نے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ ہر زمانہ کے بزرگان دین اور اولیاء اللہ نے اس کتاب کی دل کھول کر تعریف کی ہے اور اسے ہمیشہ اپنے مطالعہ کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔ یہ اپنے موضوع پر فارسی کی اولین تصنیف ہے۔ مصنف کے خلوص، طرز بیان اور انداز تحریر نے اسے شاہکار کی حیثیت دیدی اور بارگاہ خداوندی میں قبولیت نے اسے قبولیت عامہ کی سند عطا کر دی۔ چنانچہ اس کی تصنیف کی تکمیل کے بعد بہت کم عرصہ میں اس کے قلمی اور خطی نسخے امصار و دیار میں دور دور تک پہنچ گئے۔ صاحبان علم و دین کے لئے اس کتاب کے ایک نسخہ کا حصول گویا ایک نعمت عظمیٰ کے حصول کے برابر تھا۔ چنانچہ اس کتاب سے استفادہ کا اعتراف قدیم زمانہ کے تمام صوفیائے عظام نے کیا ہے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف تذکرۃ اولیا میں اور حضرت خواجہ عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بلند پایہ تصنیف ''نفحات الانس'' میں ''کشف المحجوب'' سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے موضوع پر ہر

Marfat.com

صاحب تصنیف بزرگ نے اسے پیش نظر رکھا ہے اور اس کے فیض کا اعتراف کیا ہے۔ دنیا بھر کی لائبریریوں میں اس کے خطی نسخے موجود ہیں۔ یہاں تک کہ ایران، ترکی، وسطی ایشیاء اور برصغیر پاکستان و ہند کی بہت سی ذاتی لائبریریاں ایسی موجود ہیں جہاں اس کتاب کا کوئی نہ کوئی قلمی نسخہ ایک بیش قیمت خزانہ کی حیثیت سے محفوظ ہے۔ یہ بات اس کتاب کی مقبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی لائبریری ایسی نہیں جہاں اس کے قلمی نسخے موجود نہ ہوں۔ اس کے علاوہ صاحب علم لوگوں کی ذاتی لائبریریوں میں بھی ایسے نسخے موجود ہیں۔ ان قلمی نسخوں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر شاید ہزاروں تک پہنچتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کی مقبولیت کا کیا عالم تھا اور اس کی طلب کس قدر وسیع تھی۔ شاید تصوف کی اور کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے خطی نسخے اتنی کثیر تعداد میں مختلف لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں میں موجود ہوں۔ اس کتاب کی مقبولیت اس قدر ہمہ گیر رہی ہے کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان زبانوں میں صرف مشرقی زبانیں شامل نہیں ہیں بلکہ بہت سی مغربی زبانیں بھی اس ترجمہ سے مالدار ہیں جن میں انگریزی، جرمن اور ڈچ زبانیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ایک ایسی کتاب جو اپنی تصنیف کی تکمیل کے ساتھ ہی قبول عام کا درجہ حاصل کر لے اور اس کے خطی نسخے عام ہو کر دور دور تک پہنچ جائیں، اس کے لئے یہ خدشہ بھی اس کی مقبولیت کے درجہ کے برابر ہی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی عبارت کے اندر لفظی اور معنوی غلطیاں راہ پا جائیں گی۔ قلمی نسخے نقل کرنے والے خواہ کتنے بھی محتاط ہوں، غلطی کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے۔ چھاپہ خانے کے عام ہونے سے قبل تو مقبول عام کتابوں کے قلمی نسخے بنا کر فروخت کرنا ایک پیشہ بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ انسانی کمزوریوں اور خامیوں کے ساتھ ساتھ کچھ پیشہ ورانہ مجبوریاں بھی سامنے آتی رہتی ہیں۔ آج اس جدید زمانہ میں کس قدر سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت کی مہارت کس اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئی ہے مگر کتابت کی غلطیوں سے مفر نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس بلند پایہ تصنیف میں بھی قلمی نسخے بناتے وقت غلطیاں لازماً راہ پا گئی ہوں گی اور یہ مسئلہ پیدا ہوا ہوگا کہ اختلاف کی صورت میں کس عبارت کو درست تسلیم کیا جائے۔ یہ مسئلہ ہر قدیم اور مقبول عام کتاب کے سلسلہ میں کسی نہ کسی مرحلہ پر پیش آتا رہا ہے اور ہر فن کے علماء نے بڑی محنت، دیدہ ریزی اور جانفشانی سے یہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ ان کتابوں کے درست نسخے ہمارے پاس موجود ہیں۔

کتاب جس قدر مقبول عام رہی ہو اسی قدر اس کے قلمی نسخے تیار ہونے ضروری تھے اور جس قدر زیادہ نسخے تیار ہوں اسی قدر زیادہ غلطیوں کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح دور دور تک پھیلی ہوئی کتاب کی غلطیوں کو درست کر کے صحیح نسخہ مرتب کرنا اسی قدر زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ کشف المحجوب کے سلسلہ میں بھی علماء کو لازماً یہ مشکل پیش آئی ہوگی۔ اس صورت میں کوئی قدیم ترین نسخہ تلاش کرنا پڑتا ہے تاکہ بعد میں راہ پا جانے والی غلطیوں کی نشاندہی ہو سکے۔ اس کتاب کا صحیح نسخہ مرتب کرنے والے علماء کو ایسے قدیم نسخے تلاش کرنے میں جانے کتنی دقت پیش آئی ہوگی اور ان نسخوں کو سامنے رکھ کر درست اور صحیح نسخہ مرتب کرنے میں بڑی جانکاہی برداشت کرنا پڑی ہوگی۔ بہرحال ہمیں ان تمام حضرات کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ تصوف کی اس انتہائی بلند پایہ کتاب کے ایک سے ایک اعلیٰ صحیح ترین نسخے ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر اس قسم کے پانچ نسخے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ پہلا نسخہ ۲۴×۱۶ سینٹی میٹر سائز کے ۳۲۹ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور نے چھاپا ہے۔ سن طباعت ۱۹۲۳ء ہے۔ اس کے مصحح مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج وخطیب شاہی مسجد لاہور ہیں۔ اس کا طرز کتابت پرانا ہے یعنی کسی فہرست یا مقدمہ یا تعارف کے بغیر سرورق کے بعد دوسرے صفحہ سے کتاب شروع ہو جاتی ہے اور پھر بغیر کسی پیرے یا عبارتی لوازم ترتیب کے مسلسل لکھی گئی ہے۔ جہاں کہیں کوئی نئی فصل آتی ہے اسے موٹے قلم سے ظاہر کر دیا جاتا ہے مگر عبارت مسلسل

Marfat.com

جاری رہتی ہے۔ ابواب کے عنوان البتہ علیحدہ سے دیئے گئے ہیں۔ کتاب کے خاتمہ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کوائف مختصر طور پر بزبان فارسی تحریر ہیں جو حبیب اللہ فاضل کے تحریر کردہ ہیں۔ انہی صاحب نے اس کتاب کی کتابت بھی کی تھی۔ ان کوائف کے آخر میں دائروں کی شکل میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب اور شجرۂ طریقت بھی درج ہے جنہیں پڑھنے میں دقت پیش آتی ہے۔

عالم بے بدل و دانشمند یگانہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے ایک بہت عالمانہ، محققانہ اور مبسوط مقدمہ کشف المحجوب کے اس ترجمہ کے لئے لکھا ہے جو ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری نے کیا ہے۔ انہوں نے کشف المحجوب کے مطبوعہ فارسی نسخوں کا ذکر بھی اپنے اس مقدمہ میں کیا ہے۔ ہم نے پہلے نمبر پر جس نسخہ کا ذکر کیا ہے انہوں نے اس سے قبل شائع ہونے والے دو نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک مطبع پنجابی لاہور کا شائع کردہ جو شاید ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا بہاولپور پریس لاہور کا شائع کردہ جو ۱۹۰۳ء میں چھپا مگر پہلے نسخہ کی ہو بہو نقل ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سیّد احمد علی شاہ کے تصحیح کردہ مذکورہ بالا نسخہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ نسخہ پہلے ذکر کردہ دو نسخوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور تصحیح کر کے اسے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ ہمارے پیش نظر دوسرا نسخہ ۲۴x۱۸ سینٹی میٹر سائز پر بہت عمدہ کاغذ اور بہترین ٹائپ کے ساتھ مطبوعاتی امیر کبیر تہران کا چھپا ہوا ہے۔ یہ دراصل اس مشہور نسخہ کا نقش ثانی ہے جو روس کے مشہور مستشرق عالم پروفیسر والنتین ژوکوفسکی نے تصحیح کر کے مرتب کیا تھا۔ انہوں نے اس پر روسی زبان میں ایک مقدمہ لکھا اور مختلف قسم کی آٹھ فہرستیں مرتب کیں مگر اس کی صرف اڑھائی سو کاپیاں لینن گراڈ سے طبع ہوئی تھیں اس لئے نایاب کے حکم میں داخل ہے۔ بعد میں ایک ایرانی عالم اور دانشور محمد عباسی نے اسے کچھ اضافوں کے ساتھ مرتب کیا اور انتشارات امیر کبیر، تہران نے اپنی روایت کے مطابق بڑے اہتمام کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر چھاپا ہے جس سے یہ بہت اچھا نسخہ بن گیا ہے۔

Marfat.com

ابتداء میں مرتب نے دو مقالے شامل کیے ہیں۔ پہلے کا عنوان ''تجلیات تصوف ایرانی ہے'' اور دوسرے کا عنوان ''تحقیقات نوین راجع بہ کشف المحجوب و مصنف آن'' ہے۔ پہلے مقالہ میں ایرانی تصوف کے عناصر کا مختصر جائزہ قبل از اسلام سے دور حاضر تک لیا گیا ہے اس پر اسلامی عقائد اور ہندوستانی تصوف نے جو اثرات ڈالے ہیں ان سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرے مقالہ میں کشف المحجوب اور اس کے مصنف کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی تو وہی ہیں جو اکثر کتابوں میں مل جاتے ہیں مگر ان کی بلند پایہ تصنیف کے بہت سے ایسے پہلو نمایاں کیے گئے ہیں جو شاید اور کسی کتاب میں نہیں ملتے مثلاً تصوف کی قدیم کتابوں سے کشف المحجوب کا تقابل کر کے اس کا تفوق ثابت کیا گیا ہے۔ فارسی نثر میں جو اعلیٰ درجہ کے انداز تحریر رائج رہے ہیں ان میں کشف المحجوب کا مقام متعین کر کے بتایا گیا ہے کہ اس کی تحریر اعلیٰ درجہ کی فارسی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ ایسی اصطلاحات اور الفاظ و تراکیب کی ایک فہرست دی گئی ہے جو حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ اپنی نثر میں استعمال کیے اور اس کے بعد تصوف کی کتابوں میں تمام بزرگوں نے انہیں اختیار کیا۔ ان عربی الفاظ و اصطلاحات کی بھی ایک فہرست دی گئی ہے جو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نثر کے ذریعہ فارسی زبان کا حصہ بن گئے۔ غرض یہ کہ کشف المحجوب کی نثر کے اجزاء کا تجزیہ کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ اعلیٰ ترین اور بہترین فارسی نثر کا نمونہ ہے۔ اسی دوسرے مقالہ کے آخر میں کشف المحجوب کی طباعت کے بارے میں مختصراً بتایا گیا ہے کہ ''بے مثال مستشرق والنتین ژوکوفسکی کی وفات (۱۹۱۸ء) کے بعد ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ (روس) سے اس کتاب کی صرف اڑھائی سو جلدیں طبع ہوئیں۔ اس طرح یہ نفیس ایڈیشن کمیاب قلمی نسخہ کی حیثیت اختیار کر گیا اور بہت جلد نایاب ہو گیا۔ دوسری جانب نئی نسل کے طالب علم اور معاصر علماء جو اپنے بزرگوں کی کتابوں کے مطالعہ، تحقیق اور ان کی پیروی کا بے انتہا اشتیاق رکھتے ہیں، مجھ سے اقرار کر رہے تھے کہ اس کتاب کو دوبارہ طبع کراؤں۔''

Marfat.com

اس کے بعد مقالہ نگار نے بتایا کہ طبع نو کے لئے کتاب کے متن کی مزید تصحیح کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ژوکوفسکی جیسے بلند پایہ مستشرق نے انتہائی محنت اور دقت کے ساتھ اسے بہترین نسخہ کی شکل دیدی تھی۔ چنانچہ اسی کی ترتیب، حواشی اور فہرستوں کے ساتھ چھاپا جا رہا ہے۔

کتاب کے نام اور سرورق وغیرہ کے آٹھ صفحات نکال کر صفحہ ۹ سے صفحہ ۳۲ تک دو مقالے درج ہیں۔ آگے دو صفحات پر ''پیش گفتار'' کے عنوان سے ژوکوفسکی کے ایک شاگرد اماسکیوبچ نے مختصر اروداد لکھی ہے جو اپنے استاد کی وفات کے بعد لینن گراڈ سے پہلا ایڈیشن چھاپنے پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد ژوکوفسکی کے روسی زبان میں لکھے گئے مقدمہ کا فارسی میں ترجمہ محمد عباسی نے کر کے شامل کیا ہے۔ یہ نہایت عالمانہ اور فاضلانہ مقدمہ صفحہ ۳۵ سے ۶۲ تک چلا گیا ہے۔ اس طویل مقدمہ میں مصنف اور کتاب کے ہر پہلو کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے اور موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کا متن صفحہ نمبر ا سے صفحہ نمبر ۵۲۶ تک درج ہے۔ ہر صفحہ پر پاورقی حاشیے درج ہیں جو اکثر و بیشتر الفاظ و اصطلاحات کے معانی ہیں۔ متن کے بعد انتہائی محنت اور دقت نظر سے مرتب کی گئی آٹھ فہرستیں درج ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ فہرست نامہای اشخاص وانساب وقبائل (کتاب میں جن اشخاص، بستیوں اور قبیلوں کا ذکر ہے)

۲۔ فہرست نامہا جایہا (جن مقامات کا ذکر آیا ہے)

۳۔ ملل ونحل (اقوام اور مذاہب)

۴۔ فہرست کتب (جن کا کتاب میں ذکر آیا ہے)

۵۔ فہرست شعرہای عربی (جو کتاب میں آئے ہیں)

۶۔ فہرست سورہ آیات قرآنی (جن کا حوالہ کتاب میں دیا گیا ہے)

۷۔ فہرست احادیث (جو کتاب میں آئی ہیں)

Marfat.com

۸۔فہرست اقادیل مشائخ (بزرگوں کے اقوال جو کتاب میں درج ہیں)

ان تمام فہرستوں کو دیکھ کر اول تو اس مستشرق روسی کو آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے جس نے نہ صرف یہ کہ کتاب کے متن کی تصحیح میں جانے کتنے سال محنت کی اور اس کے بعد اس قدر دیدہ ریزی کے ساتھ یہ فہرستیں مرتب کی ہیں۔اس کے بعد اس کتاب کے مصنف کے علمی تبحر کی وسعت پر حیرانی ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ وہ خود شاکی ہیں کہ ان کی تمام کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں اور لاہور میں ان کے پاس کتابیں نہیں ہیں۔اس کے باوجود قرآن اور حدیث کے علاوہ بزرگوں کی کتابوں سے یوں حوالے دیئے چلے جاتے ہیں کہ ان کے علم کی گہرائی اور گہرائی کا احاطہ عام آدمی کی عقل نہیں کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درویشی، فقر اور بزرگی کا جامہ انہی حضرات کی قامت پر زیب دیتا ہے۔

یہ آٹھ فہرستیں کتاب کے صفحہ نمبر ۵۲۷ سے صفحہ ۶۰۷ تک یعنی اسی صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ان تمام خوبیوں کے باعث ہی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے اس نسخہ کو بہترین نسخہ قرار دیا ہے۔

۳۔ہمارے پیش نظر تیسرا نسخہ ''نسخہ مولوی محمد شفیع،، ہے۔یہ بھی ۱۸x۲۴ سینٹی میٹر کی تقطیع پر ہے۔موٹے کاغذ پر کھلی اور خوبصورت کتابت کے ساتھ چھپا ہے۔اسے ۱۹۶۰ء میں مولانا محمد شفیع کے صاحبزادے احمد ربانی صاحب نے نوائے وقت پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔صفحات ۴۸۱ ہیں۔شروع میں چار صفحات کا پیش لفظ ناشر کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد پندرہ صفحات کا مقدمہ مولوی محمد شفیع کا تحریر کردہ ہے۔اس کے بعد دس صفحات پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور دس صفحات پر حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ہیں۔ان شروع کے ۳۴ صفحات کے بعد کتاب کا متن صفحہ ایک سے ۴۸۱ تک محیط ہے۔اصل قلمی نسخہ کے کچھ صفحات کی تصویریں بھی کتاب میں شامل ہیں۔

اس نسخہ کے بارے میں ناشر کا کہنا ہے کہ یہ نسخہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ

Marfat.com

اللہ علیہ کے مکتوبہ کی نقل ہے چنانچہ اپنے پیش لفظ میں انہوں نے اپنے والے کے ذخیرہ کتب سے اس نسخہ کی تلاش کی داستان لکھی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی امداد کا بھی ذکر کیا ہے جو انہوں نے دو دفعہ ناشر کے خواب میں آ کر اس خطی نسخہ کی تلاش اور پھر طباعت کے لئے اس کی تیاری کی غرض سے کی۔ کتاب کے سرورق پر بھی یہ بتایا گیا ہے کہ:

''از روی قدیم ترین نسخہ بقلم خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی علیہ الرحملہ منقول و یکی از نسخہ گراں بہای کتاب خانہ پرفسور مولوی محمد شفیع است''

اسی مناسبت سے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب درست نہیں سمجھتے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مولانا نور احمد خان فریدی مؤلف تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ و مؤلف کتب کثیرہ کا ایک اقتباس ان کی کتاب تاریخ ملتان، جلد اول کے صفحہ نمبر ۱۸۵۔۱۸۶ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''العزیز'' بہاولپور کے شمارہ فروری ۱۹۴۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں صاحب مضمون نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور عالم تصنیف کشف المحجوب کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا۔ یہ قیمتی نسخہ جیسا کہ صاحب مضمون نے تحریر کیا، پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم اے مترجم عجائب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن اس گنج شائیگاں کا پتہ نہ چل سکا۔ حال ہی میں جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے کشف المحجوب کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی۔ انہوں نے اس نسخے کا پہلے اور آخری صفحے کا عکس بھی دیا ہے۔ مگر اسے شیخ الاسلام سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام ۴۶۴ھ درج ہے حالانکہ حضرت کا سن

وفات بالاتفاق ۶۶۱ھ ہے۔ دوسرے یہ کہ دستخط کی عبارت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ پر مشتمل ہے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام کا نام صرف زکریا ہے۔ ابومحمد کنیت اور بہاؤ الدین لقب ہے۔ کوئی شخص اپنے نام سے ساتھ اپنے قلم سے لقب نہیں لکھا کرتا، چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام جیسی منکسر المزاج شخصیت اپنے نام سے پہلے اپنے لئے بہاؤالدین لکھنا پسند کرتی لہٰذا اس قلمی نسخے کا حضرت سے انتساب صحیح نہیں۔''

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد حکیم محمد موسیٰ مرحوم نے ایک اور نکتہ کی جانب توجہ دلائی ہے کہ:

''طرفہ یہ کہ ترقیم میں بہاؤالدین، واؤ کے اضافہ کے ساتھ اور زکریا کو ذال کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ السلام ہرگز ہرگز اس سم کی غلطیاں نہیں کر سکتے تھے۔''

اس نسخہ کی نسبت حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب درست ہو یا نہ ہو مگر اتنا ضرور ہے کہ صحت کے لحاظ سے یہ نسخہ بہت عمدہ ہے بلکہ حکیم محمد موسیٰ نے تو اسے نسخہ سمرقند سے بھی بہتر قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نسخہ بہت اہم اور قیمتی ہے۔

۴- ہمارے پیش نظر کشف المحجوب کا چوتھا نسخہ وہ ہے جسے ''نسخہ تہران'' کا اختصاص دے کر چھاپا گیا ہے۔ یہ نسخہ ۸/ ۱۸x۲۳ کی تقطیع پر ٹائپ میں چھپا ہے اور اس کا سن اشاعت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ہے۔ اس کے ناشر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد اور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ہیں۔ اس کی ضخامت ۴۰۰ صفحات ہے۔ سرورق پر تصحیح کی۔ تحشیہ کے لئے اعلیٰ قویمی کا نام درج ہے۔ اس نسخہ کو اس دعویٰ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے کہ ''صحیح ترین نسخہ کی بطبع رسیدہ است'' یعنی اب تک چھپنے والے نسخوں میں سے صحیح ترین نسخہ یہ ہے۔ مصحح نے آغاز میں مختصر سا مقالہ لکھا ہے جس میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ساتھ ساتھ کتاب کے مرتبہ و مقام کے بارے میں

Marfat.com

اپنی رائے درج کی ہے۔ زیرنظر نسخہ کے بارے میں اس نے بتایا ہے کہ اس کی ترتیب کے وقت تین نسخے اس کے پیش نظر رہے ہیں۔ اول نسخہ لینن گراڈ، یہ وہی نسخہ ہے جو والنٹین ژوکوفسکی نے یورپ اور ایشیاء کے بہت سے نسخوں کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیا تھا اور جس کا تعارف ہم اپنے پیش نظر نسخوں میں سے دوسرے نسخہ کی حیثیت سے کرا چکے ہیں۔ دوم نسخہ لاہور، اس نسخہ کے بارے میں بھی ہم نسخہ نمبرا کے طور پر ایک مفصل لکھ چکے ہیں کہ اسے سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج و خطیب شاہی مسجد نے مرتب کیا ہے۔ تیسرے نمبر پر مرتب ایک قلمی نسخہ کا ذکر کرتا ہے جو تہران کے ایک عالم مہدی قلی ہدایت مرحوم کے کتاب خانہ میں موجود ہے اور مصنف نے خود اپنے قلم سے اس کے اندر اصلاحات کی ہیں۔ اسی لئے مرتب نے اس کو بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔ دوسرے دونوں نسخے بھی صحت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ نسخے شمار ہوتے ہیں اس لئے انہیں بھی پیش نظر رکھ کر یہ نسخہ ترتیب دیا ہے اور اسے صحیح ترین نسخہ قرار دیا ہے جو شاید بہت بیجا نہیں ہے۔ مرتب نے کچھ حاشیے بھی لکھے ہیں جو تعداد اور تفصیل کے اعتبار سے زیادہ اور طویل نہیں ہیں صرف انتہائی ضروری تشریحات تک خود کو محدود رکھا ہے۔ یہ حاشیے کتاب کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

۵۔ ہمارے پیش نظر کشف المحجوب کا پانچواں نسخہ بھی مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام نے طبع کیا ہے۔ اسے چھاپنے کے لئے سمن پبلی کیشنز لاہور نے اشتراک کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۴×۱۸ سینٹی میٹر کی تقطیع پر دسمبر ۱۹۹۵ء میں چھپی ہے۔ ابتدائی صفحات کی تعداد چالیس ہے جن میں سرورق، انتساب، تقریظ، پیش گفتار اور تفصیلی فہرست مضامین شامل ہیں۔ اس کے بعد صفحہ نمبرا سے کتاب کے متن کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ متن ۶۰۲ صفحہ تک پھیلا ہوا ہے۔ کیونکہ ہر صفحہ پر تفصیلی پاورقی حاشیے بھی درج ہیں۔ متن کے اختتام پر صفحہ ۶۰۵ سے ۶۹۷ تک اسی قسم کی آٹھ فہرستیں درج ہیں جن کا ذکر ہم نے ژوکوفسکی کے نسخہ کے ذیل میں کیا ہے۔ مگر اس نسخہ میں درج فہرستیں زیادہ مکمل اور

Marfat.com

تفصیلی ہیں۔ کتاب کے آخر میں قدیم خطی نسخوں کے کچھ اوراق کے عکس دیئے گئے ہیں۔اس کتاب میں درج فہرستوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔فہرست آیات قرآن کریم، اس میں سورۃ کا نمبر آیت کا نمبر دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سورت مکی ہے یا مدنی۔

۲۔فہرست احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔آئمہ اور روحانی بزرگوں کے اقوال کی فہرست

۴۔اشعار کی فہرست حروف قوانی کے ساتھ

۵۔ادبی اور عرفانی اصطلاحات اور الفاظ کی فہرست

۶۔کتابوں اور رسائل کی فہرست

۷۔اشخاص کے ناموں، قوموں، علاقوں اور کنیت کی فہرست

۸۔مقامات کے ناموں کی فہرست

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کتاب میں درج فہرستوں کو زیادہ مکمل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس نسخہ کے مرتب او مصحح ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (رھا) ہیں۔انہوں نے اپنی پیش گفتار میں بتایا ہے کہ اس نسخہ کی ترتیب کے لئے انہوں نے کتاب کے طبع شدہ نسخوں کے علاوہ متعدد قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔طبع شدہ نسخوں میں انہوں نے والنٹین ژوکوفسکی کے نسخہ، مولوی محمد شفیع کے نسخہ، لاہور کے نسخہ کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے بتایا ہے کہ اب تک انہوں نے کشف المحجوب کے ۵۹ قلمی نسخے دریافت کئے ہی۔ان میں سے جو نسخے زیادہ قدیم اور مکمل تھے انہیں اپنا نسخہ مرتب کرتے وقت پیش نظر رکھا ہے۔اس قسم کے انیس نسخوں کی انہوں نے فہرست دی ہے جو مختلف کتاب خانوں میں موجود ہیں۔انہوں نے طبع شدہ نسخوں میں نسخہ سمرقند کا بھی ذکر کیا ہے۔ بلکہ اس نسخہ کے سرورق اور ایک اور صفحہ کا عکس بھی چھاپا ہے۔مگر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اس

Marfat.com

سمرقندی نسخہ کو کچھ زیادہ اعلیٰ پایہ کا تسلیم نہیں کیا بلکہ نسخہ مولوی محمد شفیع کو اس پر ترجیح دی ہے۔

ہم نے جن پانچ صحیح ترین نسخوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے غالباً وہی اب تک طبع ہونے والے صحیح ترین نسخے ہیں۔ ان کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ان کی عبارت کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ یہ تقابلی مطالعہ اگرچہ بہت دقت طلب اور وقت طلب کام ہے مگر شاید کوئی علم دوست شخص یہ کام بھی کر گزرے۔ اس کے بعد جو نسخہ مرتب ہوگا وہ بالکل مستند ہوگا۔ کسی ایسے مستند نسخہ کو سامنے رکھ کر اس کتاب کا ترجمہ کیا جائے تو وہ اختلافات نظر نہیں آئیں گے جو موجودہ ترجموں میں نظر آتے ہیں۔ کسی صاحب علم کو کشف المحجوب کے ان تمام ترجموں کا بھی علمی جائزہ لینا چاہئے جو اب تک اردو میں طبع ہو چکے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق ان کی تعداد بیس بائیس ہے۔ مگر صاحب علم اصحاب کے نزدیک درستی اور مکمل ترجمہ کے لحاظ سے چند ہی معیاری کہلانے کے مستحق ہیں۔

Marfat.com

# ترجیع بند

بہ عتبہ عالیہ بندگان سرکار ابد قرار نائب منائب سیّد المرسلین عارف معارف صدر نشین زبدۃ الثقلین عمدۃ الدرین ہادی گمراہان ضلالت خضر ہادیہ طریقت سرمایہ جناب اجمیری فیض رساں عالم و عالمیان حضرت داتا گنج بخش صاحب علی ہجویری ادام اللہ فیوضہ۔

(از تصنیف سیّد فیروز شاہ صاحب شوق امرتسری تلمیذ حضرت استاذی المعظم نواب فصیح الملک بہادر مرزا داغ دہلوی)

رونق لاہور بستی آفتاب پر ضیاء　　عاشق شیدا علی مشتاق محبوب خدا
اے مرے حامی مشکل اے میرے حاجت روا　　آستانے پر ترے جھکتے ہیں سب شاہ و گدا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ محتاجوں کے والی دردمندوں کی دوا　　بیکسوں کے آپ وارث اے ولی شان خدا
مشکلیں حل ہوتی ہیں دربار عالی سے سدا　　جاری دریا ہے سخاوت کا تری شاہنشا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

محسن عالم ہو تم حاجت روا ہر کام کے　　واقف راز نہاں آغاز اور انجام کے
سائل آتے ہیں یہاں بغداد و روم و شام کے　　صدقے اس حبلا کے قربان میں اس کے نام کے

Marfat.com

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ کو سیّد حسن اور شہ نظام الدین بھی — خواجہ قطب الدین بھی خواجہ معین الدین بھی
یہ بھی تو چاروں کے چاروں اور یہاں دو تین بھی — کہہ رہے ہیں صاحب ارشاد اور تلقین بھی

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ مجھے معلوم حضرت آپ ہیں ہجویر کے — خاک رہ پر سینکڑوں نقش قدم ہر شیر کے
اے ولی لائی یہاں تیری ہدایت گھیر کے — صاحب لطف و کرم ہو خواجہ اجمیر کے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جھومتے عابد ہیں سب اسم شہ لولاک پر — وجد میں صوفی ہیں دھوم ہے عرس کی افلاک پر
لوٹتے پھرتے ہیں مجذوب آج فرش خاک پر — کہہ رہے سالک ہیں یہ مل کر مزار پاک پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

دست بستہ شوق کی اب التجا ہے آپ سے — دور بیماری ہو اتنا مدعا ہے آپ سے
تنگ آ کر عرض یہ کرنا پڑا ہے آپ سے — آپ اولاد علی ہیں کہ دیا ہے آپ سے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

# کشف المحجوب کے چند موضوعات

## توحید کے بارے میں

توحید کا پہلا قدم خدا کے ساتھ ہر حیثیت سے اور زندگی کے ہر گوشے میں ہر شریک کی نفی کرتا ہے۔ محدثات (یہ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب) اور ان کی تمام حرکات زبان حال سے توحید کی یہ ناقابل تردید شہادت دے رہے ہیں کہ ان سب کا خالق اور فرمانروا تو بس ایک اور علیم وقدیر خدا ہے۔ پھر اس سے موٹی بات کیا ہوگی کہ جب اللہ تعالیٰ کو انسان اور ساری کائنات کو نیست سے ہست کرنے میں کسی شریک یا کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اُس کی پرورش اور فرمانروائی کے لئے وہ کسی دوسرے کا محتاج ہو یا اس کی شراکت کو برداشت کرے۔

<u>توحید کی تین قسمیں ہیں:</u>

ا۔ ایک توحید خدا کے لئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنی خدائی میں کسی دوسرے کی کسی نوع کی کوئی شرکت تسلیم نہیں کرتا اور نہ کسی کو اس میں کسی طرح کی دخل اندازی کا مجاز گردانتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز جبکہ اس کائنات پر سے پردہ اٹھایا جائے گا اور حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی، میدان حشر میں پکار کر پوچھا جائے گا: ''بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے۔'' اور پورا عالم بیک آواز پکار اٹھے گا: ''فقط اللہ واحد قہار کی۔'' اور مستقبل کے مستقل فیصلے اسی روز ہوں گے۔

Marfat.com

۲-دوسری توحید خدا کی مخلوق کے لئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اس بات کو بھی برداشت نہیں فرماتا کہ مخلوق میں سے بھی کوئی اس کے سوا کسی اور کو خدا یا اس کی خدائی میں کسی نوع کا شریک مانے یا اپنے طرز عمل سے کسی کو ایسا تسلیم کرے۔

۳-تیسری توحید مخلوق کی خدا کے لئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی سب مخلوق اس کے لئے یکساں ہے۔اس کا اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہیں جو دوسروں سے نہ ہو۔ ہر شخص ہر وقت یکساں اس سے رجوع کر سکتا ہے۔اس کے ہاں کوئی حاجت و دربان نہیں ہے۔

## توحید کے معنی:

خدا کی توحید کے معنی یہ ہیں کہ عارف یہ جان لے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے۔اسکے ہاں حاضر و غائب، وصل اور فصل، جہت اور مکان اور حرکت اور سکون کوئی چیز نہیں۔وہ محدود نہیں ہے کہ ان میں سے کسی چیز کا کوئی سوال پیدا ہو۔کسی چیز کے ساتھ اس کا پیوند نہیں۔وہ نہ کوئی عرض ہے نہ حال اور نہ روح اور نہ جسم۔کیونکہ عرض کو جوہر کی، حال کو محل کی، روح کو جسم کی اور جسم کو اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے،اور خدا ان سب سے بے نیاز اور پاک ہے۔نہ اس کا کوئی باپ ہے جو اسے دبا سکے، نہ بیٹا جو اسے مجبور کر سکے اور نہ کوئی ہمسر جسے اسے ممنون کرنے کی ضرورت لاحق ہو۔نہ اس کی ذات میں کوئی تغیر ہے نہ صفات میں اور نہ قوت اور اختیارات میں کہ اسے کسی وارث یا مددگار کی ضرورت پیش آئے۔اس کی سب صفات قدیم ہیں۔کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں۔سب کچھ اس کے ارادے کے تابع ہے۔جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے اس کو جانتا ہے۔حکم اس کے سوا کسی کا نہیں اور اس کا حکم سب کا سب حکمت و دانائی ہے۔اس کے سوا سب مخلوق ہیں اور مخلوق کا اس پر کوئی تصرف نہیں۔نفع اور ضرر، عزت اور ذلت، زندگی اور موت اور نیکی اور بدی سب اسی کی طرف سے مقدر ہے۔اس لئے امید اور خوف کے لائق اس کے سوا کوئی نہیں۔وہ علیم اور خبیر، سمیع اور بصیر، حی اور قیوم، رؤف اور رحیم اور ہر

شے پر قادر ہے۔ وہ تمام آفتوں سے پاک اور سب عیبوں سے بالا ہے۔ اس کی کوئی مثل نہیں۔

## توحید کے بارے میں مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ توحید کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "توحید حادث سے قدیم کو جدا کرنا ہے۔" اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور اس کے سوا سب کچھ حادث ہے۔ گویا توحید کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو خدا کی کوئی صفت کسی حادث شے (مخلوق) کی طرف منسوب کرے اور نہ مخلوق کی کوئی صفت (کمزوری) خدا کی طرف منسوب کرے۔ خداوند تعالیٰ حوادث کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھا اور ان میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ جب اسے تمہیں نیست سے ہست میں لانے کے لئے کسی شریک و مددگار کی ضرورت نہیں پیش آئی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہیں پرورش یا پھر نیست کرنے کے لئے اسے کسی شریک و مددگار کی ضرورت ہو۔ اس لئے بندے کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی حادث کو اس کے ساتھ یا اسے کسی حادث کے ساتھ ملائے یا اس کی ذات کے سوا کسی اور کو چاہے اور اس کی یاد اور فرماں برداری کے بغیر آرام پائے۔

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ "توحید کی راہ کا سب سے پہلا قدم ہر اس کو فنا کرنا ہے جو خدا سے الگ اپنے آپ کو منوانے کا داعی ہو۔" کیونکہ توحید کی نفی کرنے والی شے ہے۔ اس لئے اس کا پہلا قدم شرک کی نفی ہی ہونا چاہئے کہ کلمہ اسلام شروع ہی لا الہ سے ہوتا ہے۔

حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "توحید میں ہمارے نزدیک پانچ چیزیں بنیادی ہیں: ایک حدث (یعنی ماسوا اللہ) کی نفی، دوسرے قدیم (یعنی اللہ) کا اثبات، تیسرے اوطان سے ہجرت یعنی خواہشات اور مرغوبات نفس کا ترک کہ انہی کے ذریعے آدمی کا نفس اس کو خدا کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے۔ چوتھے بھائیوں کی مفارقت اور ان سے جدائی، یعنی خدا سے غافل لوگوں سے الگ اور بے پروا اور بے نیاز ہو کر خدا

Marfat.com

کی طرف یکسو اور متوجہ ہو جانا اور پانچویں معلوم اور نا معلوم سب کو بھول جاتا ہے یعنی دنیا اور اس کے متعلقات کو بالکل بے وزن اور بے وقعت سمجھنا۔ چنانچہ انہی باتوں کی کمی بیشی کے لحاظ سے یہ اندازہ ہوگا کہ کسی شخص میں توحید کا کس قدر فہم و ادراک پایا جاتا ہے اور خدا سے اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔

## طہارت کے بارے میں

### طہارت کی اہمیت:

خدا کی بندگی کی راہ کے مقامات طے کرنے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے طہارت (ہر قسم کی نجاست سے پاکیزگی) ایک لازمی شرط ہے۔ نماز طہارت کے بغیر نہیں ہوتی۔ نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور طہارت (پاکیزگی) اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (۲:۲۲۲) اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایک شخص بہت پراگندہ حال و غبار آلود ایک لمبا سفر طے کر کے آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر پکارتا ہے: ''اے میرے رب! اے میرے رب! مگر اس کا کھانا حرام کا ہوتا ہے، اس کا پینا حرام کا ہوتا ہے اور لباس حرام کا ہوتا ہے اور حرام کی کمائی سے وہ پرورش پا رہا ہوتا ہے۔ بھلا ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیسے شنوائی ہوگی؟''

### طہارت کی قسمیں:

حق تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے واضح رہے کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں: ایک طہارت ظاہری اور دوسری طہارت باطنی، اور یہ دونوں یکساں ضروری ہیں۔ جس طرح سے ظاہری طہارت کے بغیر ظاہر میں نماز درست نہیں ہوتی اسی طرح سے باطنی طہارت کے بغیر یہ باطن میں درست نہیں ہوتی بلکہ اس کے بغیر نہ خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ خدا کے ساتھ بندے کا تعلق درست ہو سکتا ہے۔

نیز جس طرح سے نجس اور مستعمل پانی سے وضو درست نہیں ہوتا، اس کے لئے پانی مطلق اور صاف اور نجاستوں سے پاک ہونا چاہئے، اسی طرح سے باطنی طہارت بھی توحید مطلق کے اعتقاد کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر یہ اعتقاد خالص اور بے آمیزنہ ہو اور اس میں کسی نوع کی کوئی ملاوٹ موجود ہو اور یہ خلط ملط یا ڈانواں ڈول ہو تو باطنی طہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس اہل اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہری طہارت کا بھی التزام رکھیں اور ان کا دل اور باطن بھی توحید خالص سے معمور رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ''اللہ کو پکارو دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔'' (۴۰:۱۴)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہری طہارت کے بارے میں فرمایا: ''ہمیشہ باوضو ہو تمہارے دونوں محافظ فرشتے تم سے محبت رکھیں گے۔'' اور باطنی طہارت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے پاک رکھ۔''

مشائخ صوفیاء رحمہم اللہ بھی مریدوں کو ہمیشہ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی طہارت کا حکم فرماتے ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں جانے کے لئے جب کوئی ظاہری طہارت سے آراستہ ہو کر جائے تو اس کو چاہئے کہ باطنی طہارت سے بھی آراستہ ہو کر جائے۔

## ظاہری طہارت:

جنابت کی صورت میں ظاہری طہارت غسل سے حاصل ہوتی ہے اور عام حالات میں یہ وضو کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں اور بیماری کی حالت میں اگر پانی کے استعمال سے ضرر کا اندیشہ ہو تو غسل اور وضو دونوں کی بجائے محض تیمم سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

## طہارت کے بارے میں شک اور وسوسہ لاحق ہونے کی صورت میں راہ عمل:

حضرت ابوعلی روباری رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ وسوسہ کی مصیبت میں مبتلا

Marfat.com

رہے۔ طہارت کے بعد آپ کو یہ شک اور وسوسہ لاحق ہو جاتا کہ آپ پاک نہیں ہوئے۔ جب وضو فرماتے وسوسہ میں پڑ جاتے کہ وضو نہیں ہوا یا ٹوٹ گیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری یہ حالت ہو گئی کہ ایک دن فجر کے وقت طہارت کے لئے دریا پر گیا لیکن سورج طلوع ہونے تک طہارت کے وسوسہ سے فارغ نہ ہوا۔ جب سورج طلوع ہوتے دیکھا تو اس قدر صدمہ ہوا کہ میں آبدیدہ ہو کر پکار اٹھا، "اے اللہ! اس حالت سے مجھے عافیت عطا فرما" حضرت رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جواب میں آواز آئی: "عافیت علم میں ہے۔" ف مطلب یہ کہ اگر عافیت چاہتے ہو تو اپنے عمل کی بناء وسوسوں پر نہیں علم پر رکھو، جب تم نے اپنے علم کے مطابق طہارت کر لی تو اس پر یقین رکھو۔ جب تک کہ تمہیں یہ علم نہ ہو جائے کہ طہارت کی حالت باقی نہیں رہی۔

## باطنی طہارت:

ظاہری طہارت پانی سے اور باطنی طہارت توبہ اور رجوع الی اللہ اور تدبر و تفکر سے حاصل ہوتی ہے۔ تدبر و تفکر اس امر پر غور کرنے کا نام ہے کہ یہ دنیا غدار اور بے وفا ہے۔ یہ سرتاپا آفت اور آزمائش کا محل ہے اور اس میں سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے۔ اس سے دل لگانا دانشمندی نہیں ہے۔ دل کو اس سے خالی کر کے اسے اس خالق و مالک اور پروردگار سے لگانا چاہئے جس کے انعامات وعنایات کی نہ کوئی حد ہے اور نہ شمار۔

لیکن تدبر و تفکر اور رجوع الی اللہ جیسی چیزیں مجاہدوں کی کثرت و پیہم کوشش اور جدوجہد کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہیں اور سب مجاہدوں سے مشکل ترین مجاہدہ یہ ہے کہ آدمی ظاہری آداب (احکام شریعت) کی محافظت کرے اور ہر حال اور ہر معاملہ میں گردوپیش کی دنیا کے علی الرغم ان کا التزام کرے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں خداوند تعالیٰ سے اس کا حق بجالانے کے لئے ابدی عمر کی درخواست کرتا ہوں تاکہ باقی تمام مخلوق بھی اگر دنیا کی نعمت میں مشغول ہو جائے اور خدا کا حق بھول جائے تو میں تنہا دنیا کی بلاؤں اور

Marfat.com

آزمائشوں کے علی الرغم اس کی شریعت کے آداب کے محافظت کے ساتھ اس کے حق کو یاد رکھوں اور اسے قائم رکھوں۔

## باطنی طہارت میں آداب شریعت کی اہمیت:

جان لو کہ جس قدر کوئی شخص ظاہری آداب شریعت اور شعائر الٰہی کا احترام کرنے والا ہوگا اُسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، باطنی طہارت و پاکیزگی اور خدا کے ہاں درجہ میں بلندی حاصل ہوگی۔ حکایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوطاہر حرمی چالیس برس تک مکہ معظمہ میں بیت اللہ کی مجاوری کرتے رہے لیکن آپ نے حدود مکہ میں طہارت نہیں کی۔ ہر دفعہ طہارت کے لئے آپ حرم شریف سے باہر تشریف لے جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس سرزمین کو اللہ عزوجل نے اپنی طرف منسوب فرمایا میں اس جگہ طہارت کیسے کروں اور اس پر اپنے وضو کا گناہ آلود پانی کیسے گراؤں اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رے کی جامع مسجد میں مقیم تھے کہ آپ اسہال (دستوں) کی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ اس بیماری میں بھی آپ ہر مرتبہ فراغت کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے پہلے غسل فرماتے۔ یہاں تک کہ آخری روز آپ نے ایک دن رات میں تقریباً ساٹھ مرتبہ غسل کیا اور آخر پانی ہی میں آپ کی وفات ہوئی لیکن آپ کے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ دست کرنے کے بعد اپنا پورا جسم دھوئے بغیر خدا کے گھر میں داخل ہوں۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی وقت بھی بے وضو نہیں رہا اور وضو کے آداب کو میں نے کبھی ترک نہیں کیا۔ اس کے بعد میرے باطن میں ایک نصیحت ظاہر ہوئی۔ ایک دن وضو کر کے مسجد کے لئے نکلے تو آپ نے ہاتف کی یہ آواز سنی کہ ابوبکر! تو نے اپنے ظاہر کو تو آراستہ کیا مگر تیرے باطن کی صفائی کہاں گئی؟ آپ نے فوراً محسوس کیا کہ آپ کا دل گھر کی کسی چیز میں لگا ہوا ہے۔ وہیں فوراً واپس ہوئے اور گھر کا سب اثاثہ خدا کی راہ میں دے دیا اور ایک سال تک اتنے کپڑوں کے سوا جتنے میں نماز

Marfat.com

ہو سکتی ہے، کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ اس کے بعد آپ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے کہا: ''اے ابو بکر! وہ طہارت بہت ہی اچھی اور نفع بخش تھی جو تو نے کی۔ انشاء اللہ اب اللہ تعالیٰ تجھے ہمیشہ طہارت سے رکھے گا۔'' اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد واقعی میں کبھی بے طہارت نہیں ہوا، بلکہ ہمیشہ باوضو رہا۔

## توبہ اور اس کے متعلقات

### توبہ کی اہمیت:

توبہ کے لغوی معنی خدا کے خوف سے اس کی نافرمانی سے پشیمان اور دست کش ہو کر خدا کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اور خدا کے راستے پر چلنے والوں کے لئے اس راہ کا سب سے پہلا قدم توبہ ہے۔

توبہ کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ نافرمانی اور گناہ پر پشیمانی کا اظہار کرنا۔

۲۔ نافرمانی اور گناہ کو فوراً ترک کر دینا اور

۳۔ پھر نافرمانی اور گناہ کی طرف لوٹنے کا کوئی ارادہ اپنے اندر نہ رکھنا۔

یہ تینوں باتیں پشیمانی میں شامل ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی ہو تو توبہ نہیں ہوگی۔ نیز ندامت تین سبب سے پیدا ہوتی ہے: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کی سزا کا خوف دل پر غالب ہو جائے، دوسرے اس کی نعمت اور اس کا انعام پانے کی طلب اور نافرمانی کی وجہ سے ان سے محرومی کا ڈر اور تیسرے خداوند تعالیٰ کی شرم کہ وہ اس کے حال سے واقف ہے اور ایک روز اس کے روبرو اسے بالمشافہ حاضر ہونا ہے۔

### توبہ کرنے والوں کی قسمیں:

توبہ کرنے والوں کے بھی تین درجے ہیں: ایک تائب، دوسرا انیب اور تیسرا اواب۔

Marfat.com

جو شخص فواحش اوران باتوں سے جن پر اللہ تعالیٰ سے تنبیہ فرمائی ہے، اللہ کی طرف رجوع کرے وہ تائب ہے۔ یہ ابتدائی اور عوام کا مقام ہے۔ جو شخص صغائر اور فاسد افکار وخیالات سے خدا کی محبت کی طرف رجوع کرے وہ انیب ہے اور جو شخص اپنی ذات اور خودی سے خدا کی طرف رجوع کرے وہ اواب ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عوام کی توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے۔''

### کئی گناہوں میں مبتلا شخص کی توبہ:

اگر کوئی شخص کئی گناہوں میں مبتلا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اس وقت تک توبہ کو موخر کرتا رہے جب تک کہ وہ سب سے توبہ کرنے کے قابل نہ ہو جس اور جتنے گناہوں سے توبہ کرسکتا ہے ان سے توبہ کرے۔ اس کا اسے ثواب حاصل ہوگا اور اس سے اسے دوسرے گناہوں سے بھی توبہ کی توفیق حاصل ہوگی۔ ایمان کے بعد جتنے فرائض کو وہ ادا کرے گا اور جتنے گناہوں سے الگ رہے گا ان کا اسے ثواب حاصل ہوگا۔ اس سلسلے میں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گناہ کا ارتکاب ہی گناہ نہیں ہوتا اس کا ذکر بھی گناہ ہے۔

### توبہ ٹوٹنے کا اندیشہ:

توبہ کرنے سے آدمی کو اس وجہ سے محض اجتناب نہیں کرنا چاہئے کہ اسے اس پر قائم رہنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ جتنی مدت وہ نافرمانی سے باز رہے گا اس کا ثواب تو بہر حال اسے حاصل ہوگا۔ توبہ کی شرط یہ ہے کہ انسان کا پختہ ارادہ ہو کہ وہ پھر گناہ میں ملوث نہیں ہوگا۔ مبتدی توبہ کرنے والوں کو اس سے سابقہ پیش آتا ہے کہ انہوں نے توبہ کی اور پھر کچھ مدت بعد غفلت میں مبتلا ہو کر وہی کام کر بیٹھے جس سے توبہ کی تھی۔ اس حالت میں ہونا یہ چاہئے کہ جونہی غلطی کا احساس ہو فوراً توبہ اور ندامت کا اظہار کرے۔

حضرت ابوعمر جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتداء میں حضرت ابوعثمان

Marfat.com

حیری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں توبہ کی۔ لیکن تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوئی اور توبہ توڑ دی اور معصیت میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے بعد اپنے پیر کی صحبت سے روگردانی کرنے لگا۔ یاں تک کہ ان کو کبھی آتے ہوئے دور سے دیکھتا تو بھاگ جاتا کہ وہ مجھے دیکھ نہ لیں۔ ایک دن اچانک ان سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا: بیٹا! اپنے دشمنوں سے محبت نہ رکھ، وہ چاہتے ہیں کہ تو بد سے بدتر ہوتا چلا جائے۔ اس لئے جب تو عیب کرتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور تو اس سے بچتا ہے تو ان کو غم ہوتا ہے۔ تو میرے پاس آ کہ میں تیری بلائیں اٹھاؤں اور تو اپنے دشمن کے مقصد کو پورا کرنے سے بچ جائے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرا دل گناہ سے سیر ہو گیا اور میری توبہ پختہ ہو گئی۔

## زکوٰۃ کے بارے میں

### زکوٰۃ کی اہمیت:

ایمان کے بعد نماز کے علاوہ جو اور فرائض انسان پر عائد ہوتے ہیں ان میں سے ایک زکوٰۃ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ۔'' دوسری جگہ فرمایا: ''جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (فرض زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے) انہیں دردناک سزا کی خوش خبری سنا دو جس روز ان کے جمع کردہ اس سونے چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا، لو) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزا چکھو۔''

''جس شخص کے پاس ایسا مال موجود ہو جس کی اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کے اس مال کو قیامت کے روز ایک گنجے سانپ کی صورت (یعنی اس قدر سخت زہریلے

Marfat.com

سانپ کی صورت جس کے زہر کے سبب اس کے اپنے سارے بال جھڑ گئے ہوں گے) دے دی جائے گی اور اس کے منہ میں زہر کی دو تھیلیاں ہوں گی، اور وہ اس شخص کی تلاش میں نکلے گا یہاں تک کہ وہ اس پر مسلط ہو جائے گا اور اس سے کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں (جو تو نے جمع کیا تھا)۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے "کنز" کے لفظ کے جو قرآن اور حدیث میں استعمال ہوا ہے، معنی دریافت کیے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کنز" وہ مال ہے جس میں سے زکوٰۃ نہ ادا کی گئی ہو۔"

زکوٰۃ کی حقیقت نعمت پر شکرگزاری کا اظہار ہے، اس لئے زکوٰۃ صرف سونے چاندی، مال مویشی اور پیداوار زمین تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ہر نعمت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے مرتبہ کی زکوٰۃ بھی اسی طرح فرض فرمائی ہے جس طرح سے تمہارے مال پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "زکوٰۃ ہر شے پر ہے اور گھر کی زکوٰۃ مہمانداری ہے۔" انسان کی تندرستی اور اس کے اعضاء جسمانی میں سے ہر عضو خدا کی عظیم نعمت ہے۔ ان کی زکوٰۃ یہ ہے کہ آدمی اپنے اعضاء کو خدا کی بندگی میں مشغول رکھے اور کسی فضول کام یا خدا کی نافرمانی کے کام میں ان کو مشغول نہ کرے۔

## جود وسخاوت:

روایت ہے کہ ایک ظاہری عالم نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے مال پر واجب ہوتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دوسو درہم پر جب ایک سال گزر جائے تو پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے اور بیس دینار پھر جب ایک سال گزر جائے۔ ان پر نصف دینار زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے مگر یہ مسئلہ تیرے مذہب کا ہے۔ میرے مذہب کے مطابق تو تجھے کوئی چیز اپنی ملک میں رکھنی ہی نہیں چاہئے تاکہ زکوٰۃ کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہو۔ اس ظاہر عالم نے پوچھا کہ اس مسلک میں تیرا امام کون ہے؟ حضرت شبلی رحمۃ اللہ

Marfat.com

علیہ نے فرمایا کہ اس بارے میں میرے امام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب انہوں نے اپنا پورا اثاثہ خدا کی راہ میں پیش کر دیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابوبکر! کہو، اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسی سلسلے میں ایک شعر ہے، فرماتے ہیں:

فما وجبت علی زکوٰۃ مال      وھل یجب الزکوٰۃ علی الجواد

"یعنی مجھ پر مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، کیا سخیوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوا کرتی ہے؟"

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس وقت ایک جنگل جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا سب بکریوں سے پر تھا اور یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب بکریاں اس شخص کو عطا فرما دیں۔ جب وہ شخص اپنی قوم کے پاس واپس گیا تو اس نے کہا: "اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اتنی بخشش کرتا ہے کہ اسے اپنے مفلس ہو جانے کا بھی کچھ خیال نہیں ہوتا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی ہزار درہم کہیں سے آئے۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گودڑی پر ڈلوا دیا اور جب تک ان سب کو تقسیم نہ فرمالیا اپنی جگہ سے نہ اٹھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب مال تقسیم کیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔

ابوسہل سعلو رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ صدقہ وخیرات کبھی کسی محتاج کے ہاتھ پر نہ رکھتے بلکہ زمین پر رکھ دیتے کہ محتاج خود اسے اٹھالیں۔ مریدوں

Marfat.com

نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ میرا ہاتھ کسی مسلمان کے ہاتھ سے اونچا اور اس کے اوپر ہو اور نہ درہم و دینار کو ایسی باعظمت شے سمجھتا ہوں کہ کسی مسلمان کا ہاتھ ان کے نیچے ہو۔

آدمی کو چاہئے کہ سخاوت میں اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کو سامنے رکھے۔ چنانچہ اس میں اپنے اور بیگانے کی تمیز بھی نہیں ہونی چاہئے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ تین روز تک کوئی مہمان نہ آیا۔ پھر ایک بوڑھے آتش پرست کافر کا آپ کے دروازے پر سے گزر ہوا۔ آپؑ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ جب اس نے بتایا کہ وہ ایک آتش پرست ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تو میرے ہاں مہمانی کے لائق نہیں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! میں تو ستر برس سے اس کی پرورش کر رہا ہوں اور تجھ سے اتنا نہیں ہوسکا کہ ایک وقت ہی روٹی کا ایک ٹکڑا اسے دیدے؟

## زکوٰۃ اور صدقہ سے مدد لینا:

جن لوگوں کو قرآن مجید میں زکوٰۃ وصدقات کے حقدار قرار دیا گیا ہے ان کے لئے زکوٰۃ لے لینا کوئی عار کی بات نہیں ہے۔ ان کا یہ حق ہے اور کسی حقدار کے لئے اپنا حق لینا کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً حقدار لوگ تو صاحب مال لوگوں پر ایک طرح سے یہ احسان کرتے ہیں کہ ان سے زکوٰۃ اور صدقات قبول کر کے ان کی گردن پر سے بوجھ اتارتے اور ان کے مال کو پاک کر دیتے ہیں لیکن جو شخص زکوٰۃ وصدقات سے مدد پانے کا حقیقت میں حقدار نہیں ہے اور وہ اپنے آپ کو ایسا ظاہر کر کے یہ مال وصول کر لیتا ہے تو وہ دوسرے حقداروں کا حق غصب کرتا ہے اور اس کے اس مال کے کھانے کو حدیث شریف میں اس سے تشبیہ دی گئی ہے کہ گویا وہ ایک نہایت فربہ اور گرمی میں شرابور آدمی کے استنجا کا پانی پی رہا ہے۔ (مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، کتاب الرقاق، باب لا یاخذ الصدقۃ الا باضطرار)

## معاشرتی زندگی کے آداب

آداب سیکھنے کے معنی اپنے اندر نیک خصلتوں کو جمع اور پرورش کرنا ہے۔ دین میں ادب ملحوظ رکھنے کے معنی سنت کی حفاظت کرنا ہے۔ لوگوں سے ادب برتنے کے معنی ان کے ساتھ حسن سلوک اور مروت سے پیش آنا ہے اور دینوی معاملات میں ادب ملحوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر معاملہ کرتے وقت اپنی عزت کی حفاظت کرے۔

خدا کا ادب اور اس کی تعظیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے شعائر اور اس کے احکام کی تعظیم کی جائے اور یہ چیز تصوف کی راہ میں تقوے کی روش اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ صرف ممنوع ہی سے نہیں بلکہ مشکوک سے بھی اجتناب کیا جائے۔

## آداب کی قسمیں

آداب کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ہر آن اس نقطہ نظر سے نگاہ رکھے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے خداوند تعالیٰ کی بے حرمتی ہوتی ہو۔ حضرت حارث محاسی رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس تک ایک مرتبہ بھی دیوار سے ٹیک لگا کر نہیں بیٹھے۔ جب بیٹھے تو دوزانو ہو کر بیٹھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں، ٹیک لگا کر آرام سے کیوں نہیں بیٹھتے؟ فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کے مشاہدہ میں (یعنی اس کی بارگاہ میں اس کے سامنے) اگر میں اس طرح سے نہ بیٹھوں جیسے کہ غلام اپنے آقا کے روبرو بیٹھتے ہیں تو مجھے شرم آتی ہے۔

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ "آپ نے جو کچھ پایا کیسے پایا؟" آپ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ پایا اللہ عزوجل کے ساتھ حسن صحبت (ادب ملحوظ رکھنے) سے پایا۔

دوسری قسم ادب کی باہم کاروبار اور معاملات سے متعلق ہے۔ اس ادب کو ملحوظ

رکھنے کی صورت یہ ہے کہ آدمی سوائے سچائی کے کچھ نہ کہے۔

تیسری قسم ادب کی یہ ہے کہ خود بھی اپنی ان چیزوں پر نظر نہ ڈالے جو اس کے سوا غیر کو نہ دیکھنی چاہئیں یعنی اپنے ستر کی دوسروں ہی سے نہیں اپنے آپ سے بھی حفاظت کرے۔

## آداب سیکھنے کی صورت

آداب سیکھنے کی صورت خدا کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ تنہا رہنے سے نہ آدمی آداب سیکھتا ہے اور نہ آداب کو برت سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مرید کے لئے تنہا رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب آدمی تنہا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور دو سے وہ دور بھاگتا ہے۔''

جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو خیال ہوا کہ میں نے درجہ کمال حاصل کرلیا ہے اس لئے اب میرے لئے صحبت کی نسبت گوشہ نشینی بہتر ہے چنانچہ اس نے صحبت ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ جب رات کا وقت آتا تو کچھ لوگ اس کے پاس اونٹ لاتے اور اس سے کہتے کہ آپ کو بہشت میں جانا چاہئے چنانچہ وہ اونٹ پر سوار ہو جاتا۔ کافی دیر تک سفر کرنے کے بعد ایک نہایت خوش نما جگہ ظاہر ہوتی جہاں بہت خوبصورت آدمی نہایت لذیذ عمدہ کھانے، پھل، باغ اور نہریں ہوتیں۔ صبح کے وقت تک وہ وہاں رہتا پھر سو جاتا اور جب بیدار ہوتا تو اپنے آپ کو اپنے حجرے کے دروازے پر پڑا پاتا۔ یہ سلسلہ اس کے ساتھ جاری رہا یہاں تک کہ اس کے دل میں غرور نے جڑ پکڑ لی اور اس نے اپنی بزرگی کے بڑے بڑے دعوے کرنے شروع کر دیئے کہ میں یہ ہوں اور وہ ہوں اور مجھ پر ایسی اور ایسی حالت گزرتی ہے۔ جب یہ اطلاع حضرت جنید تک پہنچی تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور آپ نے دیکھا کہ تکبر سے اس کی حالت کچھ سے کچھ ہو رہی ہے۔ آپ نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے سارا حال بیان کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آج کی رات وہاں جاؤ تو تین مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا

Marfat.com

باللہ پڑھ کر پھونک مارنا۔ جب رات آئی تو پھر وہی واقعہ پیش آیا۔ یہ شخص اپنی بزرگی اور اپنے ان واردات کے حقیقت ہونے کا پکا یقین رکھتا تھا اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت اور خدارسیدگی کا بھی دل سے منکر ہو چکا تھا لیکن پھر بھی محض تجربہ کی خاطر اس نے تین مرتبہ لاحول پڑھ کر پھونک ماردی۔ وہ مرید بیان کرتا ہے کہ جونہی میں نے پھونک ماری وہ سب لوگ جو اس جنت میں تھے چیخیں مارتے ہوئے بھاگ گئے اور میں نے اپنے آپ کو غلاظت کے ایک ڈھیر پر بیٹھے ہوئے پایا اور میرے ارد گرد مردار کی کچھ ہڈیاں پڑی تھیں چنانچہ میں اپنی غلطی پر متنبہ ہوا۔ اپنی تنہائی اور گوشہ نشینی سے توبہ کی اور صحبت میں دوبارہ شامل ہو گیا۔

## چھوٹوں کی صحبت

صحبت کے لئے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اپنے سے بڑے اور بہتر ہی کی صحبت اختیار کرے۔ اپنے سے چھوٹوں کی صحبت بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ اگر آدمی اپنے سے بڑے اور بہتر لوگوں کی مجلس میں رہے گا تو ان سے خود فائدہ اٹھائے گا اور اگر اپنے سے چھوٹوں کی مجلس میں ہوگا تو وہ اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔ علم سیکھنا اور سکھانا دونوں یکساں ضروری اور فائدہ مند ہیں۔

صحبت کے آداب یہ ہیں کہ ہر ایک کے ساتھ اس کے درجے اور مرتبے کے مطابق پیش آئے۔ بوڑھوں کو باپ کے درجے میں سمجھے اور ان کی عزت کرے۔ ہم عمروں کو اپنے بھائیوں کے درجے میں تصور کرے اور ان کے ساتھ احسان اور مروت کا سلوک کرے اور چھوٹوں اور بچوں کو اپنے فرزندوں کی حیثیت میں سمجھے اور ان کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرے۔ صحبت و رفاقت صرف خدا کے لئے اختیار کرے۔ چغلی، غیبت، حسد، عداوت، کینہ اور خیانت سے پرہیز کرے اور ہر ایک کی خیر خواہی پیش نظر رکھے اور کسی شخص کو بھی نصیحت کرنے سے دریغ نہ کرے۔

Marfat.com

## باہمی محبت بڑھانے والی چیزیں

باہم دوستی اور تعلقات کو بہتر اور پاکیزہ بنانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تین چیزیں جن سے بھائیوں اور دوستوں میں تعلقات بہتر اور پاکیزہ ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کہے۔ جب وہ مجلس میں آئے تو اس کے لئے جگہ پیدا کرے اور اسے اس نام سے پکارے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔'' نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ دور ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور بغض وعداوت دور ہوتے ہیں۔''

صحبت سے فائدہ اور ثواب اس وقت حاصل ہوگا جبکہ وہ اپنے رفیق کے حظ اور اس کے فائدہ اور آرام کو مقدم رکھے گا چنانچہ ایک درویش کہتا ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کوفہ سے مکہ معظمہ جا رہا تھا کہ راستے میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے آپ سے صحبت میں رہنے کی اجازت کے لئے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ صحبت کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک امیر ہو اور دوسرا فرمانبردار۔ تو امیر بننا چاہتا ہے یا فرمانبردار؟ میں نے عرض کیا کہ آپ امیر بن جائیں میں فرمانبرداری کروں گا۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا تو اب تجھے میرے حکم سے باہر نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس کے بعد جب ہم پہلی منزل پر ٹھہرے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ بیٹھ جا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ آپ نے کنوئیں سے ٹھنڈا پانی نکالا، لکڑیاں جمع کیں، چولہے میں آگ جلائی اور مجھے گرم کیا۔ جب میں کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا تو آپ فرماتے بیٹھ جا اور اپنی شرط کو نگاہ میں رکھ۔ رات کو سخت بارش شروع ہوئی۔ آپ نے اپنی گودڑی اتار کر مجھ پر ڈال دی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے۔ جب گودڑی مجھ پر سے ذرا سرکتی آپ اسے ٹھیک کر کے مجھ پر ڈال دیتے۔ میں سخت شرمندگی محسوس کر رہا تھا مگر آپ فرماتے کہ اپنی

Marfat.com

شرط پر نگاہ رکھو چنانچہ میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔

جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا "اے شیخ! آج میں امیر بنوں گا۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ چنانچہ جب رات کو منزل پر اترے تو آپ نے پھر اسی طرح سے کام شروع کر دیا جس طرح سے گزشتہ رات کیا تھا۔ میں نے کہا کہ میں امیر ہوں آپ میرا حکم مانیں اور بیٹھ جائیں" آپ نے فرمایا کہ فرمان سے باہر وہ شخص جاتا ہے جو اپنے امیر کو خدمت کی زحمت دے۔ اپنے امیر کی خدمت کرنا میرا فرض ہے چنانچہ مکہ معظمہ پہنچنے تک یہی صورت رہی۔ مکہ معظمہ پہنچ کر میں شرم کے مارے آپ کی صحبت چھوڑ کر بھاگ گیا لیکن منیٰ میں آپ نے مجھے پکڑ لیا اور فرمایا بیٹا اسی طرح سے درویشوں کی خدمت کرنا لازم ہے۔ ان کی صحبت اسی طرح سے اختیار کرو جس طرح سے میں نے تمہارے ساتھ صحبت اختیار کی۔

## درویشوں کے فرائض

درویشوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو یکسو ہو کر کسی جگہ پر خدا کے کام میں لگ گئے ہیں۔ دوسرے وہ جو مسافر ہیں اور طلب و جستجو میں پھرتے اور جگہ جگہ جاتے ہیں۔ مشائخ نے پہلی قسم کے درویشوں کی خدمت کو فضیلت دی ہے کیونکہ وہ زمین میں چل پھر کر اپنے روزگار کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے لیکن ان مقیموں کا فرق ہے کہ وہ مسافروں کو اپنے سے بڑھ کر جانیں اور ان کی خدمت کریں۔ اس لئے کہ مقیم اپنے مقام پر بہر حال کچھ تعلقات اور مراسم رکھتے ہیں اور مسافر اجنبی اور بے سہارا ہوتے ہیں۔

اسی طرح سے جو بوڑھے ہوں ان کو چاہئے کہ جوانوں کو اپنے آپ پر فضیلت دیں کہ ان کی عمر تھوڑی اور گناہ کم ہیں اور جو جوان ہوں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ بوڑھوں کو اپنے آپ پر فضیلت دیں اور ان کو اپنا بزرگ سمجھیں کہ ان کا زمانہ عبادت ان سے زیادہ ہے اور وہ خدا کے دین کی خدمت میں ان سے مقدم ہیں۔

اب ہم ان آداب کا ذکر کرتے ہیں جو مختلف صورتوں میں آدمی پر عائد ہوتے ہیں

Marfat.com

اور جن کو ملحوظ رکھنا اس کے لئے ضروری ہے۔

## مقیم لوگوں کے آداب

جب کوئی درویش (سچا مومن) کسی جگہ پر مقیم ہو تو اسے حسب ذیل آداب کی پابندی کرنی چاہئے۔

اس کے پاس کوئی مسافر آئے تو بڑی خوشی اور تعظیم کے ساتھ اس کا استقبال کرے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ جونہی ان کے پاس مہمان آئے، ابراہیم علیہ السلام اندر گئے اور فوراً ان کے لئے ایک موٹا تازہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ درویش کو چاہئے کہ مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے۔ یہ باتیں پوچھنا آداب کے خلاف ہے۔ ان کا آنا اور جانا سب خداوند تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کا نام عبدالحق یا عبداللہ خیال کرے۔ پھر اس بات کا خیال کرے کہ مہمان خلوت کو پسند کرتا ہے یا صحبت میں خوش ہے۔ اگر اسے خلوت پسند ہو تو الگ جگہ کا اس کے لئے بندوبست کرے اور صحبت میں خوش ہے تو اس کے ساتھ رہے تاکہ آپس میں محبت اور اس کی خوشی میں اضافہ ہو۔ جب رات کو وہ سوئے تو اس کے پاؤں دبائے لیکن اگر وہ اس کو پسند نہ کرے اور کہے کہ مجھے اس کی عادت نہیں تو اصرار نہ کرے کہ اسے ناگوار نہ ہو۔ مہمان جیسے خوش ہو ویسے ہی کرے۔

صبح اس کے غسل کا اچھا انتظام کرے۔ اگر مقیم میں استطاعت ہو تو اسے کپڑوں کا نیا جوڑا پہنائے ورنہ کم از کم اسی کے کپڑوں کو دھو کر اتنا صاف کردے کہ وہ نماز پڑھنے کے لائق ہو جائے۔ مہمان کی خدمت خود کرے کسی اجنبی کو اس کی خدمت کے لئے مقرر نہ کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ مہمان کو پاک صاف اور آسودہ کرنے سے میں خود تمام آفتوں سے پاک وصاف اور آسودہ ہو جاؤں گا۔

اگر اپنے شہر میں کوئی بزرگ یا عالم دین یا نیک جماعت ہو تو اس کی زیارت کے

Marfat.com

لئے مہمان سے کہے۔ اگر وہ منظور کرے تو بہتر ورنہ اصرار نہ کرے لیکن یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ مہمان کو روسا اور دوسرے اہل دنیا کے سلام یا ان کی مہمانی، بیمار پرسی یا ماتم میں لے جائے۔ جو شخص اپنے مہمان کو گداگری کا ذریعہ بنانا چاہتا ہو کہ اسے گھر گھر لئے پھرے تو ایسی خدمت سے خدمت نہ کرنا بہتر ہے کیونکہ ایسا کرنے سے مہمان کی ذلت ہوتی ہے۔ میں (علی ہجویری بن عثمان جلابی) نے اپنے سفروں میں اس قسم کی مشقتیں اور رنج بہت دیکھے ہیں۔ بعض اوقات نااہل خادم اور ناپاک مقیم مجھے اٹھاتے اور اس خواجہ کے مکان سے اس دہقان کے ہاں لے جاتے اور وہاں سے کسی اور کے ہاں۔ میں بے حد کوفت محسوس کرتا اور کراہت سے چلتا۔ ظاہر میں چشم پوشی کرتا مگر دل میں یہ خیال کرتا کہ مقیم (یعنی میزبان) جو زیادتی مجھ پر کر رہے ہیں اگر کسی وقت میں مقیم ہوا تو مسافروں کے ساتھ کبھی نہ کروں گا۔ جاہل اور برے لوگوں کی صحبت سے آدمی اسی طرح سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے کہ ان کی جو باتیں اور کام اچھے نہ ہوں ان سے وہ خود اجتناب کرے۔

## سفر کے آداب

درویش (سچے مومن) کے لئے آداب سفر میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کا سفر خدا کے لئے ہو نہ کہ کسی خواہش نفس کی پیروی اور اس کے حصول کے لئے۔ مثلاً حج یا عمرے کے لئے، کسی غزوہ کے سلسلے میں، طالب علم یا کسی بزرگ کی زیارت اور اس سے حصول فیض کے لئے یا کسی مقدس مقام کی زیارت کے لئے وغیرہ۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ضروری سامان سفر لے کر نکلے مثلاً گودڑی (یعنی بستر اور ضروری کپڑے) سجادہ (یعنی جاء نماز) لوٹا، رسی (بستر بند) اور جوتا یا نعلین (چپل وغیرہ) اور عصا (چھڑی) تاکہ گودڑی سے ستر ڈھانکے اور اوڑھے، سجادہ پر نماز پڑھے، لوٹے سے طہارت کرے، عصا کی مدد سے آفتوں کو اپنے سے دور کرے اور اس میں اور بھی منافع ہیں اور جوتے سے طہارت اور وضو کے بعد مصلی تک پہنچے۔ ان چیزوں کے علاوہ سنت کی حفاظت و پیروی کے لئے یہ چیزیں بھی چاہئے تو ساتھ لے لے۔ کنگھی، ناخن گیر، سوئی دھاگہ اور

سرمہ دانی اور تیل۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت سے نوازا ہو تو اس سے بھی زیادہ سامان اپنے ساتھ لے سکتا ہے کیونکہ جہاں دنیا داروں کے لئے سامان دنیا کی فراوانی خدا سے دوری کے سبب اور اس کے تقرب کی راہ کے حجاب کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اصحاب تمکین و استقامت اور خدا کے دوستوں کے لئے یہ ازدیا شکر وسپاس کا باعث بنتی ہے۔

چنانچہ شیخ ابوالمسلم فارس بن غالب فارسی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو ایک تخت پر اس حالت میں دیکھا کہ آپ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور آپ نے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا۔ اوپر ایک مصری چادر اوڑھے ہوئے تھے اور میرے کپڑے میل کچیل سے چمڑے کی مانند ہو رہے تھے اور میرا جسم تکلیف اور مجاہدہ سے زرد اور مضمحل ہو رہا تھا۔ میں نے ان کا اور اپنا یہ حال دیکھا کہ یہ بھی درویش ہیں اور میں بھی درویش ہوں۔ یہ اس قدر آرام اور آسائش میں ہیں اور میں اس قدر مجاہدے کی زندگی گزار رہا ہوں۔ شیخ نے میرے اس باطن سے اطلاع پالی اور فرمایا: اے ابومسلم! تو نے کس دیوان میں یہ پایا ہے کہ خود میں بھی درویش ہو سکتا ہے۔ تو نے صرف اپنے آپ کو دیکھا تو نیچے بیٹھنے کے سوا تیرے حصے میں کچھ نہ آیا اور میں نے اپنے بجائے صرف حق پر نگاہ رکھی اور اس نے مجھے تخت پر بٹھایا۔ حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ آدمی بہ تکلف اس کے لئے اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرے۔ درویش کو چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے نعم سے نوازے تو شکر گزاری کی روش اختیار کرے اور اگر وہ اسے نعمت سے محروم کر کے ابتلاء کو اس کے لئے پسند فرمائے تو صبر کی راہ اختیار کرے۔

شیخ ابومسلم فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے ہوش اڑ گئے اور میرے اردگرد اندھیرا چھا گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے توبہ کی اور میری توبہ قبول ہوئی۔

مسافر کے لئے سنت کی حفاظت لازم ہے اور ہمیشہ لازم ہے۔ جب مقیم کے پاس پہنچے تو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ اس کے پاس آئے اور اس کو سلام کہے۔ پہلے

Marfat.com

بایاں پاؤں جوتے سے نکالے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے اور جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور پھر بائیں میں۔ اسی طرح جب پاؤں دھوئے تو پہلے دایاں پاؤں دھوئے اور اس کے بعد بایاں دھوئے۔ منزل پر پہنچ کر درویشوں کی صحبت میں مشغول ہونے سے پہلے دو رکعت نفل سنت کے مطابق پڑھے۔ مقیموں پر اپنی ناگزیر ضروریات کے سوا کسی چیز کا بوجھ نہ ڈالے، نہ ان پر اعتراض کرے، نہ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کرے اور نہ اپنے سفر کی تکالیف اور ذاتی حکایات بیان کر کر کے میزبانوں کو پریشان کرے۔

Marfat.com

احادیث مبارکہ کا بے مثال مجموعہ

شیخ حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ متقی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی بڑی کتب سے اصول سنن کے بارے میں جتنی احادیث کو جمع فرمایا اس سے زیادہ کسی نے نہیں کیا احمد عبدالجواد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جس نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اس نے حدیث کی ستر سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا۔

# كنز العمّال

## في سنن الأقوال والأفعال

مصنف

للعلامة علاء الدين علي المتقي بن حسام الدين الهندي

البرهان فوري المتوفى ۹۷۵ھ

کرمانوالہ بک شاپ

دوکان نمبر ۲ دربار مارکیٹ لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصحیفۃ الصحیحۃ صحیفہ ہمام بن منبہ
سیدنا امیر حمزہ
اسوۂ حسنہ
رسائل میلاد النبی

شادی
تذکرہ خلفائے راشدین
مسئلہ قیام و سلام اور محفل میلاد مصطفیٰ
کراماتِ صحابہ

مسند اسحاق بن راہویہ
کشف المحجوب
المعروف بقیع الغرقد جنت البقیع

احوال القبور (قبر کی ہولناکی)
احادیث مبارکہ کا بے مثال مجموعہ

الجامع الکبیر مترجم
محمد عابد عمران انجم مدنی

کنز العمال
فی سنن الاقوال والافعال
للعلامۃ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی البرہان پوری المتوفی ۹۷۵ھ
مترجم محمد عابد عمران انجم مدنی

جانِ کائنات سے جمادات کی محبت
نورانی حکایات
معمولاتِ مظہریہ

آپ ﷺ کے خصائص وشمائل پر ایک جامع کتاب
شمائلِ بغوی
محمد عابد عمران انجم مدنی

میری سرکار کرماں والے

مجموعہ درود و سلام
بحضور سرورِ کونین سید خیر الانام ﷺ
کلامِ ریاض
فضائل حجر اسود و مقام ابراہیم

طلع البدر
اسلامی ناموس
مرشد کامل حضرت کرماں والے
وقارِ شریعت

کلیات حضرت بیدم وارثی
کلام بابا بلھے شاہ
کلام حضرت سلطان باہو
مسلکِ حضرت داتا گنج بخش

حضرت ابوبکر صدیق
حضرت فاروق اعظم
حضرت عثمان غنی
حضرت علی المرتضیٰ
فیوض الشیخین
نجم الخطیب
تقریری نکات
تعظیم مصطفیٰ
احوال مقدسہ
میلاد مصطفیٰ
راہ طریقت
بہار مدینہ
تحقیق طلاق
تحقیق حلالہ
تقسیم وراثت
تجہیز و تکفین
مدینہ ساڈی جان اے (نعتیہ کلام)
لکیاں نیں موجاں (نعتیہ کلام)
بزرگوں کے عقیدے

کرمانوالہ بک شاپ
دوکان نمبر ۲۔ دربار مارکیٹ لاہور
Voice: 042-7249515

Marfat.com